
سب ٹائٹل

جمله حقوق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

15	تقدیم
19	امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات
19	نام، کنیت اور سلسلہ نسب:
19	خاندانی پس منظر:
23	امام اعظم رحمہ اللہ کے مولد و مسکن کو فہ کا علمی مقام:
25	امام اعظم رحمہ اللہ کے ابتدائی حالات:
26	تحصیل علم کی ابتداء:
27	تحصیل علم کلام:
29	فقہ کی طرف توجہ:
31	شرفِ تابعیت:
35	امام اعظم رحمہ اللہ کے بارے میں بشارتِ نبوی:
38	امام اعظم رحمہ اللہ اور علم حدیث:
41	امام اعظم رحمہ اللہ کی ثقاہت:
44	امام اعظم رحمہ اللہ اہل علم کی نظر میں:
45	اساتذہ و مشائخ عظام:
47	سلسلہ درس و تدریس:
48	تلامذہ امام اعظم رحمہ اللہ:

- 49 تدوین فقہ اسلامی:
- 50 امام اعظم رحمہ اللہ کی چالیس رکنی کمیٹی:
- 52 حلیہ و اوصاف جمیلہ:
- 53 اخلاق و اطوار:
- 54 امام اعظم رحمہ اللہ کا ذوقِ عبادت و شب بیداری:
- 55 عہدہ قضاء کی پیش کش اور امام اعظم رحمہ اللہ کا انکار:
- 59 وفات:
- 59 تالیفات و تصنیفات:
- 62 راوی کتاب امام حماد بن امام ابی حنیفہ رحمہما اللہ کے حالات
- 62 نام، کنیت اور سلسلہ نسب:
- 62 مولد و مسکن:
- 62 اوصاف و اخلاق:
- 63 اشاعتِ دین میں خدمات:
- 64 اولاد:
- 64 وفات:
- 65 کچھ الفقہ الاکبر کے بارے میں
- 65 1: الفقہ الاکبر بروایت الامام حماد رحمہ اللہ:
- 65 2: الفقہ الاکبر بروایت الامام ابی مطیع البلخی رحمہ اللہ:
- 68 الفقہ الاکبر امام اعظم رحمہ اللہ کی کتاب ہے، تصریحات ائمہ:
- 75 چند اشکالات کے جوابات
- 83 اول متکلم اور اول تصنیف فی علم الکلام

متن الفقہ الاکبر	85
اصول ایمان کا بیان	111
توحید کا لغوی معنی:	111
توحید کا اصطلاحی و شرعی معنی:	112
توحید کی اقسام:	112
اللہ تعالیٰ پر ایمان:	120
[۱]: ذات باری تعالیٰ	120
[۲]: صفات باری تعالیٰ:	125
[۳]: اسماء باری تعالیٰ:	126
فرشتوں پر ایمان:	126
فرشتوں کی ذمہ داریاں	129
فرشتوں کی تعداد	131
مقرب فرشتے	133
فرشتوں کے سردار	134
انسانوں اور فرشتوں میں باہمی فضیلت	137
آسمانی کتب پر ایمان:	142
رسولوں پر ایمان:	144
نبی کی تعریف	145
نبی و رسول میں فرق	148
تعداد انبیاء و رسل علیہم السلام	148
نبی کی ذات بشر، صفت نور	150
خدائی اختیارات و صفات نبی کے لیے ثابت نہیں	152

154	نبی اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
155	امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
157	افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
163	نبی العالمین صلی اللہ علیہ وسلم
165	خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
169	آخرت پر ایمان:
171	قبر کا معنی:
173	برزخ کا معنی:
173	برزخ کے احوال:
176	بعث بعد الموت پر ایمان:
180	قبر کی حیات:
190	تقدیر پر ایمان:
191	تقدیر کا معنی
191	تقدیر خیر اور تقدیر شر
191	تقدیر مہرم اور تقدیر معلق
192	حساب کتاب پر ایمان:
196	وزن اعمال پر ایمان:
198	جنت و جہنم پر ایمان:
205	جہنم کے عذاب:
207	جہنم کے سات طبقات:
211	جنت کی تخلیق:
213	جہنم کی تخلیق:
215	جنت کا ہمیشہ رہنا:

217	 جہنم کا ہمیشہ رہنا:
223	 توحید باری تعالیٰ کا مفہوم
226	 اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی مشابہت سے پاک ہونا
229	 اسماء و صفات ذاتیہ و فعلیہ
230	 اسمائے باری تعالیٰ
234	 صفات باری تعالیٰ:
234	 صفات ذاتیہ
240	 صفات فعلیہ:
246	 اللہ تعالیٰ کی صفات کا ازلی ہونا
248	 صفات باری تعالیٰ کا مخلوق نہ ہونا
249	 قرآن مجید کی تعریف
250	 قراء سبعہ کا تعارف:
253	 حافظہ کا مرکز؛ دل یا دماغ؟
254	 انزال:
255	 تنزیل:
256	 ترتیب نزولی اور وضعی:
261	 قرآن مخلوق نہیں
268	 قرآن مجید میں غیر اللہ کا کلام
271	 اللہ کا کلام اور غیر اللہ کا کلام

273	صفات باری تعالیٰ کا یکتا و بے مثال ہونا
275	اللہ تعالیٰ کا جسم سے پاک ہونا
285	صفات متشابہات کے بارے میں موقف
286	موقف نمبر 1: اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین
288	موقف نمبر 2: اہل السنۃ والجماعۃ متاخرین
292	موقف نمبر 3: معتزلہ
294	موقف نمبر 4: غیر مقلدین
307	تقدیر الہی کا بیان
310	مشیت الہی:
311	علم الہی:
311	قضاء الہی:
311	قدر الہی (تقدیر):
314	قضاء، قدر اور مشیت الہیہ کا ازلی ہونا
316	فطرت انسانی
319	وعدۃ الست
325	تبدیل اور تغیر میں فرق:
327	ایمان اور فطرت انسانی
328	افعال عباد کا بیان

- 329 اللہ تعالیٰ اعمال کا خالق ہے:
- 329 انسان اعمال کا کاسب ہے:
- 331 [۱]: فرقہ جبریہ
- 331 [۲]: فرقہ قدریہ
- 331 [۳]: اہل السنۃ والجماعۃ
- 334 طاعات پسندیدہ اور معاصی ناپسند
- 336 عصمت انبیاء علیہم السلام کا بیان
- 355 رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
- 358 خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی افضلیت کا بیان
- 366 صحابی کی تعریف
- 367 (1): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن ہیں
- 368 (2): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں
- 370 (3): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں
- 373 (4): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنقید سے بالاتر ہیں
- 375 (5): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ ہیں
- 377 (6): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع معصوم ہے
- 378 (7): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں
- 379 (8): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اخروی عذاب سے محفوظ ہیں
- 380 (9): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کا افضل ترین طبقہ ہیں
- 382 (10): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدائی انتخاب ہیں
- 384 (11): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم حرام ہے

- 386 (12): حب صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم
- 388 (13): اعدائے صحابہ سے براءت
- 389 (14): ترتیب مراتب صحابہ رضی اللہ عنہم
- 390 (15): عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم
- 391 (16): خلافت راشدہ و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
- 392 (17): خلافت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما
- 393 (18): خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
- 397 (19): حدیث خلافت تیس سال
- 399 (20): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات
- 402 (21): حق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ
- 403 فسق یزید:
- 404 مرتکب کبیرہ کو کافر نہ کہا جائے جب تک وہ گناہ کو حلال نہ سمجھے
- 404 مرتکب کبیرہ کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:
- 406 دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:
- 407 مرتکب کبیرہ کے بارے میں فرقہ معتزلہ کا موقف:
- 408 فرقہ معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات:
- 413 موزوں پر مسح کا بیان
- 417 نماز تراویح کا بیان
- 417 ایک غلط فہمی کا ازالہ:
- 418 دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:
- 422 تراویح کے بیس رکعت ہونے پر اجماع امت

- 423 نماز کس کے پیچھے پڑھی جائے
- 423 فاجر کی تعریف:
- 427 اہل السنۃ والجماعۃ کے بعض عقائد کا بیان
- 429 فرقہ مرجئہ سے براءت کا اعلان
- 430 اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:
- 430 اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل:
- 434 فرقہ مرجئہ کا موقف:
- 435 فرقہ مرجئہ کے دلائل:
- 437 ان دلائل کے جوابات:
- 440 ریاکاری اور خود پسندی کا نقصان
- 442 معجزات، کرامات، استدراجات
- 443 معجزہ کی تعریف
- 443 انبیاء علیہم السلام کے چند معجزات
- 445 کرامت کی تعریف
- 446 اولیاء اللہ کی چند کرامات
- 447 استدراج کی تعریف
- 448 چند استدراجات
- 452 خالقیت و رازقیت باری تعالیٰ
- 453 دیدار باری تعالیٰ

- 453 علمائے امت کا موقف:
- 455 دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:
- 459 معراج کے موقع پر دیدارِ خداوندی
- 468 ایمان کی تعریف
- 469 اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:
- 473 ایمان نہ بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے
- 480 مؤمنین کا ایمان میں برابر، اعمال میں متفاوت ہونا
- 483 اسلام اور ایمان میں مناسبت
- 484 اسلام اور ایمان میں لغوی فرق:
- 486 لفظ ”دین“ کا اطلاق
- 486 لفظ دین کی جامعیت:
- 488 دین اسلام کی بقیہ ادیان پر فوقیت
- 492 معرفت و عبادتِ باری تعالیٰ
- 496 مؤمنین کے ایمان میں یکسانیت کا بیان
- 497 فضل و عدلِ باری تعالیٰ
- 499 شفاعتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان
- 503 ترازو کے ذریعے اعمال کا وزن ہونا
- 503 حوض کوثر

- 506 قصاص برحق ہے
- 508 جنت اور جہنم کا فنا نہ ہونا
- 508 حور عین کا فنا نہ ہونا
- 515 عذاب و ثواب الہی کا ختم نہ ہونا
- 516 ہدایت و گمراہی کا فیصلہ
- 517 شیطان اور سلب ایمان
- 518 سوالات منکر نکیر اور اعادہ روح
- 532 ثواب و عذاب قبر
- 532 عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام
- 537 عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں صفات باری تعالیٰ
- 547 اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے قریب اور دور ہونے کا معنی
- 558 قرآن کریم کی تعریف اور آیات قرآن کی فضیلت
- 560 ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
- 564 ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتب
- 566 جناب ابوطالب کی وفات
- 569 اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

- 573 علم توحید کے مسائل سمجھنے میں دشواری کا حل
- 575 معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان
- 575 سفر معراج کے حصے:
- 579 معراج کے منکر کا حکم:
- 581 علامات قیامت کا بیان
- 582 علامات صغریٰ:
- 584 علامات کبریٰ:
- 584 1: حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد
- 588 2: دجال کا نکلنا
- 592 3: عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا
- 594 4: یاجوج ماجوج کا نکلنا
- 598 5: سورج کا مغرب سے نکلنا
- 599 6: آبیۃ الارض کا نکلنا
- 601 7: ٹھنڈی ہوا کا چلنا
- 601 8: حبشیوں کا غلبہ اور خانہ کعبہ کو گرانا
- 602 9: دھواں کا نکلنا
- 603 10: آگ کا نکلنا
- 605 اختتام کتاب
- 606 دعائے اختتام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَفْقًا بَعْدُ!

شریعت کے پانچ اجزاء ہیں:

اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت

دین اسلام میں ”اعتقادات“ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ انہی کی درستی پر دیگر اعمال کی قبولیت موقوف ہے۔ اگر اعتقادات درست ہوں تو اعمال بھی بارگاہِ الہی میں شرفِ قبولیت پالیتے ہیں اور اگر یہ اساس ہی فاسد ہو تو باقی اعمال کی قبولیت ناممکن ہے۔ اس لیے کامیابی اور کامرانی کے حصول کے لیے اعتقادات کا درست رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

عقائد کی مسلمہ اہمیت کے پیشِ نظر ہم نے اکابرین و اسلاف امت کے مرتب کردہ متونِ عقائد پر کام کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ اس سے قبل ہم نے امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی رحمہ اللہ (ت 321ھ) کی ”العقیدۃ الطحاویۃ“ اور محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ (ت 1346ھ) کی ”المہند علی المفند“ ترجمہ و تشریح کے ساتھ پیش کی ہے۔ علمی اور عوامی حلقوں میں ان کتب کو بے پناہ پذیرائی حاصل ہوئی ہے جس پر ہم اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں۔

اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (ت 150ھ) کی کتاب الفقہ الاکبر بروایۃ الامام حماد بن الامام الاعظم ابی حنیفہ رحمہما اللہ کا انتخاب کیا ہے جو دیگر متونِ عقائد سے زماناً مقدم ہونے کے ساتھ ساتھ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد پر جامع اور مختصر متن ہے۔

بندہ نے پہلے اس متن کو متعدد بار اندرون و بیرون ملک کے کئی احباب کو در سنا پڑھایا ہے جس کی مختصر روئیدادیہ ہے:

- 1: اپریل 2019ء دورہ تحقیق المسائل مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا
- 2: اگست 2019ء دورہ تحقیق المسائل کراچی
- 3: دسمبر 2020ء آن لائن، علمائے افغانستان
- 4: جنوری 2021ء آن لائن، علمائے ترکی
- 5: فروری 2021ء آن لائن، علمائے انگلینڈ
- 6: فروری 2021ء آن لائن، علمائے امریکہ
- 7: فروری 2021ء آن لائن، علمائے انڈیا

متعدد بار درس دینے کے بعد ہم نے الفقہ الاکبر کی شرح تحریر کی ہے۔ شرح لکھتے وقت ان امور کا اہتمام کیا ہے:

- ☀ شروع میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کو مختصراً بیان کیا ہے ورنہ آپ کی شخصیت تو ایک عظیم الشان کتاب کی متقاضی ہے۔
- ☀ راوی کتاب امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ کے حالات زندگی کو بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

☀ الفقہ الاکبر کے اس نسخہ (جس کی ہم نے شرح لکھی ہے) کی صحت استناد پر گفتگو کی ہے اور اکابر و اسلاف وغیرہ سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے کہ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کتاب ہے۔ چنانچہ تیرہ (13) حضرات کے حوالہ جات پیش کیے ہیں جنہوں نے ”الفقہ الاکبر“ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قرار دیا ہے۔ نیز اس ضمن میں بعض مخالفین اور بعض موافقین کی جانب سے ”الفقہ الاکبر“ کے امام صاحب کی کتاب ہونے پر جو چند ایک اشکالات کیے گئے تھے ان کا بھی جواب دیا ہے۔

- ⚙ متن کا سلیس اور عام فہم اردو ترجمہ کیا ہے۔
- ⚙ ہر عقیدہ کی تشریح و توضیح کی ہے۔
- ⚙ ان عقائد کو مدلل کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے دلائل کو ذکر کیا ہے۔
- ⚙ بیشتر مقامات پر اکابرین و اسلاف امت کی تشریحات کو بھی ذکر کیا ہے۔
- ⚙ بعض مقامات پر اہم اشکالات کا جواب بھی دیا ہے۔
- ⚙ بعض تعارضات کو بھی حل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی تو ان شاء اللہ اس سلسلے کو آگے بڑھایا جائے گا تاکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مستند و معتبر متون امت کے سامنے آسکیں اور امت ان سے مستفید ہو سکے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی دیکھیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

محتاج دعا

محمد ریاس سکھن

استنبول، ترکی

جمعۃ المبارک؛ 7- ربیع الثانی 1443ھ، 12- نومبر 2021ء

طبع جدید

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَفْقًا بَعْدُ!

بندہ نے جنوری 2023ء میں ایک بار پھر ”الفقہ الاکبر“ کا آن لائن درس دیا جس میں مختلف ممالک کے علمائے کرام شریک ہوئے۔ اس درس کے بعد اپنی ”شرح الفقہ الاکبر“ کے پہلے ایڈیشن پر نظر ثانی کی۔ زیر نظر نسخہ ”شرح الفقہ الاکبر“ کا جدید ایڈیشن ہے جو کچھ ترمیم و اضافہ کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اگر اس ایڈیشن میں بھی کوئی غلطی دیکھیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی بھی اصلاح کی جاسکے۔

محتاج دعا

مہرِ سیاس کھن

استنبول، ترکی

جمعرات؛ 17- جمادی الاول 1445ھ 30- نومبر 2023ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

نام، کنیت اور سلسلہ نسب:

آپ کا نام ”نعمان“ اور کنیت ”ابو حنیفہ“ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت 463ھ) یوں بیان کرتے ہیں:

نعمان بن ثابت بن نعمان بن المرزبان.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 233

امام صاحب کے دادا ”زوطی“ اور پڑدادا ”ماہ“ کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں لیکن مذکورہ سلسلہ نسب میں امام صاحب کے دادا اور پڑدادا کے مذکورہ اسماء (نعمان اور مرزبان) آپ کے پوتے امام اسماعیل بن حماد رحمۃ اللہ علیہما کے بیان کردہ ہیں۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ امام صاحب کے دادا کا اصل نام ”زوطی“ تھا، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کا نام بدل کر ”نعمان“ رکھ دیا گیا۔ اسی طرح ”ماہ“ اور ”مرزبان“ بھی بظاہر ہم معنی الفاظ معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ ایک ہی اسم ہو اور آپ کے پڑدادا کا لقب ہو، نام ان کا کچھ اور ہو جیسا کہ بعض مؤرخین نے یہی خیال ظاہر بھی کیا ہے۔ آپ کی کنیت ”ابو حنیفہ“ اور نام ”نعمان“ کے لطائف آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے خاندان کا تعلق کس علاقے سے تھا؟ اس کے متعلق مؤرخین

مختلف الآراء ہیں۔ بعض نے بابل، بعض نے ترمذ اور بعض نے کابل وغیرہ جیسے شہروں کے نام لیے ہیں۔ تاہم مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ فارسی النسل ہیں اور ایک آزاد خاندانی پس منظر رکھتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کا خاندان کبھی کسی زمانہ میں غلامی سے دوچار نہیں ہوا۔ امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد رحمہما اللہ کا بیان امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت 463ھ) نقل کرتے ہیں:

أَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ الثُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ الثُّعْمَانِ بْنِ الْمَرْزُبَانِ مِنْ أَهْلِ فَارِسِ الْأَحْزَارِ وَاللَّهُ! مَا وَقَعَ عَلَيْنَا رِقٌّ قَطُّ.

تاریخ بغداد ج 11 ص 233

ترجمہ: میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہمارا تعلق فارس کے آزاد لوگوں سے ہے۔ واللہ! ہم لوگ کبھی غلامی کا شکار نہیں ہوئے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان مشرف بہ اسلام ہوا تو انہیں بعض رشتہ داروں کی جانب سے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا جس سے تنگ آکر انہوں نے اپنے آبائی علاقے (بابل، ترمذ یا کابل بحسب اختلاف اقوال) کو چھوڑ کر کسی اور جگہ ہجرت کا ارادہ کیا۔ چنانچہ قبول اسلام کے بعد نعمان (سابقہ نام زوطی) نقد اثاثہ لے کر آبائی علاقے سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ دور خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا دور تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے شہر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا ہوا تھا۔ نعمان (زوطی) اپنے سفر ہجرت کے دوران کوفہ شہر پہنچے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ نے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر کے کپڑے کی تجارت شروع کر دی۔

تاریخی روایات کے مطابق امام صاحب کے دادا نعمان بن مرزبان حضرت

علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ کا ہدیہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت 463ھ) لکھتے ہیں:

وَالْتُّعْمَانُ بْنُ الْمَرْزُبَانَ أَبُو ثَابِتٍ هُوَ الذَّابِحُ أَهْلِي لِعَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ الْفَالُودَجُ فِي يَوْمِ الثَّيْزُورِ فَقَالَ: تَوَرُّوزُكَ كُلَّ يَوْمٍ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 233

ترجمہ: ثابت کے والد نعمان بن مرزبان ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں نوروز کے دن فالودہ ہدیہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہمارا توہر دن نوروز ہے۔“

فائدہ:

”نوروز“ فارسیوں کے سال نو کا پہلا دن ہوتا تھا۔ موجودہ شمسی سال سے بہت پہلے قدیم ترین ایرانی تہذیبوں میں ایک تقویم رائج تھی جسے ”خورشید تقویم“ کہتے تھے۔ اس تقویم کے پہلے مہینہ ”فروردین“ کا پہلا دن ”نوروز“ کہلاتا تھا۔ اس دن سورج خط استواء کے عین اوپر سے گزرتا ہے اور اس میں دن رات برابر ہوتے ہیں۔ یہ دن ان کے ہاں موسم بہار کے آغاز کا دن ہوتا تھا جسے وہ لوگ جشن کے طور مناتے تھے۔ مختلف خاندان جمع ہوتے، ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے اور تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے۔ موجودہ سال کے اعتبار سے یہ دن 21 مارچ یا اس سے ایک اگلا یا پچھلا دن بنتا ہے۔

اسلام کی آمد کے بعد مسلمانوں کے لیے صرف دو عیدوں کو خوشی کا دن قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مروج ایام مثلاً نوروز وغیرہ کو محض ایک عام دن قرار دیا گیا۔ اسی لئے جب امام صاحب کے دادا نعمان بن مرزبان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں نوروز کا فالودہ پیش کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ”ہمارا توہر دن نوروز ہے“

فرما کر واضح فرمادیا کہ اسلامی نقطہ نظر سے اس دن کی کوئی اہمیت نہیں، اسلام کی نظر میں یہ دن عام دنوں کی طرح ہے۔ جس طرح ہر دن ہدیہ دینا درست ہے تو اس دن کو بھی عام دن شمار کر کے اس میں ہدیہ دینا درست ہے۔ اس دن کو کسی خصوصیت کا حامل قرار دے کر تحفے تحائف کا تبادلہ نہ کیا جائے۔

خود آپ کے والد ”ثابت“ بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت 463ھ) امام صاحب کے پوتے اسماعیل کا بیان نقل کرتے ہیں:

وَلَدَ جَدِّي فِي سَنَةِ ثَمَانِينَ وَذَهَبَ ثَابِتٌ إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ صَغِيرٌ فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِيهِ وَفِي ذُرِّيَّتِهِ وَنَحْنُ نَرْجُو مِنَ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ قَدِ اسْتَجَابَ اللَّهُ ذَلِكَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَفِينَا.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 233

ترجمہ: میرے دادا (امام ابو حنیفہ) سن 80 ہجری میں پیدا ہوئے۔ (میرے دادا کے والد) ثابت بچپن میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی ہے۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گہرا تعلق رہا ہے۔ غالباً یہی تعلق ثابت اور ان کی اولاد کے لیے خصوصیت سے دعا کرنے کا سبب بنا۔

تاریخ ولادت:

امام صاحب کی ولادت سن 80 ہجری میں شہر کوفہ میں ہوئی۔

تاریخ بغداد: ج 11 ص 236، سیر اعلام النبلاء: ج 5 ص 531

امام اعظم رحمہ اللہ کے مولد و مسکن کوفہ کا علمی مقام:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا درخشاں دور تھا۔ شہر ”کوفہ“ آپ کی جائے ولادت بنا جو مرکز علم و فن تھا۔ اس شہر کی بنیاد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے محرم الحرام سن 17 ہجری میں رکھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کی بڑی تعداد، مختلف اقوام اور اہل فن و حرفت سے اس شہر کو بسایا گیا۔

چنانچہ تابعی کبیر فقیہ العراق امام ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود النخعی رحمہ اللہ (ت 96ھ) فرماتے ہیں:

هَبَطَ الْكُوفَةُ ثَلَاثُمِائَةٍ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ وَسَبْعُونَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ.

الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج 6 ص 4

ترجمہ: بیعت رضوان میں شریک تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ستر بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

امام احمد بن عبد اللہ بن صالح العلجی الکوفی رحمہ اللہ (ت 261ھ) فرماتے

ہیں:

نَزَلَ الْكُوفَةُ أَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

تاریخ الثقات للعلجی: ص 517 باب فیمن نزل الکوفہ وغیرہا من الصحابة

ترجمہ: کوفہ میں پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آکر فروکش ہوئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قدر کثیر تعداد میں آمد سے شہر کوفہ قرآن و سنت کے زمزموں سے گونج اٹھا۔ مزید براں خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس شہر کو دار الخلافہ بنانے اور دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد جید سلاطین علم حضرات تابعین کرام رحمہم اللہ کی آمد نے اس شہر کی اہمیت کو چار چاند لگا دیے۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

الْكُوفَةُ نَزَلَهَا جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ، كَاثِرٌ مَسْعُودٌ، وَعَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ، وَ
عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَخَلْقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ ثُمَّ كَانَ فِيهَا مِنَ التَّابِعِينَ
كَعَلْقَمَةَ، وَمَسْرُوقٍ، وَعُبَيْدَةَ، وَالْأَسْوَدِ ثُمَّ الشَّعْبِيُّ، وَالتَّخَعِيُّ، وَالحَكَمُ بْنُ
عُتَيْبَةَ، وَحَمَّادٍ، وَأَبِي إِسْحَاقَ، وَمَنْصُورٍ، وَالْأَعْمَشِ، وَأَصْحَابِهِمْ.

الامصار ذوات الآثار للذہبی: ص 3

ترجمہ: شہر کوفہ میں حضرت ابن مسعود، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت علی جیسے جلیل القدر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد آکر قیام پذیر ہوئی۔ پھر تابعین میں علقمہ، مسروق، عبیدہ، اسود، شعبی، نخعی، حکم بن عتیبہ، حماد، ابواسحاق، منصور اور اعمش جیسے افراد بھی اس شہر کی زینت بنے۔

قراء سبعہ میں سے تین قراء کرام: قاری عاصم، قاری حمزہ اور قاری کسائی رحمہم اللہ شہر کوفہ میں قیام پذیر تھے۔

فقہ اہل العراق وحدیثہم للکوثری: ص 21

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) کوفہ

کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:
 دَارُ الْفَضْلِ وَمَحَلُّ الْفَضْلَاءِ.

شرح صحیح مسلم للنووی: ج 1 ص 185

ترجمہ: یہ شہر (کوفہ) فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔

صحیح البخاری کے تین سو سے زیادہ راوی کوفہ کے رہنے والے تھے۔

خود امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) شہر کوفہ کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

دَخَلْتُ إِلَى الشَّامِ وَمِصْرَ وَالْجَزِيرَةَ مَرَّتَيْنِ وَإِلَى الْبَصْرَةِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ
 وَأَقَمْتُ بِالْحِجَازِ سِتَّةَ أَعْوَامٍ وَلَا أُحْصِي كَمْ دَخَلْتُ إِلَى الْكُوفَةِ.

ہدی الساری لابن حجر: ص 670

ترجمہ: میں (طلبِ حدیث کے سلسلہ میں) شام، مصر اور جزیرہ دو مرتبہ گیا، چار مرتبہ بصرہ گیا، چھ سال تک حجاز میں مقیم رہا لیکن میں شمار نہیں کر سکتا کہ کوفہ کتنی بار گیا!

کوفہ کے اس مختصر سے تعارف سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جائے ولادت اور مسکن وہ شہر بنا جو علومِ اسلامیہ کا مرکز اور منبع رہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر شہر بغداد کے تعمیر ہونے تک وسعتِ علم اور کثرتِ حدیث میں بلادِ اسلامیہ میں امتیازی حیثیت کا حامل رہا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے ابتدائی حالات:

آپ کے والد ماجد کا پیشہ ریشمی کپڑے کی تیاری اور تجارت کا تھا اس لیے آپ نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا۔ آپ نے ریشم کا کارخانہ قائم کیا ہوا تھا جس کی آمدن کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر فقراء و مساکین پر بھی صرف فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں فرمایا۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ (ت 748ھ) آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

يَجْمَعُ الْفِقْهَ وَالْعِبَادَةَ وَالْوَرَعَ وَالسَّخَاءَ وَكَانَ لَا يَقْبَلُ جَوَائِزَ الدَّوْلَةِ
بَلْ يُنْفِقُ وَيُؤْتِي مَنْ كَسِبَهُ لَهُ دَارٌ كَبِيرَةٌ لِعَمَلِ الْحَزْنِ، وَعِنْدَهُ صُنَاعٌ وَأُجْرَاءٌ.

العبر فی خبر من غیر للذہبی: ج 1 ص 164

ترجمہ: امام صاحب کی شخصیت فقہ، عبادت، پرہیزگاری اور سخاوت جیسی صفات کی جامع تھی۔ اصحابِ سلطنت کے عطایا کو قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ اپنی کمائی سے دوسروں پر خرچ کرتے اور انہیں (خود پر) ترجیح دیتے تھے۔ ریشم بنانے کے لیے ایک بڑا کارخانہ قائم کیا تھا جس میں کاریگر اور مزدور طبقہ کام کرتا تھا۔

تحصیل علم کی ابتداء:

ابتداء میں امام صاحب چونکہ تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے اس لیے بازاروں اور تاجروں کے پاس آمد و رفت رہتی تھی۔ امام ابو عمر عامر بن شراحیل الشبعی رحمہ اللہ (ت 103ھ / 106ھ) کا گھر بازار کے قریب ہی تھا۔ مثل مشہور ”أَلَوْلِدُ يُعْرِفُ فِي الْمَهْدِ“ (کہ بچہ پنگھوڑے میں ہی پہچانا جاتا ہے) کے پیشِ نظر امام صاحب کے چہرہ پر علم و عمل کے آثار اور ذہانت و فطانت کے احوال نمایاں رہتے تھے۔ ایک دن آپ اپنے کسی تجارتی کام کے سلسلہ میں بازار سے گزر رہے تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب کو جاتے ہوئے دیکھ کر سمجھے کہ کوئی طالب علم جا رہا ہے۔ انہیں اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ آپ کس کے ہاں آتے جاتے ہیں؟ امام صاحب نے کسی تاجر کا نام لیا تو امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لَمْ أَعْنِ الْإِحْتِلَافَ إِلَى السُّوقِ، عَنِيتُ الْإِحْتِلَافَ إِلَى الْعُلَمَاءِ
فَقُلْتُ: أَنَا قَلِيلٌ الْإِحْتِلَافِ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: لَا تَفْعَلْ! وَعَلَيْكَ بِالنَّظَرِ فِي الْعِلْمِ

وَمُجَالَسَةِ الْعُلَمَاءِ، فَإِنِّي أَرَى فِيكَ يَفْظَةً وَحَرَكَةً، قَالَ: فَوَقَعَ فِي قَلْبِي مِنْ قَوْلِهِ
فَتَرَكْتُ الْإِخْتِلَافَ إِلَى السُّوقِ، وَأَخَذْتُ فِي الْعِلْمِ، فَتَفَعَّلَنِي اللَّهُ بِقَوْلِهِ.

عقود الجمان للصالحی: ص 162، 163

ترجمہ: میرا پوچھنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ بازار میں کس کے پاس آتے جاتے ہیں بلکہ میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ علماء میں سے کس عالم کے پاس جاتے ہیں؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ میں علماء کے پاس بہت کم جاتا ہوں۔ اس پر امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس طرح غفلت کا شکار نہ ہوں بلکہ حصول علم پر توجہ دیں اور علماء کی صحبت کو لازم پکڑیں کیونکہ مجھے آپ میں بیدار مغزی اور قابلیت نظر آرہی ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ امام شعبی رحمہ اللہ کی یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، لہذا میں نے بازار جانا چھوڑ دیا اور علم حاصل کرنے میں مشغول ہو گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے مجھے امام شعبی رحمہ اللہ کی بات سے نفع پہنچایا۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کا گہرا اثر لیے امام صاحب تحصیل علم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے اور اس میدان میں اس قدر محنت کی کہ اپنے معاصرین پر فائق نظر آئے۔

علامہ حافظ محمد بن یوسف صالحی الشافعی رحمہ اللہ (ت 942ھ) فرماتے ہیں:

فَشَرَعَ جَبْنِيذٍ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَفَاقَ فِيهِ أَقْرَانَهُ.

عقود الجمان للصالحی: ص 162

ترجمہ: امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کے بعد آپ حصول علم میں ایسے مشغول ہوئے کہ اپنے ہم زمان لوگوں پر سبقت لے گئے۔

تحصیل علم کلام:

آپ نے ابتداء میں علم الکلام والجدال حاصل کیا اور اس میں درجہ تحریر پر

فائز ہوئے۔ اس فن کی بدولت آپ نے فرق باطلہ و اہل ہواء کے ساتھ مناظرے و مباحثے کیے اور اہل حق کی حقانیت کا لوہا منواتے رہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بیان جسے امام ابوالمؤید موفق بن احمد الخوارزمی المکی الخفی رحمہ اللہ (ت 568ھ) نقل کرتے ہیں، یہ ہے:

كُنْتُ رَجُلًا أُعْطِيتُ جَدَلًا فِي الْكَلَامِ، فَمَطَى دَهْرٌ فِيهِ أَتَرَدَّدُ، وَبِهِ أَتَحَاسِمُ وَعَنْهُ أَتَأْخِصِلُ، وَكَانَ أَصْحَابُ الْخُصُومَاتِ وَالْجَدَلِ أَكْثَرُهُمْ بِالْبَصَرَةِ، فَدَخَلْتُ الْبَصْرَةَ نَيْفًا وَعِشْرِينَ مَرَّةً، مِنْهَا مَا أُفِيئِمُ سَنَةً وَأَقْلَّ وَأَكْثَرُ وَكُنْتُ قَدْ نَازَعْتُ طَبَقَاتِ الْخَوَارِجِ مِنَ الْأَبَاضِيَّةِ وَالصَّفَرِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ، وَطَبَقَاتِ الْحَشَوِيَّةِ.

مناقب الامام اعظم للمکی: ج 1 ص 59، 60

ترجمہ: میں ایک زمانہ تک علم الکلام میں مشغول رہا ہوں اور ایک مدت تک اس قسم کے لوگوں سے مناظرے کیے ہیں حتیٰ کہ بیس سے زائد دفعہ بصرہ جانے کا اتفاق ہوا جو اس وقت اصحابِ خصومات و جدل کا مرکز تھا۔ مجھے وہاں ہر مرتبہ کبھی سال بھر، کبھی کم اور کبھی زیادہ قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ میں وہاں خوارج کے گرد و ہوں مثلاً اباضیہ، صفویہ اور حشویہ کے فرقوں سے مناظرے کرتا تھا۔

اس دور میں بلادِ عجم ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق بحث و تمحیص کے سلسلہ میں معروف تھے۔ اسلام جب عرب سے نکل کر دیگر عجمی علاقوں میں پھیلا تو تہذیب و تمدن اور افکار و فہم کے تفاوت کے سبب لوگ اعتقادات میں دقتِ نظر سے کام لینے لگے۔ یوں آہستہ آہستہ اعتقادی اسباحث کا دروازہ کھلنا شروع ہو گیا اور فرقہ ہائے باطلہ مثلاً روافض، خوارج، معتزلہ، جہمیہ وغیرہ نے اعتقاداتِ حقہ کو ٹھیس پہنچانا شروع کی۔ اکابرینِ اہل حق ان کے جوابات کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت ان

فرقوں کے جوابات دینے کے لیے دینی علوم کے ساتھ ساتھ ذہانت، ذکاوت اور بلندی فکر درکار تھی۔ قدرتِ حق نے یہ صلاحیتیں امام صاحب میں ودیعت فرمادی تھیں۔ یوں خداداد صلاحیت کے ساتھ ساتھ اس وقت کے ماحول نے امام صاحب کو علم الکلام کا مرجع بنادیا اور فقہائے کرام میں آپ کا شمار اس فن کے اول متکلم کے طور پر ہونے لگا۔

امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر التیمی البغدادی رحمہ اللہ (ت 429ھ) لکھتے

ہیں:

وَأَوَّلُ مُتَكَلِّمِيهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَأَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ أَبُو حَنِيفَةَ
وَالشَّافِعِيُّ فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ لَهُ كِتَابٌ فِي الرَّدِّ عَلَى الْقَدَرِيَّةِ سَمَّاهُ "كِتَابُ الْفِقْهِ
الْأَكْبَرِ".

کتاب اصول الدین: ص 308

ترجمہ: فقہاء اور ارباب مذاہب میں سب سے پہلے متکلم؛ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ کی فرقہ قدریہ کے رد میں ایک کتاب ہے جس کا نام انہوں نے ”الفقہ الاکبر“ رکھا۔

فقہ کی طرف توجہ:

تحصیل علم کے ابتدائی دور میں امام صاحب کی توجہ زیادہ تر علم الکلام کی طرف رہی۔ بعد میں آپ نے علم الکلام چھوڑ کر امام حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ کی شاگردی اختیار کر لی اور ان کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ امام زفر بن ہذیل العنبری رحمہ اللہ (ت 158ھ) نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

كُنْتُ أَنْظُرُ فِي الْكَلَامِ حَتَّى بَلَغْتُ فِيهِ مَبْلَغًا يُشَارُ إِلَيْهِ فِيهِ بِالْأَصَابِ
وَكُنَّا نَجْلِسُ بِالْقُرْبِ مِنْ حَلْقَةِ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ فَبَإْتَنِي أَمْرًا كَبِيرًا فَقَالَتْ:

رَجُلٌ لَهُ امْرَأَةٌ اَمَةٌ اَرَادَ اَنْ يُطَلِّقَهَا لِلسَّنَةِ كَمَا يُطَلِّقُهَا؟ فَاَمَرْتُهَا اَنْ تَسْأَلَ
 حَمَادًا ثُمَّ تَرْجِعَ فَنُخْبِرَنِي، فَسَأَلَتْ حَمَادًا فَقَالَ: يُطَلِّقُهَا وَهِيَ ظَاهِرٌ مِنَ الْحَيْضِ
 وَالْجِمَاعِ تَطْلِيقًا ثُمَّ يَنْزُكُهَا حَتَّى تَحِيضَ حَيْضَتَيْنِ فَاِذَا اغْتَسَلَتْ فَقَدْ حَلَّتْ
 لِلزَّوْاجِ فَرَجَعْتُ فَاخْبَرْتَنِي فَقُلْتُ: لَا حَاجَةَ لِي فِي الْكَلَامِ وَاَخَذْتُ نَعْلِي
 فَجَلَسْتُ اِلَى حَمَادٍ فَكُنْتُ اَسْمَعُ مَسَائِلَهُ فَاَحْفَظُ قَوْلَهُ ثُمَّ يُعِيدُهَا مِنَ الْعَدِّ
 فَاَحْفَظُ وَيُطْعِمُنِي اَصْحَابُهُ فَقَالَ: لَا يَجْلِسُ فِي صَدْرِ الْحَلَقَةِ بِحَدَائِي غَيْرُ اَبِي حَنِيفَةَ
 فَصَحْبَتُهُ عَشْرَ سِنِينَ.... قَالَ: وَفِي رِوَايَةِ اَحْمَدَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْعَجَلِي: فَصَحْبَتُهُ
 ثَمَانِي عَشَرَ سَنَةً.

مناقب الامام الاعظم للمصنف ج 1 ص 55، 56

ترجمہ: شروع میں میری توجہ علم الکلام کی طرف زیادہ رہی اور میں اس میدان میں اس
 درجہ پر پہنچ گیا تھا کہ لوگ انگلیوں سے میری طرف اشارہ کرنے لگے۔ ہم لوگ امام
 حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس کے قریب بیٹھتے تھے۔ ایک دن ایک
 خاتون آئی اور مسئلہ پوچھنے لگی کہ ایک شخص کے نکاح میں باندی ہے جسے وہ شخص طلاق
 سنت دینا چاہتا ہے تو وہ اسے کتنی طلاق دے؟ میں نے اسے کہا کہ امام حماد سے جا کر
 پوچھ لو، پھر جو جواب وہ ارشاد فرمائیں وہ مجھے بھی بتلاتی جانا! اس نے جا کر مسئلہ پوچھا تو
 امام حماد نے فرمایا: اس عورت کا خاوند اسے ایسے طہر میں ایک طلاق دے دے جس
 میں اس سے صحبت نہ کی ہو۔ پھر وہ عورت دو حیض عدت گزارے۔ جب وہ دو حیض
 سے فارغ ہو کر نہالے گی تو (اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور اگر) دوسری جگہ نکاح
 کرنا چاہے تو کر سکے گی۔ اس عورت نے واپسی پر مجھے بھی یہ مسئلہ بتایا۔ تو میں نے کہا کہ
 اب مجھے علم الکلام کی ضرورت نہیں۔ یہ کہا، اپنے جوتے اٹھائے اور امام حماد رحمہ اللہ
 کے درس میں شامل ہو گیا۔ پھر میرا معمول یہ ہو گیا کہ جو مسائل سنتا انہیں یاد کر لیتا اور

دوسرے دن دہر الیتا۔ (جب امام حماد رحمہ اللہ وہ مسائل سنتے تو) مجھے وہ مسائل یاد ہوتے لیکن باقی ساتھیوں کو بیان کرنے میں غلطی لگ جاتی۔ تو امام حماد رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے حلقہ درس میں سامنے کی جانب ابو حنیفہ کے علاوہ کوئی نہ بیٹھے۔ یوں میں امام حماد رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں دس برس رہا۔ احمد بن عبد اللہ الجلی کی روایت میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں امام حماد رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں اٹھارہ برس رہا۔

شرفِ تابعیت:

امام صاحب کی پیدائش جس زمانہ میں ہوئی اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بقید حیات تھی۔ آپ رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہوا کہ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت اور ان سے روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ کے تابعی ہونے پر ائمہ کرام کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

[1]: مورخ علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق المعروف بابن ندیم (ت 385ھ) لکھتے ہیں:

وَكَانَ مِنَ التَّابِعِينَ لَقِيَ عِدَّةً مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

الفہرست لابن ندیم: ص 342

ترجمہ: امام ابو حنیفہ تابعین میں سے تھے، آپ نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔

[2]: امام ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر المالکی (ت 463ھ) فرماتے ہیں:

ذَكَرَ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ كَاتِبُ الْوَاقِدِيِّ أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ رَأَى أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

جامع بیان العلم وفضله: ص 54

ترجمہ: محمد بن سعد جو امام واقدی کے کاتب ہیں، فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس اور حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جَزْء رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے۔

[3]: علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

وُلِدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ.... فِي سَنَةِ ثَمَانِينَ فِي خِلَافَةِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ بِالْكُوفَةِ وَذَلِكَ فِي حَيَاةِ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَكَانَ مِنَ التَّابِعِينَ لَهُمْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِإِحْسَانٍ فَإِنَّهُ صَحَّحَ أَنَّهُ رَأَى أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِذْ قَدِمَهَا أَنَسُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

مناقب الامام ابی حنیفہ: صاحبیہ للذہبی: ص 9، 10

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سن 80 ہجری میں عبد الملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت باحیات تھی۔ امام ابو حنیفہ - ان شاء اللہ - صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (کی زیارت کی وجہ سے ان) کے تابعین میں شامل ہیں کیونکہ یہ بات صحیح (اور ثابت) ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تھے تو امام صاحب نے ان کی زیارت کی تھی۔

[4]: امام ابو زکریا یحییٰ بن ابراہیم بن احمد الآزدی (ت 550ھ) لکھتے ہیں:

فَأَبُو حَنِيفَةَ أَذْرَكَ الصَّحَابَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - فَهُوَ مِنَ التَّابِعِينَ.

منازل الائمہ الاربعہ: ص 35

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے، اس لیے آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔

[5]: علامہ حافظ محمد بن یوسف صالحی الشافعی (ت 942ھ) فرماتے ہیں:

إِعْلَمْ - رَحِمَكَ اللَّهُ تَعَالَى - أَنَّ الْإِمَامَ أَبَا حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مِنَ التَّابِعِينَ وَصَحَّحَ كَمَا قَالَ الْحَافِظُ النَّاقِدُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الدَّهْلِيُّ أَنَّهُ رَأَى أَنَسَ

بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ صَغِيرٌ.

عقود الجمان للصالحی: ص 70

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، یہ بات جان لیجیے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین میں سے ہیں اور جیسا کہ حافظ ناقد امام ابو عبد اللہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح (اور ثابت) ہے کہ امام صاحب نے بچپن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔

شیخ علامہ محدث محمد ہاشم بن عبد الغفور سندھی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1174ھ) نے تصریح فرمائی ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں اکیس صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ آپ رحمہ اللہ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ نام ذکر کیے ہیں جو ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

1: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی الاسلمی رضی اللہ عنہ

2: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

3: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ

4: حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جَزْء الزُّبَیْدِی رضی اللہ عنہ

5: حضرت عبد اللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ

6: حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ

7: حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ

8: حضرت سائب بن خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ

9: حضرت محمود بن الربیع بن سراقہ رضی اللہ عنہ

10: حضرت محمود بن لبید بن عقبہ بن رافع رضی اللہ عنہ

11: حضرت عبد اللہ بن بُسر المازنی رضی اللہ عنہ

- 12: حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ
- 13: حضرت وابصہ بن معبد بن عقبہ الاسدی رضی اللہ عنہ
- 14: حضرت ابو حذیفہ ہر ماس بن زیاد بن مالک باہلی رضی اللہ عنہ
- 15: حضرت مقدم بن معدیکرب الکندی رضی اللہ عنہ
- 16: حضرت عقبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ
- 17: حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ
- 18: حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ اللبیشی رضی اللہ عنہ
- 19: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ
- 20: حضرت عداء بن خالد رضی اللہ عنہ
- 21: حضرت عکراش بن ذویب بن حرقوص التیمی رضی اللہ عنہ
- اتحاف الاکابر بمرایات الشیخ عبدالقادر: ص 11 تا 13، مخطوط
- اور محدث جلیل علامہ حسن سنہجلی رحمہ اللہ (ت 1305ھ) نے اس
- فہرست کے علاوہ نو صحابہ رضی اللہ عنہم مزید گنوائے ہیں جو کہ یہ ہیں:
- 1: حضرت اسعد بن سہل بن حنیف الانصاری رضی اللہ عنہ
- 2: حضرت بُسر بن ارطاة القرشی العامری رضی اللہ عنہ
- 3: حضرت طارق بن شہاب البجلی الکوفی رضی اللہ عنہ
- 4: حضرت عبد اللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
- 5: حضرت عبد اللہ بن الحارث بن نوفل رضی اللہ عنہ
- 6: حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ
- 7: حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ
- 8: حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ

9: حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ

تنسيق النظام مقدمة مسند الامام الاعظم للنسبجلى: ص 9، 10

امام صاحب نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1: حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ (وفات 85ھ، دمشق)

2: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی الاسلمی رضی اللہ عنہ (وفات 88ھجری، کوفہ)

3: حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ (وفات 88ھ، مدینہ منورہ)

4: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (وفات 93ھ، بصرہ)

5: حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جَزء الزُّبَیْدی رضی اللہ عنہ

(وفات 97ھ، مصر)

6: حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ (وفات 110ھ، مکہ مکرمہ)

امام اعظم رحمہ اللہ کے بارے میں بشارتِ نبوی:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْجُمُعَةِ ﴿وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ حَتَّى سَأَلْتُ ثَلَاثًا وَفِينَا سَلْمَانَ الْفَارِسِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ: "لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ هَؤُلَاءِ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 4897

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورت الجمعۃ کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ کہ یہ رسول ان لوگوں کے پاس بھی بھیجے گئے ہیں جو ان مسلمانوں سے ابھی تک نہیں ملے! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان سے مراد کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ میں نے تین بار یہی سوال کیا۔ اس وقت ہماری مجلس میں حضرت سلمان فارسی بھی موجود تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا: ”اگر ایمان ثریا ستارے تک بھی پہنچ جائے تو فارس کے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے یا یوں فرمایا کہ ان میں سے ایک آدمی اسے وہاں سے حاصل کر لے گا۔“

ایک روایت میں ”دین“ کا لفظ منقول ہے۔

چنانچہ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ كَانَ الدِّينُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهِ رَجُلٌ مِنْ فَارِسَ - أَوْ قَالَ - مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ حَتَّى يَتَنَاوَلَهُ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2546

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دین ثریا ستارے تک بھی پہنچ جائے تو فارس کے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے یا یوں فرمایا کہ ان میں سے ایک آدمی اسے وہاں سے حاصل کر لے گا۔

اور ایک روایت میں ”علم“ کا لفظ منقول ہے۔

چنانچہ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق الاصہبانی رحمہ اللہ (ت 430ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ كَانَ الْعِلْمُ مَنُوطًا بِالْأُتْرُيَّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ بَنِي قَارِيسٍ."

حلیۃ الاولیاء لابن نعیم: ج 6 ص 64

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر علم ثریا ستارے پر پہنچ جائے تو فارس کے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ (ت 911ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ بَشَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْحَدِيثِ.

تنبیض الصغیر ص 59، 60

ترجمہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت دی ہے اس کا مصداق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

نکتہ علمیہ:

درج ذیل تین امور ملاحظہ ہوں:

1: حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان، دین یا علم اگر ثریا ستارے پر ہو تو ایک فارسی النسل شخص اسے وہاں سے لائے گا۔

2: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَصْحَابِي كَالنَّجُومِ فَبِأَيِّهِمْ أَقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ.

مشکوٰۃ المصابیح: رقم الحدیث 6009

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ستاروں کی مانند قرار دیا ہے۔

3: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ائمہ مجتہدین میں سے وہ شخصیت ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا ہے اور ان سے روایت لی ہے۔

ان تین امور کی روشنی میں عرض ہے کہ ”ثریا ستارہ“ گویا تعبیر ہے دور کے ستارے یعنی آخری صحابی سے، اور آخری صحابی جو اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں وہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ (ت 110ھ) ہیں۔ ثریا ستارے سے ایمان، دین اور علم کو حاصل کرنا یہ آخری صحابی سے ملاقات کرنے اور ان سے علم دین حاصل کرنے سے تعبیر ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشمول حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے اور ان سے علم حاصل کیا ہے۔ یہ امام اعظم رحمہ اللہ کی بشارت کا واضح اشارہ ہے۔

تنقیحات متکلم اسلام

امام اعظم رحمہ اللہ اور علم حدیث:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جب تحصیل علم کی ابتداء کی تو علم حدیث کے حصول میں بھی مشغول ہو گئے۔ ”کوفہ“ جو اس وقت علوم اسلامیہ کا مرکز تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد کا مسکن بھی؛ علم حدیث میں اپنی مثال آپ تھا۔ گزشتہ سطور میں گزرا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے سلاطین فن طلب حدیث کے سلسلہ میں بے شمار مرتبہ کوفہ کا سفر کر چکے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے شہر کے محدثین سے حدیث کو حاصل کیا اور اس کے علاوہ دیگر بلاد اسلامیہ کا بھی سفر

کیا اور مشائخ حدیث سے استفادہ کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر معروف محدث امام مسعود بن کدّام

(ت 153ھ) فرماتے ہیں:

طَلَبْتُ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ الْحَدِيثَ فَعَلَبَنَّا، وَأَخَذْنَا فِي الزُّهْدِ فَبَرَعَ عَلَيْنَا
وَطَلَبْنَا مَعَهُ الْفِقْهَ فَجَاءَ مِنْهُ مَا تَرَوْنَ.

مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی: ص 38

ترجمہ: میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا تو وہ ہم پر غالب آئے۔ پھر جب ہم زہد و تقویٰ میں مشغول ہوئے تو وہ پھر بھی ہم پر غالب رہے۔ پھر ہم نے ان کے ساتھ فقہ حاصل کرنا شروع کی تو فقہ میں بھی ان کی فوقیت آپ کے سامنے ہے۔

علم حدیث میں اس درجہ انہماک اور استنباط مسائل میں قرآن و سنت سے اعتناء آپ کے زمرہ محدثین میں شامل ہونے کی دلیل ہے۔ ذیل میں چند تصریحات پیش کی جاتی ہیں جن سے امام صاحب کی حدیث میں وسعتِ اطلاع، و فور علم اور جلالتِ شان معلوم ہوگی۔

1: امام ابو عبد اللہ الصیمری رحمہ اللہ اور امام موفق بن احمد المکی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے امام حسن بن صالح سے روایت کیا ہے:

كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ شَدِيدَ الْفَخْصِ عَنِ النَّاسِخِ مِنَ الْحَدِيثِ وَالْمُسْتَوْجِ وَ
يَعْمَلُ بِالْحَدِيثِ إِذَا ثَبَتَ عِنْدَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ أَصْحَابِهِ
وَكَانَ عَارِفًا بِحَدِيثِ أَهْلِ الْكُوفَةِ... كَانَ حَافِظًا لِفِعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ الْأَخْبَرِ.

اخبار ابی حنیفہ للصیمری ص 11، مناقب موفق المکی: ج 1 ص 89 ص 90

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نسخ منسوخ احادیث کی پہچان میں بہت مہارت رکھتے تھے، حدیث جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو تو اس پر عمل کرتے تھے اور اہل کوفہ (جو اس وقت حدیث کا مرکز تھا) کی احادیث کی خوب پہچان رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو خوب یاد رکھنے والے تھے۔

2: امام موفق بن احمد المکی اور حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب الکروری الحنفی (ت 827ھ) رحمہما اللہ سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَرَجَمَا وَجَدْتُ الْحَدِيثَيْنِ أَوِ الثَّلَاثَةَ فَأَتَيْتُهُمَا فَرَفَعْتُ يَدَيَّ لَهَا وَقَبِلْتُهَا وَمَا يُرَدُّهُ فَيَقُولُ: هَذَا لَيْسَ بِصَحِيحٍ أَوْ لَيْسَ بِمَعْرُوفٍ فَأَقُولُ لَهُ: وَمَا عَلِمَكَ بِذَلِكَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا أَعْلَمُ بِعِلْمِ أَهْلِ الْكُوفَةِ.

مناقب الموفق ج 2 ص 151، مناقب للکردری ج 2 ص 103

ترجمہ: (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تقویت میں) کبھی مجھے دو احادیث ملتی اور کبھی تین۔ میں انہیں امام صاحب کے پاس لاتا تو آپ بعض کو قبول کرتے بعض کو نہیں، اور فرماتے کہ یہ حدیث صحیح نہیں یا معروف نہیں، تو میں عرض کرتا: حضرت آپ کو کیسے پتہ چلا؟ فرماتے کہ میں اہل کوفہ کے علم کو جانتا ہوں۔

3: امام یحییٰ بن نصر بن حجاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

عِنْدِي صَنَادِيْعٌ مِنَ الْحَدِيْثِ وَمَا اُخْرِجْتُ مِنْهَا اِلَّا الْيَسِيْرَ الَّذِي يُنْتَفَعُ بِهِ.

مناقب الامام الاعظم للمكي: ج 1 ص 95 ص 96

ترجمہ: میرے پاس احادیث مبارکہ سے بھری ہوئی صندوقیں ہیں۔ میں ان سے وہ

بیان کرتا ہوں جن سے (عوام کو) نفع ہو۔

4: امام ابو عبد اللہ محمد بن سماعہ التیمی رحمہ اللہ (ت 233ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُ ذَكَرَ فِي تَصَانِيفِهِ زَيْفًا وَسَبْعِينَ أَلْفَ حَدِيثٍ وَانْتَخَبَ الْأَثَارَ مِنْ أَرْبَعِينَ أَلْفَ حَدِيثٍ.

منابہ الکردی: ج 1 ص 151، ذیل الجواهر المصنیه لعلی القاری: ج 2 ص 474

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی تمام تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر احادیث ذکر کی ہیں اور اپنی کتاب الآثار چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کر کے لکھی ہے۔

آپ کی کتب آثار اور مسانید آپ کی فن حدیث میں جلالتِ شان پر شاہد ہیں۔ حال ہی میں شیخ مولانا لطیف الرحمن بھرائیجی القاسمی دامت برکاتہم نے امام صاحب کی مرویات پہ مشتمل کتاب ”الموسوعة الحديثية لمرويات الإمام أبي حنيفة“ تالیف کی ہے جو بیس ضخیم جلدوں میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے محدثِ عظیم ہونے کی واضح دلیل ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی ثقاہت:

امام اعظم رحمہ اللہ کی امامت، عدالت، ثقاہت مسلم و متواتر ہے۔

مؤرخ علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق المعروف بابن ندیم (ت 385ھ) لکھتے ہیں:

وَكَانَ مِنَ الثَّابِتِينَ لَقِيَ عِدَّةً مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَكَانَ مِنَ الْوَرَعِينَ الزَّاهِدِينَ... وَالْعِلْمُ بَرًّا وَبَحْرًا شَرَفًا وَعَزَبًا بَعْدًا وَقُزْبًا تَدْوِينُهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

الفہرست لابن ندیم: ص 255 ص 256

ترجمہ: امام ابو حنیفہ تابعین میں سے تھے، آپ نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔ آپ تقویٰ شعار اور زاہد تھے... اور جو علم (احکام و مسائل) بروبحر، شرق و غرب، دور و نزدیک میں (نظر آ رہا) ہے سب آپ ہی کا مدون کردہ ہے۔

شیخ الاسلام امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی الشافعی (ت 476ھ) فرماتے ہیں:

وَجُمْلَتُهُ أَنَّ الرَّاَوِيَ لَا يَخْلُو إِمَّا أَنْ يَكُونَ مَعْلُومًا أَوْ مَعْلُومًا
الْفِسْقِ أَوْ مَجْهُولٍ الْحَالِ فَإِنْ كَانَتْ عَدَالَتُهُ مَعْلُومَةً كَالصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
أَوْ أَفَاضِلِ التَّابِعِينَ كَالْحَسَنِ وَعَطَاءٍ وَالشَّعْبِيِّ وَالنَّخَعِيِّ وَأَجْلَاءِ الْأُمَمَةِ كَمَالِكٍ
وَسُفْيَانَ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيَّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ وَمَنْ يَجْرِي فَجْرُهُمْ وَجَبَ
قَبُولُ خَبَرِهِ وَلَمْ يَجِبِ الْبَحْثُ عَنْ عَدَالَتِهِ.

اللُّمَعُ فِي أَصُولِ الْفَقْهِ لِلشَّيرَازِيِّ: ص 77

ترجمہ: جرح و تعدیل کے باب میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ راوی کی عدالت یا تو معلوم و مشہور ہوگی یا اس کا فاسق ہونا معلوم ہو گا یا وہ راوی مجہول الحال ہو گا (یعنی اس راوی کی عدالت یا فسق کے بارے میں کوئی صراحت منقول نہ ہوگی) تو اگر اس کی عدالت معلوم ہو جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، اسی طرح جلیل القدر تابعین رحمہم اللہ جیسے حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، عامر شعبی، ابراہیم نخعی، یا فاضل ائمہ جیسے امام مالک، امام سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور وہ افاضل جو ان کے ہم درجہ ہیں، تو ایسے افراد کی روایت ضرور قبول کی جائے گی اور ان کی عدالت و توثیق کی تحقیق لازمی نہ ہوگی۔

امام برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن عمر بن ابراہیم بن خلیل الجعفری (ت 732ھ) لکھتے ہیں:

وَالْعَدَالَةُ.... يَنْبُتُ بِالنَّحْسِ فَالصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُولٌ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ
وَالْقَدَرِيَّةِ فِي مُبَاشَرَةِ الْحُرُوبِ.... وَالْإِسْتِفَاضَةُ كَالْأَرْبَعَةِ.

رسوم التحدیث فی علوم الحدیث للجعفری: ص 100

ترجمہ: راوی کی عدالت یا تو نص سے ثابت ہوتی ہے (جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں) چنانچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں) عادل ہیں بخلاف فرقہ مغترلہ اور قدریہ کے کہ یہ لوگ مشاجرات میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عادل نہیں مانتے۔ اسی طرح عدالت؛ شہرت سے بھی ثابت ہوتی ہے جیسے ائمہ اربعہ کی عدالت شہرت سے ثابت ہے۔

اس لیے اصولاً آپ رحمہ اللہ محتاج توثیق نہیں، تاہم بطور فائدہ و اتمام حجت چند محدثین کے توثیقی اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

1: امام الجرح والتعديل امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ (ت 160ھ)

امام شبابہ بن سوار رحمہ اللہ (ت 204ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ شُعْبَةُ حَسَنَ الرَّأْيِ فِي أَبِي حَنِيفَةَ.

جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج 2 ص 144

ترجمہ: امام شعبہ؛ امام ابو حنیفہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

2: امام المحدثین امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (ت 204ھ) امام ابو حنیفہ رحمہ

اللہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

أَبُو حَنِيفَةَ رَوَى عَنْهُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، وَهَشِيْمٌ، وَوَكَيْعُ بْنُ الْجَرَّاحِ، وَعَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، وَجَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، وَهُوَ ثِقَّةٌ لَا بَأْسَ بِهِ.

جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج 2 ص 144

ترجمہ: امام ابو حنیفہ سے امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ بن مبارک، امام حماد بن زید، امام ہشیم، امام وکیع بن جرّاح، امام عباد بن عوام اور امام جعفر بن عون (وغیرہ) نے روایت کی ہے۔ امام ابو حنیفہ ثقہ تھے، آپ میں (کسی اعتبار سے) کوئی خرابی نہیں ہے۔

3: امام الجرح والتعديل امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (ت 233ھ) فرماتے ہیں:
كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ ثِقَةً لَا يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ إِلَّا مَا يَحْفَظُ، وَلَا يُحَدِّثُ بِمَا لَا يَحْفَظُ.

تاریخ بغداد للخطیب: ج 11 ص 295

ترجمہ: امام ابو حنیفہ ثقہ تھے۔ آپ وہی حدیث بیان کرتے جو آپ کو (اچھی طرح) یاد ہوتی تھی۔ جو حدیث آپ کو (اچھی طرح) یاد نہ ہوتی اسے بیان نہیں فرماتے تھے۔

امام اعظم رحمہ اللہ اہل علم کی نظر میں:

اسلاف و اکابرین امت نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں کئی تعریفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں جو آپ کی عند الناس مقبولیت کا واضح ثبوت ہیں۔ چند اکابر کے کلمات کو نقل کیا جاتا ہے۔

[1]: امام مَعْمَرُ بْنُ رَاشِدٍ الْأَزْدِيُّ البَصْرِيُّ رحمہ اللہ (ت 153ھ) فرماتے ہیں:
مَا أَعْرِفُ رَجُلًا يُحْسِنُ يَتَكَلَّمُ فِي الْفِقْهِ أَوْ يَسْعُهُ أَوْ يَقْبِسُ وَيُشْرَحُ
لِمَخْلُوقِ النَّجَاحَةِ فِي الْفِقْهِ أَحْسَنَ مَعْرِفَةٍ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَلَا أَشْفَقُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ
أَنْ يُدْخَلَ فِي دِينِ اللَّهِ شَيْئًا مِنَ الشَّكِّ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 242

ترجمہ: مجھے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقہ کا ماہر کوئی شخص نظر نہیں آتا جو مخلوق خدا کے لیے فقہ و قیاس کے ذریعہ راہ نجات بتانے والا ہو۔ نیز میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ محتاط بھی کسی شخص کو نہیں دیکھا جو خدا کے دین میں شک کی کوئی چیز داخل کر کے اپنے نفس کے لیے وبال تیار کرنے پر آمادہ ہو۔

[2]: امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (ت 179ھ) فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَجُلًا لَوْ كَلَّمَكَ فِي هَذِهِ السَّارِيَةِ أَنْ يَجْعَلَهَا ذَهَبًا لَقَامَ مُحِبَّتِهِ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 241

ترجمہ: میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ اس لکڑی کے ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو دلائل کی قوت سے اسے ثابت کر سکتا ہے۔

[3]: امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (ت 198ھ) فرماتے ہیں:

لَا نَكْذِبُ اللَّهَ! مَا سَمِعْنَا أَحْسَنَ مِنْ رَأْيِ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَدْ أَخَذْنَا بِأَكْثَرِ أَقْوَالِهِ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 246

ترجمہ: ہم اللہ پر جھوٹ نہیں بولتے! ہم نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں سنی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال لیے ہیں۔

[4]: امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (ت 204ھ) فرماتے ہیں:

النَّاسُ عِيَالٌ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْفِقْهِ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 246

ترجمہ: لوگ میدانِ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے خوشہ چیں ہیں۔

[5]: امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ (ت 241ھ) کے بارے میں منقول ہے:

وَكَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ إِذَا ذُكِرَ ذَلِكَ بَكَى وَتَرْتَّم عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ وَذَلِكَ بَعْدَ أَنْ ضَرَبَ أَحْمَدُ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 234

ترجمہ: امام احمد بن حنبل جب امام ابو حنیفہ کی سزا کو یاد کرتے تو روتے تھے اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے تھے کیونکہ امام احمد بن حنبل کو بھی سزا سے واسطہ پڑا تھا۔

اساتذہ و مشائخ عظام:

کسی بھی شخصیت کے علمی مقام و مرتبہ اور وسعتِ معلومات کا پتا اس کے اساتذہ و مشائخ سے چلتا ہے۔ طالب علم کو کسی مقام و مرتبہ پر پہنچنے میں جہاں اس کی اپنی

صلاحیت کو دخل ہے وہیں اس کے اساتذہ کی خصوصی توجہ، محنت اور شفقتوں کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

امام صاحب کا علمی رسوخ اور فقہ و حدیث میں اعلیٰ مقام ان کے اساتذہ کی خصوصی توجہات کا مرہونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے جبالِ علم اور سلاطینِ فن اساتذہ سے نوازا تھا جو اپنے زمانہ میں مشہور و بے مثل تھے۔

امام صاحب کا کوفہ کے اساتذہ فن اور مشائخِ فقہ و حدیث سے علم حاصل کرنا تو واضح ہے لیکن ان کے علاوہ بھی آپ نے دیگر شہروں کے اسفار کیے اور وہاں کے شیوخ سے علم حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر الہیثمی المکی رحمہ اللہ (ت 974ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرَ مِنْهُمْ الْإِمَامُ أَبُو حَفْصٍ الْكَبِيرُ أَرْبَعَةَ آلَافٍ شَيْخٍ.

الخیرات الحسان: 26

ترجمہ: امام ابو حفص کبیر نے امام صاحب کے چار ہزار اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔

چند معروف و مشہور اساتذہ جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، کے نام یہ ہیں:

حضرت واثلہ بن الاسقع، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی الاسلمی، حضرت سہل بن سعد الساعدی، حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جَزْء الزُّبَیْدِی، حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم، امام حماد بن ابی سلیمان، امام ابو عمرو عامر بن شراحیل الشَّعْبِی، امام عطاء بن ابی رباح المکی، امام علقمہ بن مرثد، امام الحکم بن عتیبہ، امام ابو جعفر محمد بن علی، امام سعید بن مسروق الثوری، امام عدی بن ثابت الانصاری، امام ابوسفیان السعدی، امام ہشام بن عروہ، امام قتادہ بن دعامہ البصری، امام ابن شہاب الزہری، امام نافع مولیٰ بن عمر، امام عکرمہ مولیٰ ابن عباس، امام جبلیہ بن

سحیم، امام عدی بن ثابت، امام عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج، امام ابواسحاق سبیعی وغیرہ۔
سلسلہ درس و تدریس:

امام حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ کا انتقال سن 120 ہجری میں ہوا تو ان کی مسند کی جانشینی کا معاملہ زیر بحث آیا۔ تلامذہ نے ان کے بیٹے کو مسند پر بٹھایا لیکن چونکہ ان پر علم نحو اور ادب کا غلبہ تھا اس لیے وہ اس مسند کا حق ادا نہ کر سکے اور جلد ہی مسند کی ذمہ داری سے دستبردار ہو گئے۔ اس کے بعد امام حماد کے دوسرے شاگرد امام موسیٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ کو مسند کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان کی قدر و منزلت لوگوں کے دلوں میں تھی لیکن وہ فقہ میں اس قدر ماہر نہ تھے۔ پھر جب وہ بھی حج پر چلے گئے تو مسند پھر سے خالی ہو گئی۔ آخر کار تلامذہ کی نظریں اب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر پڑیں کہ آپ ہی وہ شخصیت ہیں جو دوسروں کی نسبت استاذ کے علوم سے زیادہ شناسا ہونے کے ساتھ ساتھ رسوخ فی العلم کے درجہ پر فائز ہیں۔ آپ سے مطالبہ کیا گیا تو آپ نے بسرو چشم قبول کیا۔ یوں آپ اپنے استاذ کی مسند کے جانشین قرار پائے اور بڑی عمدگی سے اس ذمہ داری کو نبھایا۔

مناقب الامام الاعظم للمصنف: ج 1 ص 65، عقود الجمان للصالحی: ص 171

آپ کے حلقہ درس میں مختلف ممالک اور شہروں کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ امام محمد بن یوسف صالحي الشافعي رحمہ اللہ (ت 942ھ) نے جن ملکوں اور شہروں کی فہرست دی ہے ان میں سے چند معروف نام یہ ہیں:

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رَقْد، نصیبین، دمشق، رَمْلہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، حُلوان، رے، طبرستان، نیشاپور، جرجان، بخارا، سمرقند، ترمذ، بلخ، ہرات، سجستان، خوارزم وغیرہ۔

عقود الجمان للصالحی: ص 88، 89

تلامذہ امام اعظم رحمہ اللہ:

جیسا کہ ابھی مذکور ہوا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں قرب و بعد کے تلامذہ شریک ہوتے تھے اس لیے ان کی تعداد کا احصاء ناممکن ہے۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

وَرَوَى عَنْهُ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَالْفُقَهَاءِ عِدَّةٌ لَا يُحْصَوْنَ.

مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی: ص 15

ترجمہ: امام ابو حنیفہ سے اتنی کثیر تعداد میں محدثین اور فقہاء نے روایت لی (علم حاصل کیا) کہ جن کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

چند معروف تلامذہ کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں:

امام زفر بن ہذیل، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم القاضی، امام حماد بن ابی حنیفہ (امام صاحب کے صاحبزادے)، امام حسن بن زیادہ اللؤلؤی، امام محمد بن الحسن الشیبانی، امام ابو مطیع حکم بن عبد اللہ البلخی، امام ابیض بن الاغر المقری، امام اسباط بن محمد القرشی، امام جارود بن یزید النیسابوری، امام جعفر بن عون، امام سلم بن سالم البلخی، امام عبد اللہ بن مبارک، امام ابو یحییٰ عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمانی، امام عبد الرزاق بن ہمام صاحب المصنف، امام ابو عاصم النبیل، امام سلیمان بن عمرو النخعی، امام سہل بن مزاحم، امام شعیب بن اسحاق الدمشقی، امام عائد بن حبیب، امام عبد العزیز بن خالد الترمذی، امام عبد الکریم بن محمد الجرجانی، امام علی بن مسہر القاضی، امام عیسیٰ بن یونس، امام محمد بن مسروق الکوفی، امام سکی بن ابراہیم البلخی، امام وکیع بن الجراح، یحییٰ بن ایوب المصری، امام ابراہیم بن طہمان، امام حمزہ بن حبیب الزیاتی، امام عیسیٰ بن یونس، امام یزید بن زریج، امام اسد بن عمرو الجلی، امام خارجہ بن مصعب، امام ابو عصمہ نوح بن ابی مریم، امام ابو عبد الرحمن المقری وغیرہ رحمہم اللہ۔

تدوین فقہ اسلامی:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اڑھائی سالہ دور حکومت دیکھا۔ اس کے بعد جب یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا تو اس نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز فریب خوردہ شخص تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے عمال کو حکم جاری کیا کہ آج سے تین سال پہلے کی جو حالت تھی دوبارہ وہی حالات پیدا کیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہوا بھی اور لوگ دوبارہ اسی ابتری کا شکار ہو گئے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو آپ دو بنیادی کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے جن سے اسلامی ریاست قائم کی جاسکتی تھی۔ وہ دو بنیادی کام یہ تھے:

1: قانون سازی

2: افراد سازی

شریعت کو قانون کی شکل دینے کے لیے پرائیویٹ سطح پر ایک ادارہ قائم کیا جس میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین بٹھائے اور باہمی مباحثے کرائے۔ محتاط انداز کے مطابق تقریباً 83 ہزار دفعات پر مشتمل عملی قوانین مرتب فرمائے۔ یوں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قانون سازی فرمائی۔ فقہ اسلامی کے پہلے مدون امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی رحمہ اللہ (ت 911ھ)

لکھتے ہیں:

مِنْ مَنَاقِبِ أَبِي حَنِيفَةَ الْبَيْتِ انْفَرَدَ بِهَا أَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِيعَةِ وَرَتَّبَهُ أَبُو بَابَا ثُمَّ تَابَعَهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فِي تَرْتِيبِ الْمُؤَلَّاتِ وَلَمْ يَسْبِقْ أَبَا حَنِيفَةَ أَحَدٌ. لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَالتَّابِعِينَ لَمْ يَصْعُقُوا فِي عِلْمِ الشَّرِيعَةِ أَبُو بَابَا مَبْهُوتًا وَلَا كُتِبَتْ مُرْتَبَةً وَإِنَّمَا كَانُوا يَعْتَبِدُونَ عَلَى قُوَّةِ حِفْظِهِمْ فَلَمَّا رَأَى

أَبُو حَنِيفَةَ الْعِلْمَ مُنْتَشِرًا وَخَافَ عَلَيْهِ الصِّيَاغَ دَوْنَهُ فَجَعَلَهُ أَبْوَابًا.

تبیض الصحیفۃ للسیوطی: ص 138

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خصوصی مناقب میں سے ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے علم شریعت کی تدوین کی ہے اور ابواب میں اسے مرتب فرمایا ہے، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے موطا کو (ابواب کی طرز پر) ترتیب دینے میں آپ کی پیروی کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے علوم شریعت میں ابواب اور کتب کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہ فرمایا تھا بلکہ وہ اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جب علم کو منتشر دیکھا اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ محسوس کیا تو ابواب کی طرز پر مدون کر دیا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی چالیس رکنی کمیٹی:

تدوین کے اس عظیم کام کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تنہا اپنی ذات پہ موقوف نہ رکھا بلکہ اس کے لیے مستقل چالیس رکنی کمیٹی تشکیل دی جس میں ماہرین فن کو شامل کیا۔ اسی وجہ سے فقہ حنفی ایک ”جامع فقہ“ کہلاتی ہے۔ اس کمیٹی کے اراکین کے نام یہ ہیں:

1. امام زفر رحمہ اللہ ت 158ھ
2. امام مالک بن مغول رحمہ اللہ ت 159ھ
3. امام داؤد طائی رحمہ اللہ ت 160ھ
4. امام منذل بن علی رحمہ اللہ ت 168ھ
5. امام نصر بن عبد الکرم رحمہ اللہ ت 169ھ
6. امام عمرو بن میمون رحمہ اللہ ت 171ھ

7. امام حبان بن علی رحمہ اللہ ت 173ھ
8. امام ابو عضمہ نوح بن ابی مریم رحمہ اللہ ت 173ھ
9. امام زبیر بن معاویہ رحمہ اللہ ت 173ھ
10. امام قاسم بن معین رحمہ اللہ ت 175ھ
11. امام حماد بن امام اعظم رحمہ اللہ ت 176ھ
12. امام ہیان بن بسطام رحمہ اللہ ت 177ھ
13. امام شریک بن عبد اللہ رحمہ اللہ ت 178ھ
14. امام عافیہ بن یزید رحمہ اللہ ت 180ھ
15. امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ ت 181ھ
16. امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمہ اللہ ت 182ھ
17. امام محمد بن نوح رحمہ اللہ ت 182ھ
18. امام ہشیم بن بشیر السلمی رحمہ اللہ ت 183ھ
19. امام ابو سعید یحییٰ بن زکریا رحمہ اللہ ت 184ھ
20. امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ ت 187ھ
21. امام اسد بن عمرو رحمہ اللہ ت 188ھ
22. امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ ت 189ھ
23. امام علی بن مُسَہَر رحمہ اللہ ت 189ھ
24. امام یوسف بن خالد رحمہ اللہ ت 189ھ
25. امام عبد اللہ بن ادیس رحمہ اللہ ت 192ھ
26. امام فضل بن موسیٰ رحمہ اللہ ت 192ھ
27. امام علی بن طیبان رحمہ اللہ ت 192ھ

28. امام حفص بن غیاث رحمہ اللہ ت 194ھ
29. امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ ت 197ھ
30. امام ہشام بن یوسف رحمہ اللہ ت 197ھ
31. امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ ت 198ھ
32. امام شعیب بن اسحاق رحمہ اللہ ت 198ھ
33. امام ابو حفص بن عبد الرحمن رحمہ اللہ ت 199ھ
34. امام ابو مطیع بلخی رحمہ اللہ ت 199ھ
35. امام خالد بن سلیمان رحمہ اللہ ت 199ھ
36. امام عبد الحمید رحمہ اللہ ت 203ھ
37. امام حسن بن زید رحمہ اللہ ت 204ھ
38. امام ابو عاصم النبیل رحمہ اللہ ت 212ھ
39. امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ ت 215ھ
40. امام حماد بن دلیل رحمہ اللہ ت 215ھ

امام ابو حنیفہ تالیف مولانا عزیز الرحمن: ص 187 تا ص 189

حلیہ و اوصاف جمیلہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ظاہری شکل و صورت کے حسن سے بھی نوازا تھا۔

چنانچہ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب القاضی رحمہ اللہ (ت 182ھ) آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ رُبْعَةً مِنَ الرِّجَالِ ، لَيْسَ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ ، وَكَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ مَنْطِقًا ، وَأَحْلَاهُمْ نَعْمَةً ، حَسَنَ الْوَجْهِ ، حَسَنَ

الثِّيَابِ، طَيِّبَ الرَّائِحَةِ، سَرِيعًا إِلَى مَوْاسَاةِ الْأَخْوَانِ.

مناقب الائمة الاربعة للمقدسی: ص 72

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قد متوسط تھا۔ نہ بہت زیادہ طویل قد تھے نہ کوتاہ قد۔ اندازِ گفتگو بہت اچھا تھا۔ آواز انتہائی عمدہ تھی۔ چہرہ حسین تھا۔ کپڑے خوبصورت تھے۔ زیر استعمال خوشبو انتہائی عمدہ تھی۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بہت زیادہ خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے انسان تھے۔

اخلاق و اطوار:

امام ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن حارث السعدی المعروف بابن ابی العوام رحمہ اللہ (ت 335ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُجَالِدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: كُنْتُ عِنْدَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ هَارُونَ الرَّشِيدِ، إِذْ دَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو يُوسُفَ فَقَالَ لَهُ هَارُونُ: يَا أَبَا يُوسُفَ! صِفْ لَنَا أَخْلَاقَ أَبِي حَنِيفَةَ، فَقَالَ: يَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ! قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ وَهُوَ عِنْدَ لِسَانِ كُلِّ قَائِلٍ، كَانَ - وَاللَّهِ - أَبُو حَنِيفَةَ - عَلِمِي فِيهِ - شَدِيدَ الذَّبِّ عَنْ حَرَامِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُوقَعَ فِيهِ، مُجَانِبًا لِأَهْلِ الدُّنْيَا فِي دُنْيَاهُمْ، طَوِيلَ الصَّمْتِ، دَائِمَ الْفِكْرِ، لَمْ يَكُنْ مَهْذَارًا وَلَا ثَرْتَارًا، إِنْ سُئِلَ عَنْ مَسْأَلَةٍ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهَا عِلْمٌ أَجَابَ فِيهَا عَلَى مَا سَمِعَ، أَوْ مَا يَتَبَيَّنُّهُ قِيَاسًا فِي نَحْوِ مَعْنَاهَا قَالَ بِهِ، مَا عَلِمْتُهُ يَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا صَائِنًا لِنَفْسِهِ وَدِينِهِ، مُشْتَغَلًا بِنَفْسِهِ عَنِ النَّاسِ، لَا يَذْكُرُ أَحَدًا إِلَّا بِخَيْرٍ، فَقَالَ هَارُونُ الرَّشِيدُ: هَذِهِ أَخْلَاقُ الصَّالِحِينَ.

فضائل ابی حنیفہ لابن ابی العوام: ص 47

ترجمہ: حسن بن اسماعیل بن مجالد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (اسماعیل بن مجالد)

سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین ہارون الرشید کے پاس بیٹھا تھا کہ اس دوران امام ابو یوسف رحمہ اللہ تشریف لائے۔ ہارون الرشید نے ان سے کہا: ابو یوسف! ہمارے سامنے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی صفات بیان کیجیے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ کہ ”انسان جو لفظ بھی زبان سے نکالتا ہے تو اسے لکھنے کے لیے اس پر ایک نگران مقرر ہوتا ہے۔ (باری تعالیٰ کا) یہ فرمان زبان زد عام ہے۔ (اس لیے میں درست بات کروں گا کہ) قسم بخدا! میرے علم کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حرام اشیاء سے سخت اجتناب فرماتے۔ دنیا داروں سے کوسوں دور رہتے۔ آپ کی خاموشی طویل ہوتی۔ ہمیشہ فکر مند رہتے۔ بری اور فضول باتیں کرنے سے پاک تھے لیکن جب آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ اپنی معلومات کے مطابق یا معلوم مسائل پر قیاس کر کے اس کا جواب عنایت فرماتے۔ امیر المؤمنین! میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق یہی جانتا ہوں کہ وہ اپنی ذات اور اپنے اعمال دینیہ کی بہت زیادہ حفاظت فرماتے تھے۔ لوگوں کی برائی کرنے سے اجتناب فرماتے۔ جب کسی کا تذکرہ فرماتے تو بھلائی کے ساتھ فرماتے۔ ہارون الرشید نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا: یہ تو نیک صالح لوگوں کے اخلاق ہیں۔

امام اعظم رحمہ اللہ کا ذوق عبادت و شب بیداری:

عبادت و ریاضت، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور شب بیداری آپ کا معمول رہا حتیٰ کہ مورخین نے آپ کی عبادت کو تواتر کا درجہ دیا ہے۔ امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت 463ھ) لکھتے ہیں:

عَنْ أَبِي عَاصِمٍ النَّبِيلِ يَقُولُ: كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُسَمِّي الْوُتْدَ

لِكَثْرَةِ صَلَاتِهِ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 251

ترجمہ: امام ابو عاصم نبیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ”وند“ (میخ، ستون) کہا جاتا تھا کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے۔

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

عَنْ أَسَدِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: صَلَّى أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ صَلَاةَ الْفَجْرِ بِوُضُوءِ الْعِشَاءِ أَرْبَعِينَ سَنَةً.

تہذیب الاسماء واللغات للنووی: ج 2 ص 88

ترجمہ: اسد بن عمرو کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے چالیس سال کا عرصہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ

(ت 748ھ) لکھتے ہیں:

قَدْ تَوَاتَرَ قِيَامُهُ اللَّيْلَ وَتَهَجُّدُهُ وَتَعَبُّدُهُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى.

مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی: ص 16

ترجمہ: امام صاحب کی شب بیداری، تہجد کی پابندی اور عبادت و ریاضت تو اتر سے ثابت ہے۔

عہدہ قضاء کی پیش کش اور امام اعظم رحمہ اللہ کا انکار:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش (سن 80 ہجری) کے وقت اموی خلیفہ

عبد الملک بن مروان (ت 86ھ) کا دور حکومت تھا۔ یہ حکومت ایک عرصہ بعد سن

132 ہجری میں ختم ہوئی۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد الحمار (ت 132ھ) کی

حکومت کا خاتمہ کر کے پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح (ت 136ھ) نے اپنی

حکومت کا آغاز کیا۔ ظاہر ہے کہ اس اتار چڑھاؤ کے دور میں مختلف تحریکات اور اہم واقعات کا رونما ہونا ناگزیر تھا لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ ثابت قدم اور حق کے داعی رہے۔ آپ کی زندگی کے دیگر کئی اہم سیاسی امور میں دودور بہت اہم ہیں۔ ان کا مختصر اُجائزہ لینے سے واضح ہو گا کہ امام صاحب حق کا ساتھ دینے اور ظلم و جور کی مخالفت کرنے میں کتنی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

پہلا دور:

بنو امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد الحمار کی طرف سے عراق کا گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ (ت 132ھ) مقرر تھا۔ اس نے امام صاحب کو عہدہ قضاء پیش کیا کہ آپ کوفہ کے قاضی بن جائیں لیکن امام صاحب نے اس کو قبول نہ کیا۔ ابن ہبیرہ نے آپ کے انکار پر قسم اٹھائی کہ یہ عہدہ آپ کو ہر حال میں قبول کرنا ہو گا ورنہ میں آپ کو سخت سزا دوں گا۔ امام صاحب کے ہمدرد علماء نے آپ کو بہت منت سماجت کی کہ اس عہدہ کو بادلِ ناخواستہ ہی سہی قبول فرمائیں کیونکہ حاکم سخت ہے اور آپ کی ذات کو سخت نقصان کا اندیشہ ہے لیکن امام صاحب اس عہدہ کی قبولیت کے نتائج سے واقف تھے کہ اگر حاکم نے مجھے کسی بے گناہ کے قتل کا حکم دیا تو میں کیسے اس کے نفاذ پر مہر قضاء ثبت کروں گا؟! انکار کے اس ”جرم“ میں ابن ہبیرہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کوڑوں کی سزا تجویز کی۔

امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ

(ت 463ھ) لکھتے ہیں:

كَلَّمَ ابْنُ هُبَيْرَةَ أَبَا حَنِيفَةَ أَنْ يَلِيَ لَهُ قَضَاءَ الْكُوفَةِ، فَأَبَى عَلَيْهِ، فَضَرَبَهُ مِائَةَ سَوْطٍ وَعَشْرَةَ أَشْوَاطٍ، فِي كُلِّ يَوْمٍ عَشْرَةَ أَشْوَاطٍ، وَهُوَ عَلَى الْإِمْتِنَاعِ، فَلَمَّا

رَأَى ذَلِكَ خَلَّى سَبِيلَهُ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 233

ترجمہ: ابن ہبیرہ (والی عراق) نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو حکم دیا کہ کوفہ کے قاضی بن جائیں لیکن امام صاحب نے قبول نہیں کیا تو اس نے ایک سو دس کوڑے مارنے کی سزا تجویز کی۔ وہ روزانہ دس کوڑے لگواتا لیکن امام صاحب رحمہ اللہ اپنی بات پر قائم رہے۔ بالآخر اس نے (مجبور ہو کر) چھوڑ دیا۔

دوسرا دور:

اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد عباسی حکومت کا دور آیا۔ خلیفہ منصور (ت 158ھ) نے بھی امام صاحب کو عہدہ قضاء کی پیشکش کی۔ خلیفہ منصور نے اولاً بغداد کا عہدہ قضاء پیش کیا، اس کے بعد پورے ملک کا قاضی القضاۃ بننے کی پیشکش کی۔ امام صاحب اس عہدہ قضاء کی اصل وجہ جانتے تھے کہ آپ کا عہدہ قبول کرنا دراصل حکومت کے جائز ناجائز فیصلوں پر اپنی رضامندی کے اظہار اور ان کے ہر غلط درست کام میں ان کا مطیع ہونے کے مترادف ہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے عہدہ قضاء کے قبول کر لینے سے عوام کے ذہن سے حکومت کی بے اعتدالیاں محو ہو جائیں گی۔ اس لیے آپ نے عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ منصور نے آپ کو جیل میں ڈال دیا۔ منصور کا کہنا تھا کہ اگر آپ اس عہدہ کو قبول کر لیں تو آپ کو باعزت رہا کر دیا جائے گا لیکن امام صاحب اپنے موقف پر قائم رہے تا آنکہ آپ کی وفات بھی جیل میں ہوئی اور آپ کا جنازہ بھی جیل سے اٹھا۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی رحمہ اللہ (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ يَقْبَلِ الْعَهْدَ بِالْقَضَاءِ، فَضْرَبَ، وَحُبِسَ، وَمَاتَ فِي السِّجْنِ.

سیر اعلام النبلاء للذہبی: ج 6 ص 537

ترجمہ: امام ابو حنیفہ نے عہدہ قبول نہ کیا جس کی پاداش میں آپ پر تشدد کیا گیا، آپ پس دیو اور زندان کیے گئے اور زندان میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔

صحیح روایات کے مطابق آپ کو جیل میں زہر دیا گیا جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

وَبَلَّغْنَا أَنَّ الْمَنْصُورَ سَقَاهُ السُّمُّ فَاسْوَدَّ وَمَاتَ شَهِيدًا - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -

مناقب ابی حنیفہ و صاحبہ: ص 42

ترجمہ: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ خلیفہ منصور نے امام صاحب کو زہر دیا تھا جس کے اثر سے آپ شہید ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ امام صاحب پر رحم فرمائے!

سوال:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے عہدہ قضاء قبول نہیں کیا لیکن آپ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے قبول کر لیا۔ اگر عہدہ قضاء قبول کرنا درست نہیں تھا تو امام ابو یوسف نے کیوں قبول کیا؟ اور اگر عہدہ قضاء قبول کرنا درست تھا تو امام اعظم رحمہ اللہ نے قبول کیوں نہیں کیا؟

جواب:

اس سوال کا جواب ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مل جاتا ہے۔ مکی زندگی میں دولت اور حکومت نہ تھی جبکہ مدنی زندگی میں یہ چیزیں میسر ہو گئی تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر دولت اور حکومت مکہ ہی میں مل جاتیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض ہو سکتا تھا کہ انہوں نے دولت اور حکومت کو دیکھ کر اسلام قبول کیا ہے، اس لیے یہ چیزیں مکہ میں نہیں دی گئیں تاکہ یہ اعتراض ہی نہ ہو۔ ہاں مدینہ میں یہ چیزیں مل گئیں کیونکہ یہ چیزیں انہی کا حق تھیں اور یہاں کوئی اعتراض بھی

نہیں تھا کیونکہ اسلام اب پھیل چکا تھا۔ بالکل اسی طرح امام اعظم رحمہ اللہ اگر عہدہ قضاء قبول کر لیتے تو احناف پر اشکال ہوتا کہ فقہ حنفی کی مقبولیت عامہ اور دنیا میں پھیلنے کی وجہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے ہاتھ میں عہدہ قضاء کی طاقت تھی، اس لیے امام صاحب نے عہدہ قضاء قبول نہیں کیا تا کہ یہ اعتراض نہ ہو۔ بعد میں آپ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہ عہدہ قبول کر لیا کیونکہ حق انہی کا تھا اور اب کوئی اشکال بھی نہیں تھا کیونکہ اس وقت فقہ حنفی کو مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔

وفات:

آپ کی وفات سن 150 ہجری میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
قاضی شہر اور مشہور محدث وفقیہ امام حسن بن عمارہ رحمہ اللہ (ت 153ھ) نے آپ کو غسل دیا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو بغداد شہر کے مقبرہ ”خیزران“ میں دفن کیا جائے۔ وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب آپ کی قبر تیار کی گئی۔ علم و عمل کے پیکر، فقہ و حدیث کے گنجینے اور علم الکلام کے اس خزانے کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

سلطان ارسلان سلجوقی نے 459ھ میں آپ کی قبر کے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا جو ”مشہد ابی حنیفہ رحمہ اللہ“ کے نام سے مشہور ہے۔

تالیفات و تصنیفات:

- 1: کتاب الاستبصار بروایت امام زفر بن ہذیل
الاکمال لابن ماکولا: ج 3 ص 39، کتاب الانساب للسمعانی: ج 2 ص 64
- 2: کتاب الاستبصار بروایت امام ابی یوسف القاضی
الحجواہر المضیئة فی تراجم الحنفیة للقرشی: ج 2 ص 235

3: کتاب الآثار بروایت امام محمد بن الحسن الشیبانی

تجیل المنفعة لابن حجر: ص 5

4: کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد اللؤلؤی

مقدمہ جامع المسانید للحوارمی: ج 1 ص 73، لسان المیزان لابن حجر: ج 5 ص 31

5: الفقه الاکبر بروایۃ امام حماد بن ابی حنیفہ

شرح الفقه الاکبر لالیاس السینوی: ص 1، القول الفصل لبہاء الدین: ص 10

6: الفقه الاکبر (المعروف بالفقه الاوسط) بروایۃ امام ابی مطیع البخنی

تاج التراجم فی طبقات الحنفیۃ للقطو بغا: ص 29، التبصیر فی الدین للاسفرائینی: ص 184

7: الرسالة الی عثمان البتی

الفہرست لابن ندیم ص 256

8: کتاب العالم والمتعلم

الفہرست لابن ندیم ص 256، مناقب موفق المکی ج 1 ص 100

9: کتاب المجر دنی الفقه

الفہرست لابن ندیم ص 258، تاریخ الاسلام للذہبی ج 9 ص 12، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص 181

10: کتاب الرهن

اخبار ابی حنیفہ للصیرمی ص 65، مناقب موفق المکی ج 2 ص 25، 29

11: کتاب الفرائض

مناقب موفق المکی ج 2 ص 66، 137، الفہرست لابن ندیم ص 256

12: کتاب الشروط

مناقب موفق المکی ج 2 ص 66، 137

13: کتاب الصلوۃ

مناقب موفق المکی ج 1 ص 67، 68، تاج التراجم للقطو بغا: ص 75

14: المقصود فی التصریف

کشف الظنون الحاجی خلیفۃ: ج 2 ص 1806

15: کتاب اختلاف الصحابہ رضی اللہ عنہم

فوائد فی علوم الفقہ للشیخ حبیب احمد کیرانوی: ص 287

16: کتاب السیر

تاج التراجم للقطوبغا: ص 75

17: کتاب الرد علی القدریۃ

الفہرست لابن ندیم ص 256

18: کتاب الوصیۃ

اشارات المرام للبیاضی: ص 21

امام حماد بن امام ابی حنیفہ رحمہما اللہ کے حالات (راوی الفقہ الاکبر)

نام، کنیت اور سلسلہ نسب:

آپ کا نام ”حماد“، کنیت ”ابو اسماعیل“ اور والد گرامی کا نام امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے:

أبو إسماعیل حماد بن أبی حنیفۃ نعمان بن ثابت بن نعمان بن الحرزبان.

مولد و مسکن:

آپ کی پیدائش کوفہ میں ہوئی۔ حتمی طور پر تاریخ ولادت منقول نہیں ہے۔ کوفہ علم و فن کا مرکز تھا۔ سابقہ سطور میں اس شہر کی اہمیت مذکور ہوئی ہے کہ یہ شہر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور فقہاء و محدثین کی ایک بڑی جماعت کا مسکن رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ماحول میں نشوونما پانے والی شخصیت میدان علم میں ایک تابناک سورج بن کر ہی ابھرنی چاہیے۔ مزید براں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے والد گرامی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میسر آئی۔ علمی ماحول کی فراہمی اور والد صاحب کی فقہ و حدیث سے آراستہ شخصیت کے حسین امتزاج نے امام حماد بن ابی حنیفہ کو علم و عمل کا پیکر بنادیا۔

اوصاف و اخلاق:

امام حماد کا شمار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، امام زفر رحمہم اللہ وغیرہ جیسے فقہاء کے طبقے میں کیا جاتا ہے۔ یہ

سب والد صاحب امام اعظم رحمہ اللہ کی مجلس فقہ میں حاضری اور ان کی خصوصی تربیت کا نتیجہ تھا۔ آپ ایک مستند فقیہ و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔

حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب الکوردی الحنفی رحمہ اللہ (ت 827ھ) آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

ذَكَرَ الصَّيْمَرِيُّ أَنَّ الْغَالِبَ كَانَ عَلَى حَمَّادٍ: الدِّينُ وَالْوَرَعُ وَالْفِقْهُ
وَكِتَابَةُ الْحَدِيثِ.

مناقب الامام الاعظم للکوردی: ج 2 ص 212

ترجمہ: علامہ صیمری نے ذکر کیا ہے کہ امام حماد پر دین (یعنی اعتقادات کے افہام و تفہیم کا ملکہ) زہد و تقویٰ، علم فقہ اور کتابت حدیث کا شوق غالب تھا۔

اشاعت دین میں خدمات:

امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح معنوں میں اپنے والد صاحب امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ علم الکلام، علم الحدیث، علم الفقہ اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ ثابت ہوئے۔

امام ابو الولید بشر بن ولید الکندی رحمہ اللہ (ت 238ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ حَمَّادٌ شَدِيدًا عَلَى أَهْلِ الْأَهْوَاءِ، يَكْسِرُ عَلَيْهِمْ أَقَاوِيلَهُمْ وَبَحْتَجُّ
عَلَيْهِمْ بِحُجَجٍ لَمْ يَكُنْ قَبْلَ ذَلِكَ لِحَذَاقِ الْمُتَكَلِّمِينَ.

مناقب الامام الاعظم للکوردی: ج 2 ص 212

ترجمہ: امام حماد رحمہ اللہ ہوا پرست (فرقہ ہائے باطلہ) لوگوں کی خوب خبر لیتے تھے، ان کے مغالطات کا دندان شکن جواب دیتے اور دلائل سے ان کا رد فرماتے تھے۔ یہ کام ایسا تھا جو ماہر متکلمین کے لیے بھی چنداں آسان نہ تھا۔

اولاد:

امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ کے چار بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام ”اسماعیل“ تھا۔ انہی کی طرف نسبت کر کے آپ ”ابو اسماعیل“ کہلائے۔

علامہ محمد بن محمد بن شہاب الکدری رحمہ اللہ (ت 827ھ) امام ابو سعد عبد الکرم بن محمد السمعانی رحمہ اللہ (ت 562ھ) کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

وَلَهُ مِنَ الْوُلْدِ: أَبُو حَيَّانَ، وَإِسْمَاعِيلُ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَابْنُ إِسْمَاعِيلَ الْقَضَاءُ بِالْبَصْرَةِ عَنِ الْمَأْمُونِ وَرَوَى عَنْ أَخِيهِ عُمَرَ بْنِ حَمَّادٍ.

مناقب الامام الاعظم للکدری: ج 2 ص 212

ترجمہ: امام حماد کے بیٹے؛ ابو حیان، اسماعیل، عمر اور عثمان ہیں۔ اسماعیل؛ خلیفہ مامون کی جانب سے بصرہ میں عہدہ قضاء پر فائز ہوئے اور انہوں نے اپنے بھائی عمر بن حماد سے روایت لی ہے۔

وفات:

آپ کی وفات سن 176 ہجری میں ہوئی۔

سیر اعلام النبلاء للذہبی: ج 6 ص 538

کچھ الفقہ الاکبر کے بارے میں

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے الفقہ الاکبر کے دو نسخے مروی ہیں:

1: الفقہ الاکبر بروایۃ الامام حماد رحمہ اللہ:

یہ نسخہ امام صاحب کے بیٹے امام حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما (ت 176ھ) سے منقول ہے۔ اس میں عقائد کو بیانیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس نسخہ کا ابتدائیہ یوں ہے:

"أَصْلُ التَّوْحِيدِ وَمَا يَصْحُحُ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ يَجِبُ أَنْ يَقُولَ: أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبُعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدَرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنْ اللَّهِ تَعَالَى وَالْحِسَابِ وَالْيِزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهُ."

اس نسخہ کی کئی شروحات تحریر کی گئی ہیں۔ سب سے معروف شرح ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) کی ہے جس کا نام انہوں نے "مِنْحُ الرُّوضِ الْأَزْهَرِ فِي شَرْحِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" رکھا ہے۔ ہم نے بھی اپنی زیرِ نظر شرح اسی نسخہ کو سامنے رکھ کر تحریر کی ہے۔

2: الفقہ الاکبر بروایۃ الامام ابی مطیع البلیخی رحمہ اللہ:

یہ نسخہ امام صاحب کے شاگرد امام ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ بن سلمۃ بن عبد الرحمن القاضی البلیخی رحمہ اللہ (ت 199ھ) سے منقول ہے۔ اس نسخہ میں عقائد کو مکالمے کی صورت میں تفہیمی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس نسخہ کا ابتدائیہ یوں ہے:

سَأَلْتُ أَبَا حَنِيفَةَ النُّعْمَانَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ فَقَالَ: أَنْ لَا تُكْفِّرَ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ وَلَا تَنْفِي أَحَدًا مِنْ

الْإِيمَانِ وَأَنْ تَأْمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ.

اس نسخہ کا نام بھی ”الفقہ الاکبر“ ہی ہے لیکن اب یہ نسخہ ”الفقہ الابسٹ“ کے نام سے معروف ہے۔ اس نسخہ کو اس نام سے اس لیے منسوب کیا گیا ہے تاکہ دونوں نسخوں میں امتیاز ہو جائے کہ ”الفقہ الاکبر“ امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ اور ”الفقہ الابسٹ“ امام ابو مطیع البلخی رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ (ت 1371ھ) لکھتے ہیں:

الْفَقْهُ الْأَكْبَرُ رَوَايَةُ أَبِي مُطَيْعٍ وَهُوَ الْمَعْرُوفُ بِ"الْفَقْهِ الْأَبْسِطِ"
تَمْيِيزًا لَهُ عَنْ رَوَايَةِ حَمَّادِ بْنِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ.

المقدمۃ للکوثری علی کتاب العالم والمتعلم: ص 2

ترجمہ: الفقہ الاکبر جو امام ابو مطیع سے مروی ہے، یہ الفقہ الابسٹ کے نام سے معروف ہے (اور اس نام سے معروف اس لیے ہے) تاکہ اس نسخہ کا امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ والے نسخہ سے امتیاز ہو جائے۔

علمائے امت نے اس نسخہ کی بھی کئی شروحات تحریر کی ہیں۔ معروف شرح فقیہ ابو الیث نصر بن محمد بن احمد سمرقندی الحنفی رحمہ اللہ (ت 373ھ) نے ”شرح الفقہ الاکبر“ کے نام سے لکھی ہے۔

تنبیہ:

یہ شرح غلطی سے امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفی رحمہ اللہ (ت 333ھ) کے نام سے مطبوع ہو گئی ہے جبکہ اس کے اصل شارح فقیہ ابو الیث سمرقندی الحنفی رحمہ اللہ (ت 373ھ) ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ (ت 1317ھ) لکھتے ہیں:
وَوُطِّعَ فِي الْهِنْدِ وَفِي مِصْرَ شَرَحَ الْفَقْهُ الْأَكْبَرُ رَوَايَةَ أَبِي مُطَيْعٍ - وَهُوَ

المَعْرُوفِ "الْفَقْهُ الْأَبْسَطُ" تَمَيِّزًا لَهُ عَنْ رِوَايَةِ حَمَادِ بْنِ أَبِي حَنِيفَةَ - لَكِنْ نَسَبَ النَّاشِرُ هَذَا الشَّرْحَ سَهْوًا إِلَى الْإِمَامِ أَبِي مَنْصُورٍ الْمَازَرِيدِيِّ مَعَ ظُهُورِ أَنَّ الشَّرْحَ لَيْسَ لَهُ بِمَا حَوَى مِنْ نَقُولٍ عَنْ كَثِيرٍ مِمَّنْ تَأَخَّرَ زَمَنُهُ عَنْ زَمَانِهِ وَهُوَ تَوَفَّى سَنَةَ 332 هـ فِي رِوَايَةِ قُطْبِ الدِّينِ الْحُلَيْيِّ الْحَافِظِ وَالْوَاقِعُ أَنَّ هَذَا الشَّرْحَ لِلْأَبِيِّ اللَّيْثِ السَّمَرَقَنْدِيِّ الْمُتَوَفَّى سَنَةَ 373 هـ وَالطَّابَعُ لَمْ يَتَحَرَّ حِجَّةَ الْأَصْلِ.

المقدمة للكوثری علی کتاب العالم والمتعلم: ص 4

ترجمہ: امام ابو مطیع کی روایت سے مروی فقہ اکبر کی شرح ہندوستان اور مصر میں طبع ہوئی ہے۔ جو کہ الفقہ الابسط کے نام سے معروف ہے تاکہ اس نسخہ کا امام حماد بن ابی حنیفہ سے مروی نسخہ فقہ اکبر سے امتیاز ہو جائے۔ لیکن ناشر نے غلطی سے اس شرح کو امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ یہ شرح ان کی نہیں ہے کیونکہ شارح نے اس میں کئی ایسے حضرات کی نقول پیش کی ہیں جن کا زمانہ شارح کے زمانے سے متاخر ہے۔ امام ابو منصور ماتریدی کی وفات حافظ قطب الدین حلبي کے مطابق کی روایت کے مطابق 332 ہجری میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شرح امام ابو الیث سمرقندی رحمہ اللہ متوفی 373 ہجری کی ہے۔ طبع کرنے والوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ یہ شرح اصل میں کس کی ہے؟

یہ دونوں متون امام صاحب ہی سے مروی ہیں۔ ایک کا انداز بیانیہ اور دوسرے کا مکالماتی ہے، اس لیے عبارات کا انداز بیان باہم مختلف ہونا ایک ناگزیر امر ہے۔ انداز بیان کا مختلف ہونا ان دونوں کے امام صاحب سے مروی ہونے میں بالکل مخل نہیں ہے۔ اس لیے بعض حضرات کا دونوں کے انداز کو باہم مختلف پا کر ایک کے انتساب کو درست اور دوسرے کو مشکوک قرار دینا ہرگز درست نہیں۔

ہمارے پیش نظر دونوں متون کے امام صاحب کی طرف انتساب کے

درست ہونے کی درج ذیل وجوہ ہیں:

- 1: معتبر حضرات نے اس کتاب کے دونوں نسخوں کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قرار دیا ہے۔
- 2: سلاطین علم نے اس کتاب کے دونوں نسخوں کی شروحات لکھی ہیں جو ان دونوں نسخوں کے انتساب کے درست ہونے کی دلیل ہے۔
- 3: بعد کے ادوار کے اہل علم نے اپنے استدلال میں دونوں نسخوں سے عبارات کو نقل کیا ہے۔

ان وجوہ سے ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ دونوں نسخے امام صاحب کے ہیں اور دونوں کا انتساب امام صاحب کی طرف صحیح و درست ہے۔

الفقہ الاکبر امام اعظم رحمہ اللہ کی کتاب ہے، تصریحات ائمہ:

فقہ اکبر کے اس نسخہ کو درج ذیل حضرات نے امام صاحب کی تالیف قرار دیا ہے۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

[1]: امام استاذ ابو منصور عبد القاهر بن طاہر التیمی البغدادی رحمہ اللہ (ت 429ھ) لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ مُتَكَلِّمِيهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَأَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ أَبُو حَنِيفَةَ
وَالشَّافِعِيُّ فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ لَهُ كِتَابٌ فِي الرَّدِّ عَلَى الْقُدْرِيَّةِ سَمَّاهُ "كِتَابُ الْفِقْهِ
الْأَكْبَرِ".

کتاب اصول الدین: ص 308

ترجمہ: فقہاء اور ارباب مذاہب میں سب سے پہلے متکلم امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ کی قدریہ کے رد میں ایک کتاب ہے جس کا نام انہوں نے ”الفقہ الاکبر“ رکھا۔

[2]: امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی رحمہ اللہ (ت 482ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ صَنَّفَ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي ذَلِكَ كِتَابَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ
وَذَكَرَ فِيهِ إِثْبَاتَ الصِّفَاتِ وَإِثْبَاتَ تَقْدِيرِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ مِنَ اللَّهِ وَأَنَّ ذَلِكَ كُلَّهُ
بِمَشِيئَتِهِ وَأَثْبَتَ الْإِسْطِطَاعَةَ مَعَ الْفِعْلِ، وَأَنَّ أَفْعَالَ الْعِبَادِ مَخْلُوقَةٌ بِخَلْقِ اللَّهِ
تَعَالَى إِيَّاهَا كُلَّهَا.

اصول البزدوی: ص 3

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس (علم توحید و صفات) میں کتاب الفقہ الاکبر لکھی ہے۔ اس میں مسئلہ صفات اور تقدیر خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے کو ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ تقدیر؛ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی پابند ہے۔ نیز اس میں ثابت کیا ہے کہ استطاعت؛ فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔

[3]: حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف البزازی رحمہ اللہ (ت 827ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتُ: لَيْسَ لِأَبِي حَنِيفَةَ كِتَابٌ مُصَنَّفٌ. قُلْتُ: هَذَا كَلَامُ
الْمُعْتَزِلَةِ وَدَعَوَاهُمْ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ تَصْنِيفٌ وَغَرَضُهُمْ بِذَلِكَ نَفْيُ
أَن يَكُونَ الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ وَكِتَابُ الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ لَهُ لِأَنَّهُ صَرَّحَ فِيهِ بِأَكْثَرِ
قَوَاعِدِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَدَعَوَاهُمْ أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَذَلِكَ الْكِتَابُ
لِأَبِي حَنِيفَةَ الْبُخَارِيِّ وَهَذَا غَلَطٌ صَرَّحَ فِيهِ بِرَأْيِ مَنْ يَحْتَطِ الْعَلَّامَةُ مَوْلَانَا شَمْسِ
الْمِلَّةِ وَالِدِينَ الْكُرْدَرِيِّ الْبَزْزَاقِيِّ الْعِمَادِيِّ هَذَيْنِ الْكِتَابَيْنِ وَكَتَبَ فِيهِمَا
أَمَّهُمَا لِأَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ: تَوَاطَأَ عَلَى ذَلِكَ جَمَاعَةٌ كَثِيرٌ مِنَ الْمَشَائِخِ انْتَهَى.

مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ للکردری: ج 1 ص 107، 108

ترجمہ: اگر آپ یہ کہیں کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف ہی نہیں ہے تو میں اس کے

جواب میں یہ بات کہوں گا کہ یہ اعتراض فرقہ معزلہ کا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ علم الکلام میں امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس دعویٰ سے معزلہ کا مقصد یہ ہے کہ فقہ اکبر اور کتاب العالم والمعلم امام صاحب کی تصنیفات نہیں۔ وجہ (اس تردید کی) یہ ہے امام صاحب نے فقہ اکبر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے کئی عقائد بیان کیے ہیں۔ معزلہ کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب تو معزلی تھے۔ معاذ اللہ۔ اور معزلہ کے خیال میں کتاب فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی ہے، لیکن معزلہ کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ میں نے یہ دونوں کتابیں (فقہ اکبر اور کتاب العالم والمعلم) علامہ مولانا شمس الملتی والدین کر درری بزا تقنی عمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ ان میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر (یعنی ان دونوں کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے پر) مشائخ کی ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔

[4]: امام الیاس بن ابراہیم السینوبی الشیبانی الحنفی رحمہ اللہ (ت 891ھ) نے ”شرح الفقہ الاکبر“ کے نام سے شرح لکھی ہے۔ آپ اس شرح کے شروع میں لکھتے ہیں:

لَمَّا كَانَ كِتَابُ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ هَذَا ثَبَتَ بِالسَّنَادِ الصَّحِيحِ الْأَشْهَرِ أَنَّ
هَذَا أَلْفَهُ الْإِمَامُ الْمُقَدَّمُ وَالْهَامُّ الْمَكْرُمُ سِرَاجُ الْأُمَّةِ وَمُقْتَدَى الْأَئِمَّةِ... أَبُو
حَنِيفَةَ نِعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ الْكُوفِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 1 مخطوط

ترجمہ: کتاب الفقہ الاکبر ان کتابوں میں سے ہے جو صحیح و مشہور سند سے ثابت ہیں اسے امام مقدم، ہام مکرم (عزت و جرات کا حامل شخص) سراج الامت، ائمہ کے مقتدا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رضی اللہ عنہ نے تالیف کیا ہے۔

[5]: شیخ محی الدین محمد بن بہاؤ الدین رحمہ اللہ (ت 956ھ) نے ”الْفَقْهَ الْاَكْبَر“ کی شرح لکھی ہے جس کا نام ”القول الفصل شرح الفقہ الاکبر“ رکھا۔

آپ اس کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

وَهُوَ سِرَاجُ أُمَّةٍ مُّحَمَّدٍ وَمِنْهَا جُ مَلَّةٌ أَحْمَدُ، الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْمُقْتَدَى
الْمُكْرَّمُ أَبُو حَنِيفَةَ الْكُوفِيُّ رَفَعَ اللَّهُ لَهُ ... وَهُوَ الْمُخْتَصَرُ الْمَنْسُوبُ إِلَيْهِ
الْمَوْسُومُ بِ"الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ".

القول الفصل شرح الفقہ الاکبر: 10

ترجمہ: وہ سراج المملۃ، ملت احمدیہ کی روشن راہ، امام اعظم، مقتدائے مکرم ابو حنیفہ الکوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے کو بلند فرمائے.... اور وہ آپ کی طرف منسوب مختصر سی کتاب ہے جس کا نام ”الْفَقْهَ الْاَكْبَر“ ہے۔

[6]: شیخ ابو الخیر احمد بن مصطفیٰ بن خلیل المعروف طاش کبریٰ زادہ رحمہ اللہ (ت 968ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ تَكَلَّمَ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ مِثْلَ كِتَابِ "الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ"
وَكِتَابِ "الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ".

مصباح السعادة ومصباح السيادة: ج 2 ص 141

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم الکلام میں گفتگو فرمائی ہے جیسا کہ آپ کی کتاب الفقہ الاکبر اور کتاب العالم والمتعلم اس پر شاہد ہیں۔

[7]: امام ابو المنہج شہاب الدین احمد بن محمد البغنی ساوی الرومی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1000ھ) نے ”شرح الفقہ الاکبر“ کے نام سے الفقہ الاکبر کی شرح لکھی ہے۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

إِنَّ كِتَابَ الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ الَّذِي صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ كِتَابٌ صَحِيحٌ مُّقبُولٌ.

شرح الفقہ الاکبر للبغنی ساوی: ص 1

ترجمہ: بلاشبہ الفقہ الاکبر جو امام اعظم کی تصنیف ہے صحیح اور مقبول کتاب ہے۔

[8]: ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) نے ”الْفَقْهَ الْاَكْبَرُ“ کی شرح لکھی ہے جس کا نام ”مَنْحُ الرُّوضِ الْأَزْهَرِ فِي شَرْحِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ“ رکھا۔ آپ شرح کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْهَامُّ الْأَفْخَمُ الْأَقْدَمُ فِي كِتَابِهِ الْمُسَمَّى بِ"الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ".

مَنْحُ الرُّوضِ الْأَزْهَرِ فِي شَرْحِ الْفَقْهِ الْاَكْبَرِ: ص 37

ترجمہ: امام اعظم، ہام افخم و اقدم (سب سے عظیم اور جرأت کے حامل شخص) اپنی کتاب ”الْفَقْهَ الْاَكْبَرُ“ میں فرماتے ہیں۔

[9]: امام کمال الدین احمد بن حسن بن سنان الدین بیاضی البوسنوی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1098ھ) نے علم الکلام میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی چند تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

أَمْلَأَهَا عَلَى أَصْحَابِهِ مِنَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ وَالرِّسَالَةِ وَالْفِقْهِ الْأَبْسَطِ وَكِتَابِ الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ وَالْوَصِيَّةِ.

اشارات المرام: ص 21

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو یہ کتابیں املاء کروائیں: الفقہ الاکبر، کتاب الرسالۃ، الفقہ الابسط، کتاب العالم والمتعلم اور کتاب الوصیۃ۔

[10]: ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السہتی (بنگالی) نے ”الدر الاذہر فی شرح الفقہ الاکبر“ کے نام سے الفقہ الاکبر کی شرح لکھی ہے۔ اس شرح کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ عِلْمُ التَّوْحِيدِ أَصْلَ أَصُولِ الدِّينِ وَالْكِتَابُ الْجَلِيلُ الَّذِي

صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَمَّاهُ "الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ" أَوَّلَ تَصْنِيفٍ
وَأَشْمَلَ لِمَسَائِلِ التَّوْحِيدِ وَالْيَقِينِ.

الدر الازھر فی شرح الفقہ الاکبر: ص 2

ترجمہ: چونکہ علم توحید دین کے اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے اور وہ کتاب جس کو
امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تصنیف فرمایا اور اس کا نام ”الفقہ الاکبر“ رکھا عقائد کے
باب میں پہلی تصنیف ہے اور توحید اور یقین کے مسائل میں جامع ترین کتاب ہے۔

[11]: علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد سہالوی انصاری لکھنوی المعروف
”علامہ بحر العلوم“ رحمہ اللہ (ت 1225ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ: لَمْ يَقُلْهُ اللَّهُ تَعَالَى وَلَيْسَ كَلَامُهُ فَهُوَ كَافِرٌ الْبَيْتَةُ هَذَا هُوَ
الَّذِي رَامَهُ الْإِمَامُ الْهَيْهَامُ الْأَعْظَمُ الْأَمَّةَ حَيْثُ قَالَ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ.

فوائح الرحمت شرح مسلم الثبوت: ج 2 ص 7

ترجمہ: جو شخص یہ کہے کہ قرآن کا تکلم اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اور یہ اللہ کا کلام نہیں
ہے تو ایسا شخص پکا کافر ہے۔ یہی بات امام ہمام امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفقہ الاکبر“
میں فرمائی ہے۔

غیر مقلدین کے حوالہ جات

[12]: ابوسعید محمد حسین بٹالوی غیر مقلد (ت 1338ھ) لکھتے ہیں:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ ”انبیاء علیہم
السلام کفر وغیرہ کبار و فواحش سے منزہ ہیں۔“

اشاعة السنة: ج 11 شمارہ 4 ص 98

[13]: محمد ابراہیم میرسیا لکوٹی غیر مقلد (ت 1375ھ) لکھتے ہیں:

”اسی طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں اندراجات لوح محفوظ کی

نسبت فرماتے ہیں: وَلَکِنْ کَتَبَهُ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُجْمِ [البتہ لوح محفوظ میں تقدیر کی تحریر؛ وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے]

تاریخ الامحدیث: ص 73

نوٹ: مذکورہ حوالہ جات میں سے درج ذیل چار حوالہ جات کی عبارت میں راوی نسخہ کی تصریح یا اس نسخہ کی عبارت کی تصریح نہیں بلکہ ”الفقہ الاکبر“ کو مطلقاً امام صاحب کی تالیف قرار دیا گیا ہے۔

[1]: امام استاذ ابو منصور عبد القاهر بن طاہر الہمدانی البغدادی (ت 429ھ)

کتاب اصول الدین: ص 308

[2]: امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی (ت 482ھ)

اصول البزدوی: ص 3

[3]: حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری (ت 827ھ)

مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ للکردری: ج 1 ص 107، 108

[4]: شیخ ابوالخیر احمد بن مصطفیٰ بن خلیل المعروف طاش کبریٰ زادہ (ت 968ھ)

مصابح السعادة ومصباح السيادة: ج 2 ص 141

اس لیے ان حوالہ جات کا اطلاق دونوں نسخوں پر ہو سکتا ہے۔

چند اشکالات کے جوابات

اس نسخہ پر بعض حضرات کی جانب سے چند اشکالات کیے گئے ہیں۔ ذیل میں فرداً فرداً ہر اشکال کو نقل کر کے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔

اشکال نمبر 1:

کتاب ”الفقہ الاکبر“ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں بلکہ ابو حنیفہ البخاری کی تصنیف ہے۔ اس لیے کہ ”الفقہ الاکبر“ میں معتزلہ کا رد کیا گیا ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود معتزلی تھے۔ تو امام صاحب اپنے موقف کا رد کس طرح کر سکتے ہیں؟

جواب:

یہ اعتراض دراصل معتزلہ کی جانب سے کیا گیا ہے۔

ایک... اس لیے کہ اپنے مسلک کا بچاؤ کر سکیں۔

دوسرا... امام صاحب کی عظیم شخصیت کو اپنے فرقے کا ایک فرد قرار دے سکیں۔

چنانچہ حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی

المعروف البزازی رحمہ اللہ (ت 827ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتُ: لَيْسَ لِأَبِي حَنِيفَةَ كِتَابٌ مُصَنَّفٌ. قُلْتُ: هَذَا كَلَامُ الْمُعْتَزِلَةِ وَدَعَوَاهُمْ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ تَصْنِيفٌ وَغَرَضُهُمْ بِذَلِكَ نَفْيُ أَنْ يَكُونَ الْفَقْهُ الْأَكْبَرُ وَكِتَابُ الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ لَهُ لِأَنَّهُ صَوَّحَ فِيهِ بِأَكْثَرِ قَوَاعِدِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَدَعَوَاهُمْ أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَذَلِكَ الْكِتَابُ لِأَبِي حَنِيفَةَ الْبُخَارِيِّ وَهَذَا غَلَطٌ صَرِيحٌ فَإِنِّي رَأَيْتُ بِحِطِّ الْعَلَامَةِ مَوْلَانَا شَمْسُ

الْمِلَّةَ وَالِدِّينَ الْكُرْدَرِيَّ الْبَزْأَتَقْنِي هَذَيْنِ الْكِتَابَيْنِ وَكَتَبَ فِيهِمَا
أَنَّهُمَا لِأَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ: تَوَاطَأَ عَلَى ذَلِكَ جَمَاعَةٌ كَثِيرٌ مِنَ الْمَشَائِخِ انْتَهَلَى.

مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ للکردری: ج 1 ص 107، 108

ترجمہ: اگر آپ یہ کہیں کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف ہی نہیں ہے تو میں اس کے جواب میں یہ بات کہوں گا کہ یہ اعتراض فرقہ معزلہ کا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ علم الکلام میں امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس دعویٰ سے معزلہ کا مقصد یہ ہے کہ فقہ اکبر اور کتاب العالم والمعلم امام صاحب کی تصنیفات نہیں۔ وجہ (اس تردید کی) یہ ہے امام صاحب نے فقہ اکبر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے کئی عقائد بیان کیے ہیں۔ معزلہ کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب تو معزلی تھے۔ معاذ اللہ۔ اور معزلہ کے خیال میں کتاب فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی ہے، لیکن معزلہ کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ میں نے یہ دونوں کتابیں (فقہ اکبر اور کتاب العالم والمعلم) علامہ مولانا شمس الملت والدین کردری بزاتقنی عمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ ان میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر (یعنی ان دونوں کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے پر) مشائخ کی ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔

اسی طرح شیخ ابو الخیر احمد بن مصطفیٰ بن خلیل المعروف طاش کبریٰ زادہ

رحمہ اللہ (ت 968ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ تَكَلَّمَ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ مِثْلَ كِتَابِ "الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ"
وَكِتَابِ "الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ" إِذْ صَوَّحَ فِيهِمَا بِأَكْثَرِ مَبَاحِثِ عِلْمِ الْكَلَامِ وَمَا
قِيلَ إِنَّهُمَا لَيْسَا لَهُ بَلْ لِأَبِي حَنِيفَةَ الْبُخَارِيِّ فَمِنْ اخْتِرَاعَاتِ الْمُعْتَزِلَةِ زَعَمًا
مِنْهُمْ أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ عَلَى مَذْهَبِهِمْ.

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم الکلام میں گفتگو فرمائی ہے جیسا کہ آپ کی کتاب الفقہ الاکبر اور کتاب العالم والمتعلم اس پر شاہد ہیں۔ ان کتب میں آپ نے علم الکلام کی اکثر مباحث کو بیان کیا ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ دونوں کتب امام ابو حنیفہ کی نہیں بلکہ ابو حنیفہ بخاری کی ہیں تو یہ بات مغز لہ کی اختراع ہے کیونکہ مغز لہ کا گمان ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے مذہب پر تھے۔

اشکال نمبر 2:

”الفقہ الاکبر“ کا انداز بیان اختصار کا ہے حالانکہ یہ طرز تحریر بعد کے ادوار کی پیداوار ہے، متقدمین میں یہ رواج نہیں تھا۔

جواب:

[1]: عقیدہ طحاویہ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی رحمہ اللہ (ت 321ھ) کی کتاب ہے۔ آپ کا شمار متقدمین میں ہوتا ہے۔ آپ کی اس کتاب میں طرز بیان اختصار والا ہے۔ تو کیا اسے بھی ناقابل اعتبار قرار دیا جائے گا؟

[2]: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے کئی عمدہ خصائل اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ عربیت میں مہارت آپ کو خدا داد عطا ہوئی تھی۔ اس لیے آپ میں مختصر تحریر لکھنے کا کامل ملکہ موجود تھا۔ اس لیے محض احتمالی باتوں کے باعث امام صاحب کی کتاب کا انکار درست نہیں۔

اشکال نمبر 3:

”الفقہ الاکبر“ میں فلسفیانہ الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ مثلاً

وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى الشَّيْءِ الثَّابِتُ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا

عَرَضَ وَلَا حَدَّ لَهُ وَلَا ضِدَّ لَهُ وَلَا يَدَّلُهُ وَلَا مِثْلَ لَهُ.

آپ رحمۃ اللہ علیہ خلافت عباسیہ کے دور میں تھے۔ اس دور میں اگرچہ یونانی فلسفہ کی کتب کا عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا تھا لیکن ان الفاظ کا استعمال اتنا عام نہ ہوا تھا کہ انہیں اسلامی کتب کا حصہ بنایا جاتا۔

جواب:

جو شخص بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ و مجتہد، متکلم اور مناظر ہو اور کئی باطل فرقوں سے مناظرے کر چکا ہو اور کامیاب بھی ہو ہو تو اس کا فلسفے کو جاننا کیا بعید ہے؟ اس لیے امام صاحب کا اپنی اس تصنیف میں فلسفہ کے چند الفاظ کو ذکر کرنا قابل اعتراض نہیں۔

اشکال نمبر 4:

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (ت 1394ھ) ایک سوال کے جواب میں

لکھتے ہیں:

”فقہ اکبر کی نسبت امام صاحب کی طرف تو اترا یا سند صحیح سے ثابت نہیں۔“

امداد الاحکام: ج 1 ص 341

جواب:

[1]: ماقابل میں ہم نے 13 حوالہ جات پیش کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ”الفقہ الاکبر“ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تصنیف ہے۔

[2]: علامہ کردری بزاقتنی عمادی رحمۃ اللہ علیہ نے الفقہ الاکبر کے امام صاحب کی کتاب ہونے پر مشائخ عظام کا اتفاق نقل کیا ہے۔ چنانچہ حافظ الدین امام محمد بن محمد بن

شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف البزازی رحمہ اللہ (ت 827ھ) علامہ مولانا شمس الملت والدین کردری بزاتقنی عمادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فَإِنِّي رَأَيْتُ بِحِطِّ الْعَلَّامَةِ مَوْلَانَا شَمْسِ الْبَلَّةِ وَالَّذِينَ الْكُرْدِي
الْبَزَاتِقْنِي الْعِمَادِي هَذَيْنِ الْكِتَابَيْنِ وَكَتَبَ فِيهِمَا أَكْثَرَهُمَا لِأَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ:
تَوَاطَأَ عَلَى ذَلِكَ جَمَاعَةٌ كَثِيرَةٌ مِنَ الْمَشَائِخِ انْتَهَى.

مناقب الامام الاعظم رضى الله عنه للکردری: ج 1 ص 107، 108

ترجمہ: میں نے یہ دونوں کتابیں (فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم) علامہ مولانا شمس الملت والدین کردری بزاتقنی عمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ ان میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر (یعنی ان دونوں کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے پر) مشائخ کی ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔

[3]: شارحین نے اس کتاب کو صحیح النسب قرار دیتے ہوئے اس کی اسناد کو صحیح و مشہور قرار دیا ہے۔

چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

امام الیاس بن ابراہیم السینوبی الشیبانی الحنفی رحمہ اللہ (ت 891ھ) نے ”الفقہ الاکبر“ کی شرح کے شروع میں لکھتے ہیں:

كَانَ كِتَابُ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ حَتَّى ثَبَتَ بِالسَّنَادِ الصَّحِيحِ الْأَشْهُرِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 1 مخطوط

ترجمہ: کتاب الفقہ الاکبر ان کتابوں میں سے ہے جو صحیح و مشہور سند سے ثابت ہیں۔

امام ابوالمنتمی شہاب الدین احمد بن محمد البغوی الرومی الحنفی رحمہ اللہ

(ت 1000ھ) الفقہ الاکبر کی شرح کے آغاز میں لکھتے ہیں:

إِنَّ كِتَابَ الْفُقْهِ الْأَكْبَرِ الَّذِي صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ كِتَابٌ صَحِيحٌ مَقْبُولٌ.

شرح الفقہ الاکبر للمغنیساوی: ص 1

ترجمہ: بلاشبہ الفقہ الاکبر جو امام اعظم کی تصنیف ہے صحیح اور مقبول کتاب ہے۔

[4]: حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ شان، آپ کا علمی تجربہ

اور وسعتِ اطلاع ہمارے ہاں مسلم ہے لیکن کمالِ انبیاء علیہم السلام ہی کا خاصہ ہے۔

ایسا ممکن ہے کہ کسی امتی کی نگاہ ایک مسئلہ کے کسی گوشے پر نہ جاسکے خواہ وہ کتنے ہی

اونچے علمی مقام پر فائز ہو۔ اس لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بابت بھی یہی گمان ہے کہ

عین ممکن ہے کہ ان کی نظر مذکورہ تصحیحات پر نہ پڑی ہو۔ اگر یہ امور آپ کے سامنے

بھی آجاتے تو ضرور بالضرور آپ بھی الفقہ الاکبر کے استناد کو درست قرار دیتے۔

اشکال نمبر 5:

الفقہ الاکبر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی

ابتدائی عبارت ”قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“ ہے جو کہ یقیناً

تعریفی جملہ ہے۔ امام صاحب کے قلم سے ایسا جملہ نکلنا خلافِ تواضع ہے کہ اتنی عظیم

شخصیت اپنے بارے میں ایسے تعریفی و توصیفی جملے کیسے کہہ سکتی ہے؟ اس لیے اس جملہ

سے کتاب کی نسبت امام صاحب کی طرف مشکوک ہو جاتی ہے۔

جواب:

ہمارے زیرِ درس ”الفقہ الاکبر“ کا یہ نسخہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے امام

حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ کی روایت سے مروی ہے۔ علمائے سابقین میں تصنیف و

تالیف کا عمومی طرز یہ رہا ہے کہ صاحب کتاب اپنی کتاب؛ تلامذہ کو املاء کر دیتے تھے۔

طلبہ اس املاء شدہ مسودہ کو جب آگے اپنے تلامذہ کو نقل کراتے تو اپنے استاذ کی طرف

اس کتاب کے انتساب میں استاذ کا نام لیتے اور استاذ کے مقام و مرتبہ اور عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے استاذ کے لقب اور دعائیہ کلمات کو بھی ذکر کر دیتے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے راوی کتاب نے بھی یہ کلمات تحریر کروائے جو شاگرد در شاگرد نقل ہوتے ہوئے ہم تک روایت ہوتے چلے آئے ہیں۔

اس حوالے سے بطور مثال چند کتب کا ابتدائیہ ملاحظہ فرمائیں۔

1: کنز الدقائق (علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفی رحمہ اللہ، متوفی

710ھ) کا ابتدائیہ یوں ہے:

قَالَ مَوْلَانَا الْحَبْرُ النَّحْوِيُّ صَاحِبُ الْبَيَانِ وَالْبَيَانِ فِي التَّقْرِيرِ وَالتَّحْرِيرِ كَاشِفُ
الْمُشْكَلَاتِ وَالْمُعْضَلَاتِ مُبَيِّنُ الْكِنَايَاتِ وَالْإِرْشَادَاتِ مَنبَعُ الْعُلَى عِلْمُ
الْهُدَى أَفْضَلُ الْوَزَى حَافِظُ الْحَقِّ وَالْمِلَّةِ وَالِدَيْنِ شَمْسُ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ
وَارِثُ لِعُلُومِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ أَبُو الْبَرَكَاتِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ
النَّسْفِيُّ.

2: کتاب جامع العلوم والحکم (امام زین الدین عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی رحمہ اللہ، متوفی 795ھ) کا ابتدائیہ یوں ہے:

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْعَالِمُ الْأَوْحَدُ شَرَفُ الْإِسْلَامِ مُفْتِي الْأَنْامِ بَقِيَّةُ السَّلَفِ
الْكَرَامِ الشَّيْخُ زَيْنُ الدِّينِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الشَّيْخِ الْعَلَامَةِ شَهَابُ الدِّينِ أَحْمَدُ
ابْنُ الشَّيْخِ الْإِمَامِ رَجَبُ الْبَغْدَادِيِّ فَسَّحَ اللَّهُ فِي مَدَدِهِ وَنَفَعَ بِهِ وَأَمْتَعَ
الْمُسْلِمِينَ بِطَوْلِ بَقَائِهِ بِمَنِّهِ وَكَرَمِهِ.

3: کتاب ”الاتقان فی علوم القرآن“ (علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ، متوفی 911ھ) کا ابتدائیہ یوں ہے:

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْعَالِمُ الْعَلَّامَةُ الْحَبْرُ الْبَحْرُ الْفَهَامَةُ، الْمُحَقِّقُ الْمُدَقِّقُ
 الْحَجَّةُ الْحَافِظُ الْمُجْتَهِدُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ وَارِثُ عُلُومِ سَيِّدِ
 الْمُرْسَلِينَ جَلَّالُ الدِّينِ أَوْحَدُ الْمُجْتَهِدِينَ أَبُو الْفَضْلِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنُ سَيِّدِنَا
 الشَّيْخِ الْمَرْحُومِ كَمَالِ الدِّينِ عَالِمِ الْمُسْلِمِينَ أَبُو الْمَنَاقِبِ السُّيُوطِيُّ
 الشَّافِعِيُّ.

اس لیے تصانیف کے اس طرز کو دیکھتے ہوئے یہ اشکال رفع ہو جانا چاہیے کہ
 صاحب کتاب خود اپنی کتاب میں اپنا لقب اور دعائیہ کلمات کس طرح لکھ سکتے ہیں !!

اول متکلم اور اول تصنیف فی علم الکلام

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اول متکلم ہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”الفقه الاکبر“ علم الکلام میں پہلی تصنیف ہے۔

اول متکلم:

امام استاذ ابو منصور عبد القاهر بن طاہر بن محمد التیمی البغدادی الشافعی رحمہ اللہ (ت 429ھ) لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ مُتَكَلِّمِيهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَأَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ أَبُو حَنِيفَةَ
وَالشَّافِعِيُّ فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ لَهُ كِتَابٌ فِي الرَّدِّ عَلَى الْقَدْرِيَّةِ سَمَّاهُ "كِتَابُ الْفِقْهِ
الْأَكْبَرِ".

کتاب اصول الدین: ص 308

ترجمہ: فقہاء اور ارباب مذاہب میں سب سے پہلے متکلم امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ کی قدریہ کے رد میں ایک کتاب ہے جس کا نام انہوں نے ”الفقه الاکبر“ رکھا۔

اول تصنیف فی علم الکلام:

ابو محمد عبد القادر بن محمد ادیس بن محمد محمود العمری الحنفی السلھتی (بگالی) لکھتے ہیں:
فَلَمَّا كَانَ عِلْمُ التَّوْحِيدِ أَصْلَ أُصُولِ الدِّينِ وَالْكِتَابُ الْجَلِيلُ الَّذِي صَنَعَهُ
الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَمَّاهُ بِـ "الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" أَوَّلَ تَصْنِيفٍ
وَأَشْمَلَ لِمَسَائِلِ التَّوْحِيدِ وَالْيَقِينِ.

الدر الاذھر فی شرح الفقه الاکبر لعبد القادر: ص 2

ترجمہ: چونکہ علم توحید دین کے اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے اور وہ کتاب جس کو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تصنیف فرمایا اور اس کا نام ”الفقہ الاکبر“ رکھا عقائد کے باب میں پہلی تصنیف ہے اور توحید اور یقین کے مسائل میں جامع ترین کتاب ہے۔

متن الفقه الأكبر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ التُّعْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ:

أَصْلُ التَّوْحِيدِ وَمَا يَصْحُحُ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ يَجِبُ أَنْ يَقُولَ: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدَرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنْ اللَّهِ تَعَالَى وَالْحِسَابِ وَالْمِيزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهُ وَاللَّهُ تَعَالَى وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيقِ الْعَدَدِ وَلَكِنْ مِنْ طَرِيقِ أَنَّهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ لَا يُشَبِّهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهِ وَلَا يُشَبِّهُهُ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ الدَّائِمَةِ وَالْفَعْلِيَّةِ. أَمَّا الدَّائِمَةُ فَالْحَيَاةُ وَالْقُدْرَةُ وَالْعِلْمُ وَالْكَلَامُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْإِرَادَةُ وَأَمَّا الْفَعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيقُ وَالنَّزْزِيلُ وَالْإِنْشَاءُ وَالْإِبْدَاعُ وَالصَّنْعُ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِصِفَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ لَمْ يَخْدُثْ لَهُ صِفَةٌ وَلَا اسْمٌ لَمْ يَزَلْ عَالِمًا بِعِلْمِهِ وَالْعِلْمُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَقَادِرًا بِقُدْرَتِهِ وَالْقُدْرَةُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَمُتَكَلِّمًا بِكَلَامِهِ وَالْكَلَامُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَخَالِقًا بِتَخْلِيقِهِ وَالتَّخْلِيقُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَقَاعِلًا بِفِعْلِهِ وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْفَاعِلُ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْمَفْعُولُ مَخْلُوقٌ وَفِعْلُ اللَّهِ تَعَالَى غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَصِفَاتُهُ فِي الْأَزَلِ غَيْرُ مُحْدَثَةٍ وَلَا مَخْلُوقَةٍ وَمَنْ قَالَ إِنَّهَا مَخْلُوقَةٌ أَوْ مُحْدَثَةٌ أَوْ وَقَفَ أَوْ شَكَّ فِيهَا فَهُوَ كَافِرٌ بِاللَّهِ تَعَالَى وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَفِي الْقُلُوبِ مُحْفُوظٌ وَعَلَى الْأَلْسُنِ مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْزَّلٌ وَلَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ وَكِتَابَتُنَا لَهُ مَخْلُوقَةٌ وَقِرَاءَتُنَا لَهُ مَخْلُوقَةٌ وَالْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ حِكَايَةً عَنْ مُوسَى وَغَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَعَنْ

فِرْعَوْنَ وَإِبْلِيسَ فَإِنَّ ذَلِكَ كُلَّهُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى إِنْخَبَارًا عَنْهُمْ وَكَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى
غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَكَلَامُ مُوسَى وَغَيْرِهِ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ مَخْلُوقٌ، وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ
تَعَالَى فَهُوَ قَدِيمٌ لَا كَلَامُهُمْ وَسَمِعَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلَامَ اللَّهِ تَعَالَى كَمَا فِي
قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ وَقَدْ كَانَ اللَّهُ تَعَالَى مُتَكَلِّمًا وَلَمْ يَكُنْ
كَلَمَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ كَانَ اللَّهُ تَعَالَى خَالِقًا فِي الْأَزَلِ وَلَمْ يَخْلُقِ الْخَلْقَ
﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ فَلَمَّا كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى كَلَمَهُ بِكَلَامِهِ
الَّذِي هُوَ لَهُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَصِفَاتُهُ كُلُّهَا بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ يَعْلَمُ لَا
كَعِلْمِنَا وَيَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا وَيَرَى لَا كَرُؤُوتِنَا وَيَتَكَلَّمُ لَا كَكَلَامِنَا وَيَسْمَعُ لَا
كَسَمْعِنَا وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْأَلَاةِ وَالْحُرُوفِ وَاللَّهُ تَعَالَى يَتَكَلَّمُ بِلَا أَلَةٍ وَلَا حُرُوفٍ
وَالْحُرُوفُ مَخْلُوقَةٌ وَكَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى
الشَّيْءِ الثَّابِتِ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرِضٍ وَلَا حَدٍّ وَلَا ضِدٍّ وَلَا يَدُلُّهُ
وَلَا مِثْلَ لَهُ وَلَهُ يَدٌ وَوَجْهٌ وَنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ فَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي
الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ إِنَّ
يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نَعْمَتُهُ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْإِعْتِزَالِ
وَلَكِنْ يَدُهُ صِفَتُهُ بِلَا كَيْفٍ وَغَضَبُهُ وَرِضَاهُ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ تَعَالَى بِلَا
كَيْفٍ خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى غَالِبًا فِي الْأَزَلِ
بِالْأَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِي قَدَّرَ الْأَشْيَاءَ وَقَضَاهَا وَلَا يَكُونُ فِي الدُّنْيَا وَلَا
فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيئَتِهِ وَعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَكُتِبَ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ
وَلَكِنْ كُتِبَ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ وَالْقَضَاءِ وَالْقَدْرُ وَالْمَشِيئَةُ صِفَاتُهُ فِي الْأَزَلِ
بِلَا كَيْفٍ يَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى الْمَعْدُومَ فِي حَالِ عَدَمِهِ مَعْدُومًا وَيَعْلَمُ أَنَّهُ كَيْفَ
يَكُونُ إِذَا أَوْجَدَهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْمَوْجُودَ فِي حَالِ وُجُودِهِ مَوْجُودًا وَيَعْلَمُ أَنَّهُ كَيْفَ
يَكُونُ فَنَأْوَاهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْقَائِمَ فِي حَالِ قِيَامِهِ قَائِمًا وَإِذَا قَعَدَ فَقَدْ عَلِمَهُ قَاعِدًا

فِي حَالِ فُجُودِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَلَيْهِ أَوْ يَحْدُثَ لَهُ عِلْمٌ وَلَكِنْ التَّغَيُّرُ
وَالْإِخْتِلَافُ يَحْدُثُ عِنْدَ الْمَخْلُوقِينَ خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْخَلْقَ سَلِيمًا مِنَ الْكُفْرِ
وَالْإِيمَانِ ثُمَّ خَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ وَنَهَاهُمْ فَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهِ وَإِنْكَارِهِ وَجُودِهِ
الْحَقِّ بِخُذْلَانِ اللَّهِ تَعَالَى إِيَّاهُ وَأَمِنَ مَنْ آمَنَ بِفِعْلِهِ وَإِقْرَارِهِ وَتَصْدِيقِهِ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ
تَعَالَى إِيَّاهُ وَنُصْرَتِهِ لَهُ أَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ مِنْ صُلْبِهِ فَجَعَلَهُمْ عُقْلَاءَ فَخَاطَبَهُمْ
وَأَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْكُفْرِ فَأَقْرَأُوا لَهُ بِالرُّبُوبِيَّةِ فَكَانَ ذَلِكَ مِنْهُمْ
إِجْمَاعًا فَهُمْ يُؤَلِّدُونَ عَلَى تِلْكَ الْفِطْرَةِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ وَمَنْ
آمَنَ وَصَدَّقَ فَقَدْ ثَبَتَ عَلَيْهِ وَدَاوَمَ وَلَمْ يُجْبِزْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهِ عَلَى الْكُفْرِ وَلَا عَلَى
الْإِيمَانِ وَلَا خَلَقَهُمْ مُؤْمِنًا وَلَا كَافِرًا وَلَكِنْ خَلَقَهُمْ أَشْخَاصًا وَالْإِيمَانُ وَالْكُفْرُ
فِعْلُ الْعِبَادِ وَيَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ يَكْفُرُ فِي حَالِ كُفْرِهِ كَافِرًا فَإِذَا آمَنَ بَعْدَ ذَلِكَ
عَلَيْهِ مُؤْمِنًا فِي حَالِ إِيمَانِهِ وَأَحَبُّهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَلَيْهِ وَصِفَتُهُ وَجَمِيعُ
أَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْحَرَكَةِ وَالسَّكُونِ كَسْبُهُمْ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَاللَّهُ تَعَالَى خَالِقُهَا
وَهِيَ كُلُّهَا بِمَشِيئَتِهِ وَعَلَيْهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ وَالطَّاعَاتُ كُلُّهَا مَا كَانَتْ وَاجِبَةً
بِأَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى وَبِمَحَبَّتِهِ وَبِرِضَائِهِ وَعَلَيْهِ وَبِمَشِيئَتِهِ وَقَضَائِهِ وَتَقْدِيرِهِ
وَالْعَاصِي كُلُّهَا بِعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَتَقْدِيرِهِ وَبِمَشِيئَتِهِ لَا بِمَحَبَّتِهِ وَلَا بِرِضَائِهِ وَلَا
بِأَمْرِهِ وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنْزَهُونَ عَنِ الصَّغَائِرِ
وَالْكِبَائِرِ وَالْقَبَائِحِ وَقَدْ كَانَتْ مِنْهُمْ زَلَالٌ وَخَطَايَا وَمُحَمَّدٌ عَلَيْهِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَبِيبُهُ وَعَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَنَبِيُّهُ وَصَفِيُّهُ وَمُنْتَقَاهُ وَلَمْ يَعْبُدِ
الضَّنَمَ وَلَمْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ تَعَالَى طَرْفَةَ عَيْنٍ قَطُّ وَلَمْ يَزْكَبْ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً
قَطُّ وَأَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ
ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْفَارُوقُ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ذُو النُّورَيْنِ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي
طَالِبٍ الْمُرْتَضَى رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ عَابِدِينَ ثَابِتِينَ عَلَى الْحَقِّ وَمَعَ الْحَقِّ

نَتَوَلَّاهُمْ بِجَمِيعًا وَلَا نَذْكُرُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ إِلَّا بِخَيْرٍ وَلَا نُكْفِّرُ
مُسْلِمًا بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَتْ كَبِيرَةً إِذَا لَمْ يَسْتَحْلِلْهَا وَلَا نُزِيلُ عَنْهُ اسْمَ
الْإِيمَانِ وَنُسَبِّحُهُ مُؤْمِنًا حَقِيقَةً وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُؤْمِنًا فَاسِقًا غَيْرَ كَافِرٍ
وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ سُنَّةٌ وَالتَّارُوحُ فِي لَيْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ وَالصَّلَاةُ خَلْفَ
كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ جَائِزَةٌ وَلَا نَقُولُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَصْرُهُ الذُّنُوبُ وَلَا
نَقُولُ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ النَّارَ وَلَا نَقُولُ إِنَّهُ يَخْلُدُ فِيهَا وَإِنْ كَانَ فَاسِقًا بَعْدَ أَنْ يَخْرُجَ
مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا وَلَا نَقُولُ إِنَّ حَسَنَاتِنَا مَقْبُولَةٌ وَسَيِّئَاتِنَا مَغْفُورَةٌ كَقَوْلِ
الْمُرْجَةِ وَلَكِنْ نَقُولُ مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً بِجَمِيعِ شَرَائِطِهَا خَالِيَةً عَنِ الْعُيُوبِ
الْمُفْسِدَةِ وَلَمْ يُبْطِلْهَا بِالْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ حَتَّى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا فَإِنَّ اللَّهَ
تَعَالَى لَا يُضِيعُهَا بَلْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَيُنِيبُهُ عَلَيْهَا وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُونَ
الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ وَلَمْ يَنْبُتْ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتَّى مَاتَ مُؤْمِنًا فِي مَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى
إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَلَمْ يُعَذِّبْ بِالنَّارِ أَصْلًا وَالرِّيَاءُ إِذَا وَقَعَ فِي عَمَلٍ
مِنَ الْأَعْمَالِ فَإِنَّهُ يُبْطِلُ أَجْرَهُ وَكَذَلِكَ الْعُجْبُ وَالْأَيَاتُ لِلْأَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتُ
لِلْأَوْلِيَاءِ حَقٌّ وَأَمَّا النَّبِيُّ تَكُونُ لِأَعْدَائِهِ مِثْلُ إِبْلِيسَ وَفِرْعَوْنَ وَالذَّجَالِ مِثْلًا
رُوحِي فِي الْأَخْبَارِ أَنَّهُ كَانَ وَيَكُونُ لَهُمْ لَا نُسَبِّحُهَا آيَاتٍ وَلَا كَرَامَاتٍ وَلَكِنْ
نُسَبِّحُهَا قَضَاءَ حَاجَاتِهِمْ وَذَلِكَ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقْضِي حَاجَاتِ أَعْدَائِهِ
اسْتِدْرَاجًا لَهُمْ وَعُقُوبَةً لَهُمْ فَيَغْتَرُونَ بِهِ وَيَزْدَادُونَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَكُلُّهُ جَائِزٌ
مُمْكِنٌ لَا يَسْتَحِيلُ وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى خَالِقًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ وَرَاقًا قَبْلَ أَنْ يَزِرُقَ
وَاللَّهُ تَعَالَى يُرَى فِي الْآخِرَةِ وَيَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ وَهُمْ فِي الْجَنَّةِ بِأَعْيُنِ رُؤُوسِهِمْ بَلَا
تَشْبِيهِ وَلَا كَيْفِيَّةٍ وَلَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ مَسَافَةٌ وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ
وَالْتَّصْدِيقُ وَالْإِيمَانُ أَهْلُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ وَالْمُؤْمِنُونَ
مُسْتَوُونَ فِي الْإِيمَانِ وَالتَّوْحِيدِ مُتَفَاضِلُونَ فِي الْأَعْمَالِ وَالْإِسْلَامُ هُوَ

التَّسْلِيمُ وَالْإِنْقِيَادُ لِأَوَامِرِ اللَّهِ تَعَالَى فَمِنْ طَرِيقِ اللُّغَةِ فَرَّقَ بَيْنَ الْإِسْلَامِ
وَالْإِيْمَانِ وَلَكِنْ لَا يَكُونُ إِيْمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ وَلَا يُوجَدُ إِسْلَامٌ بِلَا إِيْمَانٍ وَهُمَا
كَالظَّهْرِ مَعَ الْبَطْنِ وَالِدَيْنِ اسْمٌ وَقَعَ عَلَى الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالشَّرَائِعِ كُلِّهَا
نَعْرِفُ اللَّهَ تَعَالَى حَقَّ مَعْرِفَتِهِ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ بِجَمِيعِ صِفَاتِهِ وَلَيْسَ
يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يَعْبُدَ اللَّهَ حَقَّ عِبَادَتِهِ كَمَا هُوَ أَهْلٌ لَهُ وَلَكِنَّهُ يَعْبُدُهُ بِأَمْرِهِ كَمَا
أَمَرَهُ بِكِتَابِهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ وَيَسْتَوِي الْمُؤْمِنُونَ كُلُّهُمْ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالْيَقِينِ
وَالْتَّوَكُّلِ وَالْمَحَبَّةِ وَالرِّضَاءِ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ وَالْإِيْمَانِ فِي ذَلِكَ وَيَتَفَاوَتُونَ فِيهَا
دُونَ الْإِيْمَانِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ وَاللَّهُ تَعَالَى مُتَفَضِّلٌ عَلَى عِبَادِهِ عَادِلٌ قَدْ يُعْطَى مِنَ
الثَّوَابِ أَضْعَافَ مَا يَسْتَوْجِبُهُ الْعَبْدُ تَفَضُّلاً مِنْهُ وَقَدْ يُعَاقَبُ عَلَى الذَّنْبِ عَذَاباً
مِنْهُ وَقَدْ يَغْفُو فَضْلاً مِنْهُ وَشَفَاعَةُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقٌّ وَشَفَاعَةُ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُنْذِرِينَ وَلَا أَهْلَ الْكِبَائِرِ مِنْهُمْ
الْمُسْتَوْجِبِينَ الْعِقَابِ حَقٌّ ثَابِتٌ وَوُزُنُ الْأَعْمَالِ بِالْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ
وَحَوْضُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَقٌّ وَالْقِصَاصُ فِيهَا بَيْنَ الْخُصُومِ
بِالْحَسَنَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ الْحَسَنَاتُ فَطَرَحُ السَّيِّئَاتِ
عَلَيْهِمْ حَقٌّ جَائِزٌ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ الْيَوْمَ لَا تَفْنِيَانِ أَبَداً لَا تَمُوتُ الْحُورُ
الْعِينُ وَلَا يَفْنِي عِقَابُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا ثَوَابُهُ سَرَمدًا وَاللَّهُ تَعَالَى يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
فَضْلاً مِنْهُ وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ عَذَاباً مِنْهُ وَإِضْلَالُهُ خِذْلَانُهُ وَتَفْسِيرُ الْخِذْلَانِ أَنْ لَا
يُوفَّقَ الْعَبْدُ إِلَى مَا يَرْضَاهُ عَنْهُ وَهُوَ عَدْلٌ مِنْهُ وَكَذَا عَقُوبَةُ الْمَخْذُولِ عَلَى
الْمَعْصِيَةِ وَلَا يَجُوزُ أَنْ نَقُولَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْلُبُ الْإِيْمَانَ مِنَ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ
قَهْرًا وَجَبْرًا وَلَكِنْ نَقُولُ الْعَبْدُ يَدْعُ الْإِيْمَانَ فَيُحْيِيهِ يَسْلُبُهُ مِنْهُ الشَّيْطَانُ
وَسُؤَالُ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ حَقٌّ كَائِنٌ فِي الْقَبْرِ وَإِعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ فِي قَبْرِهَ حَقٌّ
وَضَغْطَةُ الْقَبْرِ وَعَذَابُهُ حَقٌّ كَائِنٌ لِلْكَفَّارِ كُلِّهِمْ وَلِبَعْضِ عَصَاةِ الْمُؤْمِنِينَ وَكُلُّ

شَيْءٍ ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ عَزَّ اسْمُهُ تَجَازَى الْقَوْلُ بِهِ سَوَى
الْيَدِ بِالْفَارِسِيَّةِ وَيَجُوزُ أَنْ يُقَالَ "برولے خدا" أَيْ عَزَّ وَجَلَّ بِلَا تَشْبِيهِ وَلَا
كَيْفِيَّةٍ وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طُولِ الْمَسَافَةِ وَقَصَرُهَا
وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ وَالْمُطِيعُ قَرِيبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِي
بَعِيدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمُنَاجَى وَكَذَلِكَ
جَوَارُهُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ وَالْقُرْآنُ مُثَلَّلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَأَيَّاتُ الْقُرْآنِ فِي مَعْنَى
الْكَلَامِ كُلُّهَا مُسْتَوِيَّةٌ فِي الْفَضِيلَةِ وَالْعِظَمَةِ إِلَّا أَنْ لِبَعْضِهَا فَضِيلَةٌ الذِّكْرِ
وَفَضِيلَةُ الْمَذْكُورِ مِثْلُ آيَةِ الْكُرْسِيِّ لِأَنَّ الْمَذْكُورَ فِيهَا جَلَّالُ اللَّهِ تَعَالَى
وَعِظَمَتُهُ وَصِفَاتُهُ فَاجْتَمَعَتْ فِيهَا فَضِيلَتَانِ ، فَضِيلَةُ الذِّكْرِ وَفَضِيلَةُ
الْمَذْكُورِ وَلِبَعْضِهَا فَضِيلَةُ الذِّكْرِ فَحَسِبْ مِثْلَ قِصَّةِ الْكُفَّارِ وَلَيْسَ لِلْمَذْكُورِ
فِيهَا فَضْلٌ وَهُمْ الْكُفَّارُ وَكَذَلِكَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ كُلُّهَا مُسْتَوِيَّةٌ فِي الْعِظَمَةِ
وَالْفَضْلِ لَا تَفَاوُتَ بَيْنَهُمَا وَإِلَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَ عَلَى
الْكُفْرِ وَأَبُو طَالِبٍ عَمَّهُ مَاتَ كَافِرًا وَقَاسِمٌ وَطَاهِرٌ وَزَيْدٌ وَهَيْمٌ كَانُوا ابْنَيْ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَاطِمَةُ وَرُقِيَّةُ وَزَيْنَبُ وَأُمُّ كُلْثُومٍ كُنَّ بِجَمِيعِ بَنَاتِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِذَا أُشْجِلَ عَلَى الْإِنْسَانِ شَيْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ
التَّوْحِيدِ فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى إِلَى أَنْ
يَجِدَ عَالِمًا فَيَسْأَلَهُ وَلَا يَسْعَهُ تَأْخِيرُ الطَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِيهِ وَيُكْفَرُ إِنْ
وَقَفَ فِيهِ وَخَبَرُ الْمِعْرَاجِ حَقٌّ مَنْ رَدَّاهُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ وَخُرُوجُ الدَّجَالِ
وَيَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَظُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ
مِنَ السَّمَاءِ وَسَائِرُ عَلَامَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلَى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ
حَقٌّ كَائِنٌ وَاللَّهُ تَعَالَى يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ .

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ النُّعْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ:

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

الفقہ الاکبر:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے:

وَالْفِقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا.

التوضیح والتوضیح للفتنہ زانی: ص 28

ترجمہ: فقہ ان چیزوں کے پہچاننے کا نام ہے جو انسان کے لیے مفید یا مضر ہوں۔

انسان کے لیے جو چیزیں مفید یا مضر ہوں ان کی دو قسمیں ہیں:

1: اعتقادی و فکری، انہیں عقائد کہتے ہیں۔

2: عملی، انہیں مسائل کہتے ہیں۔

عقائد کے علم کو ”فقہ اکبر“ اور مسائل کے علم کو ”فقہ اصغر“ کہتے ہیں۔

بالفاظ دیگر ”فقہ اکبر“ علم الکلام اور ”فقہ اصغر“ علم الفقہ ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

کی کتاب کا نام ”الفقہ الاکبر“ اس لیے ہے کہ اس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اعتقادات

اور نظریات کو بیان فرمایا ہے۔

امام ابو المؤید موفق بن احمد الخوارزمی المکی الحنفی رحمہ اللہ (ت 568ھ) نے

اپنی سند کے ساتھ امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے:

عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَأْمُرُنِي بِطَلَبِ الْكَلَامِ

وَيَحْذَرُنِي كَثِيرًا عَلَيْهِ وَيَقُولُ: يَا بُنَيَّ! تَعَلَّمِ الْكَلَامَ فَإِنَّهُ الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ.

مناقب الامام الاعظم للمصنف ج 1 ص 207، 208

ترجمہ: امام حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مجھے علم

الکلام سیکھنے کا حکم فرماتے تھے اور اس کے حصول پر مجھے ابھارتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا! علم الکلام حاصل کرو کیونکہ یہ فقہ اکبر ہے۔
قَوْلُهُ: الْإِمَامُ

”امام“ کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

1: مقتداء و پیشوا (اس میں فقیہ و مجتہد بھی شامل ہے)

قرآن کریم میں ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ (۷۴)

سورة الفرقان: 74

ترجمہ: اور جو اللہ سے یہ دعا مانگتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنادے!
2: نماز پڑھانے والا شخص

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ رحمہ اللہ (ت 273ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِمَامًا جَعَلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا.

سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 846

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

3: حاکم وقت

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي

عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّتَا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ

وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنْ أَحَافَ اللَّهُ،

وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا

فَقَاصَتْ عَيْنَاهُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 660

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات قسم کے آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہو گا۔ پہلا انصاف کرنے والا حکمران، دوسرا وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا ہو، تیسرا وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہو، چوتھے ایسے دو شخص جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں، ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد بھی محبت الہی ہو، پانچواں وہ شخص جس کو کسی باعزت اور حسین و جمیل عورت نے (گناہ کی) دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ آدمی جس نے اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور ساتواں وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔

ان سات افراد میں ایک شخص ”الْإِمَامُ الْعَادِلُ“ ہے یعنی ایسا حکمران جو

عدل و انصاف کرنے والا ہو۔

یہاں متن میں موجود لفظ ”الْإِمَامُ“ سے مراد پہلا معنی ”مقتداء و پیشوا“ ہے یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فنِ فقہ میں امت کے مقتداء و پیشوا اور مجتہد و فقیہ ہیں اور آپ کو فقہ میں امت کی رہنمائی کرنے کا منصب حاصل ہے۔
قَوْلُهُ: الْأَعْظَمُ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کہتے ہیں۔ ”امام اعظم“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد امت میں جتنے مجتہدین گزرے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ ان میں سب سے بڑے مجتہد ہیں۔
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کئی ایک حضرات نے کہا ہے۔
ذیل میں چند حضرات کے حوالہ جات تحریر کیے جاتے ہیں:

1: امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری رحمہ اللہ (ت 324ھ) فرماتے ہیں:

وَحَاشَى الْإِمَامِ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ هَذَا الْقَوْلِ
بَلْ هُوَ زُورٌ وَبَاطِلٌ.

الإبانتة عن أصول الديانة: ج 1 ص 87

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ایسی بات (کہ قرآن مخلوق ہے) ہر گز نہیں فرما سکتے بلکہ یہ تو (آپ پر) جھوٹ اور بہتان ہے۔

2: امام ابو سعد عبد الکریم بن محمد السمعانی رحمہ اللہ (ت 562ھ) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وُلِدَ بِغَزَّةَ مِنْ بِلَادِ فَلَسْطِينَ بَنُو أَحْمَرَ بْنِ الْقُدْسِ سَنَةَ خَمْسِينَ
وَمِائَةً، لَعَلَّه مَاتَ فِي يَوْمِهَا الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

کتاب الانساب: ج 3 ص 379

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فلسطین کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے جو بیت المقدس کے گرد و نواح میں واقع ہے۔ شاید اسی دن امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

3: امام ابو المؤید موفق بن احمد الخوارزمی المکی الحنفی رحمہ اللہ (ت 568ھ) نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کا نام ”مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ واکرم“ رکھا۔

4: امام عزالدین ابوالحسن علی بن محمد ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ (ت 630ھ) لکھتے ہیں:
 وَفِي هَذِهِ السَّنَةِ مَاتَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ التُّعْمَانِيُّ بَنِي ثَابِتٍ.
 الکامل فی التاریخ: ج 5 ص 192

ترجمہ: اسی سال (سن 150 ہجری میں) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی وفات ہوئی۔

5: علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی الشافعی رحمہ اللہ (ت 748ھ) لکھتے ہیں:
 أَبُو حَنِيفَةَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ فَقِيهُ الْعِرَاقِ التُّعْمَانِيُّ بَنِي ثَابِتٍ بَنِي زُوَاطَا التَّيْمِيِّ.
 تذکرۃ الحفاظ: ج 1 ص 126

ترجمہ: ابو حنیفہ امام اعظم، فقیہ عراق نعمان بن ثابت بن زوطی تیمی۔
 6: حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف البزازی رحمہ اللہ (ت 827ھ) نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل پر ایک کتاب لکھی۔ اس کا نام ”مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ“ رکھا۔

7: شیخ محی الدین محمد بن بہاء الدین رحمہ اللہ (ت 956ھ) اپنی تصنیف ”القول الفصل شرح الفقہ الاکبر“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وَهُوَ يَرِاجُ أُمَّةٌ مُحَمَّدِيٍّ وَمِنْهَا جُمْلَةُ أَحْمَدَ، الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْمُقْتَدَى

الْمُكْرَمُ أَبُو حَنِيفَةَ الْكُوفِيُّ رَفَعَ اللَّهُ لَهُ ... وَهُوَ الْمُخْتَصَرُ الْمَنْسُوبُ إِلَيْهِ
الْمَوْسُومُ بِ"الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ".

القول الفصل شرح الفقہ الاکبر: 10

ترجمہ: وہ سراج الملت، ملت احمدیہ کی روشن راہ، امام اعظم، مقتدائے مکرم ابو حنیفہ الکوفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے کو بلند فرمائے..... وہ آپ کی طرف منسوب مختصر سی کتاب ہے جس کا نام ”الفقہ الاکبر“ ہے۔

8: امام عبد الوہاب بن احمد الشمرانی رحمہ اللہ (ت 973ھ) لکھتے ہیں:

وَحَاشَا ذَٰلِكَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ مِنْ مِثْلِ ذَٰلِكَ حَاشَا بَلْ هُوَ إِمَامٌ عَظِيمٌ.

المیزان الکبریٰ للشمرانی: ج 1 ص 150

ترجمہ: امام اعظم اس طرز سے (کہ احتیاط فی الدین نہ کرتے ہوں) بالکل بری ہیں بلکہ آپ تو بڑے امام ہیں۔

9: امام شہاب الدین احمد بن حجر المکی البیہقی الشافعی رحمہ اللہ (ت 974ھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و مناقب پر مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ”الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان“ رکھا ہے۔

10: امام ابو المنتہی شہاب الدین احمد بن محمد المغنسیاوی الرومی الحنفی رحمہ اللہ

(ت 1000ھ) اپنی تصنیف ”شرح الفقہ الاکبر“ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

إِنَّ كِتَابَ الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ الَّذِي صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ كِتَابٌ صَحِيحٌ مَقْبُولٌ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 1

ترجمہ: بلاشبہ الفقہ الاکبر جو امام اعظم کی تصنیف ہے صحیح اور مقبول کتاب ہے۔

11: ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْهَامُّ الْأَخْمَرُ الْأَقْدَمُ فِي كِتَابِهِ الْمُسَمَّى

بِ"الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ".

منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر: ص 37

ترجمہ: امام اعظم، ہمام الفحیم و اقدم (سب سے عظیم اور جرأت کا حامل شخص) اپنی کتاب "الفقہ الاکبر" میں فرماتے ہیں۔

12: مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب چلبی حاجی خلیفہ رحمہ اللہ (ت 1067ھ) لکھتے ہیں:

الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ فِي الْكَلَامِ لِلْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَبِي حَنِيفَةَ: النُّعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ الْكُوفِيُّ.

کشف الظنون عن آسام الکتاب والفنون: ج 2 ص 1287

ترجمہ: الفقہ الاکبر؛ علم الکلام میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

13: امام ابو الفلاح عبد الحئی بن احمد بن محمد العکری الجنبلی رحمہ اللہ (ت 1089ھ) اپنی

کتاب "شذرات الذهب" میں قاضی القضاۃ جمال الدین ابو الحسن یوسف بن اسکندر

ابن محمد بن محمد الجلبی الحنفی رحمہ اللہ (ت 929ھ) کے حالات میں لکھتے ہیں:

وَأَلَّفَ رِسَالَةً فِي تَقْوِيَةِ مَذْهَبِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ فِي عَدَمِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ.

شذرات الذهب: ج 8 ص 210

ترجمہ: آپ نے امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کی تائید میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین (کے مشروع) نہ ہونے پر ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا۔

14: ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السلھتی (بنگالی) لکھتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ عِلْمُ التَّوْحِيدِ أَصْلَ أُصُولِ الدِّينِ وَالْكِتَابُ الْجَلِيلُ الَّذِي

صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَمَّاهُ بِ"الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" أَوَّلَ تَصْنِيفٍ

وَأَشْمَلَ لِمَسَائِلِ التَّوْحِيدِ وَالْيَقِينِ.

الدر الازھر فی شرح الفقہ الاکبر لعبد القادر: ص 2

ترجمہ: چونکہ علم توحید دین کے اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے اور وہ کتاب جس کو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تصنیف فرمایا اور اس کا نام ”الفقہ الاکبر“ رکھا عقائد کے باب میں پہلی تصنیف ہے اور توحید اور یقین کے مسائل میں جامع ترین کتاب ہے۔

15: علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد سہالوی انصاری لکھنوی المعروف علامہ بحر العلوم رحمہ اللہ (ت 1225ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ: لَمْ يَقُلْهُ اللَّهُ تَعَالَى وَلَيْسَ كَلَامُهُ فَهُوَ كَافِرٌ الْبَيِّنَةُ هَذَا هُوَ الَّذِي رَامَهُ
الْإِمَامُ الْهَيْهَامُ أَعْظَمُ الْأَئِمَّةِ حَيْثُ قَالَ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ.

فوائح الرحمت شرح مسلم الثبوت: ج 2 ص 7

ترجمہ: جو شخص یہ کہے کہ قرآن کا کلمہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اور یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو ایسا شخص پکا کافر ہے۔ یہی بات امام ہمام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفقہ الاکبر“ میں فرمائی ہے۔

16: نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی غیر مقلد (ت 1307ھ) لکھتے ہیں:

”امام اعظم ابو حنیفہ کو فی رحمہ اللہ اول مجتہد ہیں۔“

جلب المنفعة فی الذب عن الائمة المجتہدین الاربعة (اردو مترجم): ص 92

17: میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد (ت 1320ھ) لکھتے ہیں:

”مسئلہ: حد بلوغت جاریہ نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سترہ برس ہیں

اور دیگر ائمہ کے نزدیک پندرہ برس ہیں“

فتاویٰ نذیریہ: ج 3 ص 131

18: ابوسعید محمد حسین بٹالوی غیر مقلد (ت 1338ھ) لکھتے ہیں:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ ”انبیاء علیہم

السلام کفر وغیرہ کبار و فواہش سے منزہ ہیں۔“

19: محمد ابراہیم میر سیالکوٹی غیر مقلد (ت 1375ھ) لکھتے ہیں:

”اسی طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں اندراجات لوح محفوظ کی نسبت فرماتے ہیں: وَلَكِنْ كَتَبَهُ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ [البتہ لوح محفوظ میں تقدیر کی تحریر؛ وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے]“

تاریخ الاممیت: ص 73

20: حکیم محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد (ت 1406ھ) لکھتے ہیں:

”امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد گرامی [حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ] کے متعلق فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ مِثْلَهُ (میزان ذہبی) یعنی میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا“

صلوٰۃ الرسول: ص 197

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ.... امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قبر نہ تو پختہ بنائی جائے اور نہ مٹی سے لپی جائے اور قبر پر نہ تو کوئی عمارت (گنبد، قبہ، مینار وغیرہ) کھڑی کی جائے اور نہ خیمہ۔“

صلوٰۃ الرسول: ص 443

اشکال: بعض لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کہنے پر یہ اشکال کرتے ہیں کہ اس سے - معاذ اللہ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص لازم آتی ہے کہ ”امام اعظم“ تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب تھا، احناف نے یہ لقب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے ایک امتی کے لیے استعمال کیا ہے۔ گویا احناف نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل لا کھڑا کیا ہے!

جواب: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کہنا - معاذ اللہ - آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے مقابلے میں نہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب کو امتی کے لیے استعمال کرنا ہے بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ باقی ائمہ مجتہدین کے مقابلے میں کہا جاتا ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ائمہ ثلاثہ؛ امام مالک بن انس (ت 179ھ)، امام محمد بن ادریس شافعی (ت 204ھ) اور امام احمد بن محمد بن حنبل (ت 241ھ) رحمہم اللہ سے مقام اور زمانہ کے اعتبار سے مقدم ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ”صدیق اکبر“ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ”فاروق اعظم“ کہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں نہیں بلکہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ہے کہ وصفِ صداقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں اور وصفِ فرق بین الحق والباطل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں نمایاں تھا۔ بالکل اسی طرح وصفِ اجتہاد و فتاوت بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں باقی ائمہ کے مقابلے میں نمایاں تھا، اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: أَبُو حَنِيفَةَ

امام صاحب کی کنیت ”ابو حنیفہ“ ہے۔ یہ کنیت نسبی نہیں بلکہ وصفی ہے۔

فائدہ:

کنیت کی دو قسمیں ہیں: کنیتِ نسبی اور کنیتِ وصفی

کنیتِ نسبی ... ایسا نام جو ماں باپ یا بیٹا بیٹی کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے جیسے ابو عبد اللہ، ام محمد، ابن عمر وغیرہ۔

کنیتِ وصفی ... ایسا نام جو انسان کے کسی خاص وصف یا خصلت کی بنا پر مشہور ہو جائے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تین اشخاص بطورِ خاص کنیت کے ساتھ

معروف تھے:

[۱]: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا نام ”عبد اللہ“ اور کنیت ”ابو بکر“ ہے۔ یہ کنیت بھی وصفی ہے۔ لفظ ”اب“ کا معنی باپ بھی ہے اور ”والا“ بھی ہے۔ ”بکر“ کے معنی کسی چیز میں پہل کرنے اور ابتداء کرنے کے آتے ہیں۔ لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے:

”بَكْرٌ: کسی چیز میں پہل کرنا۔ بَكْرٌ: پہلا بچہ۔ اَلْبَاكُورَةُ: پہلا میوہ۔ اَلْمُبَكِّرُ: موسم بہار کی پہلی بارش۔ اَلْمُبَكَّرُ: پہلے اگانے والی زمین۔ اَلْبَكِيْرَةُ: پہلے مراد پہ پہنچنے والا۔“

المنجد: ص 70، 71

یوں کنیت ”ابو بکر“ کا معنی ایسی شخصیت ہے جو پہل کرنے والی ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ چونکہ تمام امورِ خیر میں پہل فرمانے والے تھے اسی لیے آپ کو ”ابو بکر“ کہا جاتا ہے۔

معروف سیرت نگار امام علی بن برہان الدین الحلبی رحمہ اللہ (ت 1044ھ) کنیت ”ابو بکر“ کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كُنِيَ بِـ ”أَبِي بَكْرٍ“ لِأَنَّهُ كَانَ رَاسَ الْخِصَالِ الْحَمِيدَةِ.

السيرة الحلبية: ج 1 ص 442

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ کو ”ابو بکر“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ہر اچھے کام میں پہل فرمانے والے تھے۔

[۲]: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ”ابو تراب“ ہے۔ یہ کنیت بھی نسبى نہیں بلکہ وصفی ہے۔ اس کنیت کی وجہ حدیث مبارک میں مذکور ہے۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد

بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَلَمْ يَجِدْ عَلَيْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ: "أَيْنَ ابْنُ عَمِّي؟" قَالَتْ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَعَاظِبَنِي فَفَرَجَ فَلَمْ يَهْلُ عِنْدِي. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلنَّسَاءِ: "انْظُرْ أَيْنَ هُوَ؟" فَجَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ. فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِذَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ وَأَصَابَهُ ثُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَيَقُولُ: "قُمْ أَبَا ثَرَابٍ! قُمْ أَبَا ثَرَابٍ!"

صحیح البخاری: رقم الحدیث 441

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں نہ پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپ کے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ وہ عرض کرنے لگیں کہ ہمارے درمیان کچھ باتیں ہوئی ہیں تو وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں اور یہاں نہیں سوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ جا کر دیکھو کہ وہ کہاں ہیں؟ (وہ شخص گیا۔ جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا) واپس آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ (زمین پر) لیٹے ہوئے تھے اور ان کی چادر ان کے پہلو سے الگ ہو گئی تھی اور (ان کے جسم پر) مٹی لگی ہوئی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کو جھاڑنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے گئے کہ ابو تراب! ابو تراب! کھڑے ہو جاؤ، ابو تراب! کھڑے ہو جاؤ۔ اس واقعہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ”ابو تراب“ معروف ہو گئی۔

[۳]: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا نام ”عبد الرحمن بن صخر“ اور کنیت ”ابو ہریرہ“ ہے۔
 ”ہُرَیْرَةُ“ کا معنی ہے ”بلی کا بچہ“۔ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ کنیت وصفی ہے۔ اس کنیت کی
 وجہ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

كَانَ اسْمِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ عَبْدَ شَمْسٍ فَسَمَّيْتُ فِي الْإِسْلَامِ عَبْدَ الرَّحْمَنِ،
 وَإِنَّمَا كُنْتُ بِأَبِي هُرَيْرَةَ لِأَنِّي وَجَدْتُ هِرَّةً فَجَعَلْتُهَا فِي كُفِّي، فَقِيلَ لِي: مَا هَذِهِ؟
 قُلْتُ: "هِرَّةٌ" قِيلَ: فَأَنْتَ أَبُو هُرَيْرَةَ. وَقَدْ رَوَيْنَا عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَخْجُلُ هِرَّةً
 يَوْمًا فِي كُفِّي، فَرَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي: "مَا هَذِهِ؟"
 فَقُلْتُ: هِرَّةٌ. فَقَالَ: "يَا أَبَا هُرَيْرَةَ."

وَهَذَا أَشْبَهَ عِنْدِي أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَاكَ بِذَلِكَ،
 وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

الاستيعاب في معرفة الاصحاب لابن عبد البر: ج 2 ص 70

ترجمہ: دورِ جاہلیت میں میرا نام ”عبد الشمس“ تھا اور اسلام لانے کے بعد عبد
 الرحمن رکھا گیا۔ میری کنیت ”ابو ہریرہ“ پڑی۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے ایک بلی ملی جسے میں
 نے اپنی آستین میں رکھ لیا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ آستین میں کیا ہے؟ میں نے کہا: بلی
 ہے۔ تو مجھے ”ابو ہریرہ“ کہا جانے لگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور وجہ
 بھی منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی آستین میں بلی اٹھائے ہوئے تھا۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے عرض
 کیا کہ بلی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ”اے ابو ہریرہ“۔ (امام ابن عبد
 البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) میرے نزدیک تحقیقی بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی
 کنیت ”ابو ہریرہ“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی تجویز فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت کے معنی و مراد کے بارے میں چند اقوال

پیش ہیں:

1: عراقی لغت میں دوات کو ”حنیفہ“ کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے آخر عمر تک قلم و دوات نہیں چھوڑا یعنی کہ ساری زندگی علم ہی کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنائے رکھا اس لیے اس کی طرف منسوب ہو کر ”ابو حنیفہ“ کہلائے۔

امام شہاب الدین احمد بن حجر المکی الہیثمی رحمہ اللہ (ت 974ھ) لکھتے ہیں:

قِيلَ سَبَبُ تَكْنِيَّتِهِ بِذَلِكَ مُلَازِمَتُهُ لِلدَّوَاةِ الْمُسَمَّاةِ بِلُغَةِ الْعِرَاقِ.

الخيرات الحسان في مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص 32

ترجمہ: امام صاحب کو ”ابو حنیفہ“ کہنے کے ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ کے پاس ایک دوات ہمیشہ رہتی تھی جسے لغت عراق میں ”حنیفہ“ کہتے ہیں۔

2: دین اسلام کو ”ملت حنیفہ“ کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس کی تدوین فرمائی ہے اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ”ابو حنیفہ“ کہتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ (ت 1402ھ) لکھتے ہیں:

وَالْأَوْجَهُ فِي تَكْنِيَّتِهِ أَنَّهُ رَأْسُ الْفُرُوعِ وَالشَّرَائِعِ فِي الْمِلَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ
الْبَيْضَاءِ.

مقدمۃ اوجز المسالك الى موطا مالک: ج 1 ص 171

ترجمہ: امام صاحب کو ”ابو حنیفہ“ کہنے کے حوالے سے زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ آپ روشن ملت حنیفیہ کے احکام و مسائل (کے جمع و استخراج) میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ”حنیفہ“ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک صاحبزادی کا نام تھا۔ ان کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ ”ابو حنیفہ“ کہلائے لیکن یہ بات بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ تھا، اس کے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔

علامہ محمد بن اسحاق بن ندیم (ت 385ھ) لکھتے ہیں:

وَكَانَ لَهُ مِنَ الْوُلْدِ حَمَادٌ وَيُكْنَى أَبَا إِسْمَاعِيلَ وَمَاتَ بِأَلْكُوفَةِ.

الفہرست لابن ندیم: ص 255

ترجمہ: آپ کی اولاد میں صرف حضرت حماد تھے جن کی کنیت ابو اسماعیل تھی، ان کا انتقال کوفہ میں ہوا۔

امام شہاب الدین احمد ابن حجر المکی الہیثمی رحمہ اللہ (ت 974ھ) لکھتے ہیں:

لَا يُعْلَمُ لَهُ وَلَدٌ، ذَكَرُوْا لَا أَتْنِيْ غَيْرَ حَمَادٍ.

الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص 32

ترجمہ: آپ کی اولاد میں سوائے حماد رحمہ اللہ کے اور کسی بیٹے یا بیٹی کا ہونا معلوم نہیں۔

شیخ محمد قاسم بن عبدہ الحارثی فرماتے ہیں:

لَا يُعْلَمُ لِأَبِي حَنِيفَةَ وَلَدٌ غَيْرَ ابْنِهِ حَمَادٍ.

مکاتہ الامام ابی حنیفۃ بین الحمدین الحارثی: ص 39

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام حماد کے علاوہ کوئی اور اولاد معلوم نہیں ہو سکی۔
لہذا امام صاحب کی کنیت ”ابو حنیفہ“ و صفی کنیت ہے، نسبی نہیں۔

قَوْلُهُ: النُّعْمَانُ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ”نعمان“ ہے۔ علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی المکی رحمہ اللہ (ت 974ھ) نے آپ کے نام میں کئی نکات بیان فرمائے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

إِذْ أَصْلُ النُّعْمَانِ الدَّمُ الَّذِي بِهِ قَوَامُ الْبَدَنِ وَمِنْ ثَمَّةٍ ذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّهُ الرُّوحُ فَأَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِهِ قَوَامُ الْفَقْهِ وَمِنْهُ مَدَارِكُهُ وَعَوِيصَاتُهُ أَوْ نَبَتْ أَحْمَرُ طَيْبِ الرِّيحِ الشَّقِيقُ أَوْ الْأَرْجَوَانُ - بِضَمِّ الْهَمْزَةِ - فَأَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ طَابَتْ خِلَالُهُ وَبَلَغَ الْغَايَةَ كِبَالَهُ أَوْ فُعْلَانٌ مِنَ النِّعْمَةِ فَأَبُو حَنِيفَةَ نِعْمَةٌ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ.

الخيرات الحسان في مناقب الامام الاعظم ابي حنيفة النعمان: ص 31

ترجمہ: [1] ”نعمان“ اصل میں اس خون کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے بدن کا قوام (بقاء، پائیداری) ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے یہ موقف اختیار کیا کہ نعمان کا معنی ”روح“ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی وجہ سے فقہ کا قوام ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی دلائل بیان کرنے اور فقہ کی مشکلات کو حل کرنے کی بنیاد بنے ہیں۔ [2] یا ”نعمان“ سے مراد خوشبودار سرخ گھاس ہے جو گل لالہ ہے یا ارغوان (تیز خوشبو والا سرخ رنگ کا پودا) ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خصائل بھی اچھے ہوئے اور آپ کے کمالات بام عروج کو پہنچے۔ [3] ”نعمان“ بمعنی نعمت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی مخلوق خدا کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے۔

فائدہ:

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی المکی رحمہ اللہ (ت 974ھ) نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا ایک معنی ”گل لالہ“ بیان کیا

ہے۔ جس طرح گل لالہ کی خوشبو محفل کو معطر کر کے اسے کمال تک پہنچا دیتی ہے اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خصائل و کمالات بھی بام عروج اور کمالات کو پہنچے ہیں۔

یہاں امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (ت 204ھ) کے اس شعر کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا فَإِنَّ ذِكْرَهُ
هُوَ الْبِسْكَ مَا كَوَّرْتَهُ يَتَصَوَّغُ

حاشیہ الکافیہ فی النحو: ص 16

ترجمہ: ہمارے سامنے نعمان کا ذکر بار بار کرتے رہو! اس لیے کہ ان کا تذکرہ مشک کی طرح ہے جسے آپ جتنا کلیں گے اتنا ہی زیادہ خوشبودے گی۔

قَوْلُهُ: رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

اصطلاحات شریعت کا ایک ضابطہ ہے کہ جب کسی صحابی کا تذکرہ کیا جائے تو ان کے نام کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ لکھا جاتا ہے اور جب کسی غیر صحابی کا ذکر ہو تو ان کے نام کے ساتھ ”رحمۃ اللہ علیہ“ لکھا جاتا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری (فتاویٰ ہندیہ) میں ہے:

أَنْ يَدْعُوَ لِلصَّحَابَةِ بِالرِّضَا فَيَقُولُ: "رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ"
وَلِلتَّابِعِينَ بِالرَّحْمَةِ فَيَقُولُ: "رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى".

الفتاویٰ الہندیہ: ج 6 ص 496 کتاب الخنثی، مسائل شتی

ترجمہ: صحابہ کرام کے ساتھ ”رضی اللہ عنہم“ اور تابعین کے ساتھ ”رحمہم اللہ تعالیٰ“ کہہ کر ان کا تذکرہ کرے۔

اعتراض:

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ضابطہ تو یہ ہے کہ صحابی کے نام کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ اور غیر صحابی کے نام کے ساتھ ”رحمۃ اللہ علیہ“ لکھا جاتا ہے لیکن احناف - معاذ اللہ - گستاخ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ جو لقب ”رضی اللہ عنہ“ صحابی کا تھا انہوں نے وہی لقب امام ابو حنیفہ کو دے کر ”قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ التَّعْمَبَانِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ“ کہا ہے۔

جواب:

غیر صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا محض احناف کا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ خود قرآن کریم کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

سورۃ التوبہ: 100

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور ان کے متبعین کو ”رضی اللہ عنہم“ فرمایا ہے۔ امام ابو حنیفہ اگرچہ صحابی نہیں بلکہ غیر صحابی ہیں لیکن انہیں ”رضی اللہ عنہ“ کہنا گستاخی نہیں بلکہ قرآنی اسلوب کی اتباع ہے۔

اشکال:

اگر قرآنی اسلوب یہی ہے کہ غیر صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ کہا جاسکتا ہے تو کیا

یہ ضابطہ غلط ہے کہ صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ اور غیر صحابی کو ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہا جائے؟

جواب:

یہ ضابطہ بھی ٹھیک ہے اور قرآنی اسلوب بھی ٹھیک ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ علماء نے جو یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ اور غیر صحابی کو ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہا جائے تو وہ اس لیے بیان فرمایا تاکہ صحابی اور غیر صحابی میں اشتباہ نہ ہو بلکہ ان میں امتیاز رہے۔

مثلاً ”محمد“ نام کے تین آدمی ہیں۔ ایک خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ایک صحابی ہیں اور ایک بعد کے ولی ہیں۔ ”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ نبی ہیں، ”محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما“ صحابی ہیں اور ”محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ“ ولی ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ ”محمد نے فرمایا“ تو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ یہ کون سے محمد کا فرمان ہے؟ اب یہ امتیاز ضابطہ سے ہو گا کہ اگر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ ساتھ لکھا ہو گا تو سمجھیں گے کہ یہ فرمانے والے اللہ کے نبی ہیں۔ اگر ”رضی اللہ عنہ“ ساتھ لکھا ہو گا تو معلوم ہو جائے گا کہ قائل صحابی ہیں اور اگر ”رحمۃ اللہ علیہ“ ساتھ لکھا ہو گا تو سمجھیں گے کہ اس کے قائل اللہ کے ولی ہیں۔

تو یہ اصطلاحات اس لیے متعین کی گئیں تاکہ بعد والوں کو اشتباہ نہ ہو۔ لہذا اگر کہیں کسی غیر صحابی کی شہرت اتنی زیادہ ہو کہ اگر انہیں ”رضی اللہ عنہ“ بھی کہہ دیں تو شہرت زیادہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ صحابی نہیں ہے تو ایسے شخص کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا بھی درست ہے اور ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہنا بھی درست ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی اتنی معروف و مشہور ہے کہ اگر انہیں ”رضی اللہ عنہ“ بھی کہہ دیا جائے تب بھی کسی کے ذہن میں یہ نہیں آتا کہ آپ

صحابی ہوں گے، اس لیے آپ کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا بالکل درست ہے۔ قرآن کریم کا اسلوب، ضابطہ اور فقہائے احناف کی عبارات سب درست ہیں۔

فائدہ:

خود غیر مقلدین کے اکابرین نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ”رضی اللہ عنہ“ کا لقب استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

1: نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی غیر مقلد (ت 1307ھ) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتے ہیں:

”الْإِمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ التُّعْمَانِيُّ بَنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“

التاج المکمل: ص 125

2: ابوسعید محمد حسین بٹالوی غیر مقلد (ت 1338ھ) لکھتے ہیں:

”حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کفر وغیرہ کبار و فواحش سے منزہ ہیں۔“

اشاعۃ السنۃ: ج 11 شمارہ 4 ص 98

3: نواب صدیق حسن خان کے بیٹے نواب علی حسن خان غیر مقلد (ت 1356ھ) نے اپنے والد صاحب کی سوانح ”ماثر صدیقی“ کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں اپنے والد صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی نسبت وہ لکھتے ہیں کہ امام اعظم کو فی رضی اللہ عنہ کوائمہ اربعہ میں اجتہاد میں شرف تقدم حاصل ہے۔“

ماثر صدیقی: ج 4 ص 6

اصول ایمان کا بیان

أَصْلُ التَّوْحِيدِ وَمَا يَصْحُحُ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ
يَجِبُ أَنْ يَقُولَ: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنْ اللَّهِ تَعَالَى وَالْحِسَابِ وَالْمِيزَانِ
وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهُ.

ترجمہ: توحید کی بنیاد اور ان چیزوں کا بیان جن کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے:
ہر (مكلف) انسان پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس
کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، دوسرے جہان (اور دوسری زندگی) کے برحق
ہونے پر، موت کے بعد اٹھنے پر، اچھی اور بری تقدیر کے من جانب اللہ ہونے پر،
حساب کتاب پر، میزان پر، جنت اور جہنم پر ایمان لایا کہ یہ ساری باتیں برحق ہیں۔

قَوْلُهُ أَصْلُ التَّوْحِيدِ:

اس مقام پر توحید کا معنی اور اقسام سمجھنا ضروری ہے۔

توحید کا لغوی معنی:

علامہ سید علی بن محمد الشریف الجرجانی رحمہ اللہ (ت 816ھ) لکھتے ہیں:

التَّوْحِيدُ فِي اللُّغَةِ: الْحُكْمُ بِأَنَّ الشَّيْءَ وَاحِدٌ وَالْعِلْمُ بِأَنَّهُ وَاحِدٌ.

کتاب التعریفات للجرجانی: ص 96

ترجمہ: لغت میں توحید کا معنی ہے کسی چیز پر ایک ہونے کا حکم لگایا جائے اور کسی چیز کے
بارے میں یقین رکھا جائے کہ یہ چیز ایک ہے۔

توحید کا اصطلاحی و شرعی معنی:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ التفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ)

لکھتے ہیں:

حَقِيقَةُ التَّوْحِيدِ اعْتِقَادُ عَدَمِ الشَّرِيكَ فِي الْإِلَوهِيَّةِ وَخَوَاصِّهَا.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 4 ص 39

ترجمہ: توحید کی حقیقت (یعنی شرعی مفہوم) یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت الوہیت اور اس کے خواص میں کوئی شریک نہیں۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ خود ”الوہیت کے خواص“ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَا نِزَاعَ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فِي أَنَّ تَدْبِيرَ الْعَالَمِ وَخَلْقَ الْأَجْسَامِ
وَاسْتِحْقَاقَ الْعِبَادَةِ وَقَدْ مَّا يَقُومُ بِنَفْسِهِ كُلِّهَا مِنَ الْخَوَاصِّ وَنَعْنَى الْقَدَمِ
بِمَعْنَى عَدَمِ الْمَسْبُوقِيَّةِ بِالْعَدَمِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 4 ص 39

ترجمہ: اس بات میں اہل اسلام کا کوئی اختلاف نہیں کہ عالم کی دیکھ بھال کرنا، اجسام کو پیدا کرنا، عبادت کے لائق ہونا، ایسی ذات جو خود بخود قائم ہو (یعنی ذات باری تعالیٰ) اس کا قدیم ہونا یہ سارے کے سارے الوہیت کے لیے خواص ہیں۔ ”قدیم“ ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس ذات پر پہلے زمانہ عدم نہ گزرا ہو۔

توحید کی اقسام:

توحید کی شرعی تعریف کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات،

استحقاق عبادت اور قدیم ہونے وغیرہ جیسی صفات میں یکتا ماننا لازم ہے۔ چونکہ ”توحید“

کا لفظ اپنے اندر ایک جامع مفہوم رکھتا ہے اس لیے اکابرین اور اسلاف نے اپنے اپنے

ذوق کے مطابق مختلف پیرائے میں اس کی چند انواع و اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ذیل میں چند اکابرین کے حوالہ جات پیش ہیں جو توحید کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

(1): علامہ ابن بطہ عکبری رحمہ اللہ

امام ابو عبد اللہ عبید اللہ بن محمد بن بَظَّة العُکُبَرِی الخنِیْلِ رحمہ اللہ (ت 387ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ أَصْلَ الْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ الَّذِيْ يَجِبُ عَلَى الْخَلْقِ اعْتِقَادُهُ فِيْ اثْبَاتِ الْإِيْمَانِ بِهٖ ثَلَاثَةٌ أَشْيَاءُ:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے بنیادی طور پر تین چیزیں ایسی ہیں جن پر بندوں کا پختہ یقین ضروری ہے:

أَحَدُهَا: أَنْ يَعْتَقِدَ الْعَبْدُ إِيْتِيَّتَهُ لِيَكُوْنَ بِذَلِكَ مُبَايِنًا لِمَذْهَبِ أَهْلِ التَّعْطِيلِ الَّذِينَ لَا يُثْبِتُوْنَ صَانِعًا.

پہلی چیز: (اییت) بندہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے، اس عقیدہ سے اہل تعطیل کے عقیدہ سے امتیاز ہو جائے گا جو صانع عالم کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔

وَالثَّانِي: أَنْ يَعْتَقِدَ وَحْدَانِيَّتَهُ لِيَكُوْنَ مُبَايِنًا بِذَلِكَ مَذَاهِبِ أَهْلِ الشِّرْكِ الَّذِينَ أَقْرَوْا بِالصَّانِعِ وَأَشْرَكُوا مَعَهُ فِي الْعِبَادَةِ غَيْرَهُ.

دوسری چیز: (وحدانیت) یہ اعتقاد رکھے کہ باری تعالیٰ ایک ہے، اس سے مشرکین کے عقیدہ سے امتیاز ہو جائے گا جو صانع عالم کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن اس کی عبادت کے ساتھ اوروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

وَالثَّالِثُ: أَنْ يَعْتَقِدَهُ مَُوْصُوفًا بِالصِّفَاتِ الَّتِي لَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مَُوْصُوفًا بِهَا مِنْ الْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْحِكْمَةِ وَسَائِرِ مَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ.

تیسری چیز: (صفات خاصہ سے اتصاف) بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کے

ساتھ موصوف ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں جیسے علم، قدرت، حکمت اور دیگر صفات جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ذات کے لیے بیان فرمائی ہیں۔

الابانۃ لابن بطہ: الکتاب الثالث، ج 2 ص 172، 173

(2): علامہ شہرستانی رحمہ اللہ

علامہ محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر احمد الشہرستانی رحمہ اللہ (ت 548ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَاحِدٌ فِي ذَاتِهِ لَا قَسِيمَ لَهُ.

(توحید فی الذات) اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے اس کا کوئی جزء نہیں۔

وَ وَاحِدٌ فِي صِفَاتِهِ الْأَزَلِيَّةِ لَا نَظِيرَ لَهُ.

(توحید فی الصفات) اپنی صفات ازلیہ میں یکتا ہے اس کی کوئی مثال نہیں۔

وَ وَاحِدٌ فِي أَعْمَالِهِ لَا شَرِيكَ لَهُ.

اور (توحید فی الافعال) اپنے افعال میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

الملل والنحل: ج 1 ص 55

(3): علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ

بعض لوگوں نے توحید کی درج ذیل تین اقسام بیان کی ہیں اور اس تقسیم کو علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ الحرانی الحنبلی رحمہ اللہ (ت 728ھ) کی طرف منسوب کیا ہے۔ تین اقسام یہ ہیں:

توحید فی الربوبیت: اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سارے جہان کو پالنے والی ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پالنے والا نہیں ہے۔

توحید کی اس قسم میں اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، مدبر کائنات وغیرہ ماننا

بھی شامل ہے۔

توحید فی الالوہیت: اللہ تعالیٰ کی ذات ہی لائق عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

توحید فی الصفات: اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں واحد اور اکیلا ہے کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک نہیں جیسے عالم الغیب، مختار کل، قادر مطلق، مشکل کشا، حاجت روا وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، ان صفات کو کسی اور کے لیے ثابت کرنا جائز نہیں ہے۔

(4): شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ

شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم محدث دہلوی رحمہ اللہ (ت 1176ھ) فرماتے ہیں:

وَأَعْلَمُ أَنَّ لِلتَّوْحِيدِ أَرْبَعَ مَرَاتِبَ:

یہ بات جان لیں کہ توحید کے چار مراتب ہیں:

إِحْدَاهَا: حَضْرُ وَجُوبِ الْوُجُودِ فِيهِ تَعَالَى، فَلَا يَكُونُ غَيْرُهُ وَاجِبًا.

اول: واجب الوجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ذات واجب الوجود نہیں ہے۔

وَالثَّانِيَّةُ: حَضْرُ خَلْقِ الْعَرْشِ وَالسَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَسَائِرِ الْجَوَاهِرِ

فِيهِ تَعَالَى.

دوم: عرش، آسمان، زمین اور سارے جواہر (قائم بالذات اشیاء) کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَهَاتَانِ الْمَرْتَبَتَانِ لَمْ تَبْحَثِ الْكُتُبُ الْإِلَهِيَّةُ عَنْهُمَا وَلَمْ يُجَالَفْ

فِيهِمَا مُشْرِكُو الْعَرَبِ وَلَا الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى بَلِ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ نَاصٍ عَلَى أَتْمَهُمَا مِنَ الْمَقْدَمَاتِ الْمُسَلَّمَةِ عَنْدَهُمْ.

توحید کے یہ دو مرتبے کتب الہیہ میں بیان نہیں ہوئے کیونکہ ان دونوں مرتبوں میں مشرکین عرب نے مخالفت کی ہے نہ یہود نے اور نہ نصاریٰ نے بلکہ قرآن مجید نے تو اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دو مرتبے ان لوگوں کے ہاں مسلم تھے۔
وَالثَّالِثَةُ: حَضَرَ تَدْبِيرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيهِ تَعَالَى.
سوم: آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کا نظام چلانے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وَالرَّابِعَةُ: أَنَّهُ لَا يَسْتَحِقُّ غَيْرُهُ الْعِبَادَةَ.
چہارم: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

حجۃ اللہ البالغۃ: ج 1 ص 59 باب التوحید

(5): شیخ غنیمی میدانی رحمہ اللہ

شیخ عبد الغنی بن طالب الغنیمی البیدانی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1298ھ) لکھتے ہیں:
وَالْوَحْدَانِيَّةُ صِفَةٌ سَلْبِيَّةٌ تُقَالُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ:
”وحدت“ سلبی صفت ہے اور اس کا اطلاق تین قسموں پر ہوتا ہے:
الْأَوَّلُ: الْوَحْدَةُ فِي الذَّاتِ وَالْمُرَادُ بِهَا انْتِفَاءُ الْكَثْرَةِ عَنْ ذَاتِهِ تَعَالَى
بِمَعْنَى عَدَمِ قُبُولِهَا الْإِنْقِسَامَ.

پہلی: وحدت فی الذات، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اس کی ذات تقسیم نہیں ہو سکتی (یعنی ایسا نہیں کہ دو یا زائد چیزیں مل کر ذات باری تعالیٰ بنے)

وَالثَّانِي: الْوَحْدَةُ فِي الصِّفَاتِ، وَالْمُرَادُ بِهَا انْتِفَاءُ النَّظِيرِ لَهُ تَعَالَى فِي كُلِّ صِفَةٍ مِنْ صِفَاتِهِ فَيَمْتَنِعُ أَنْ يَكُونَ لَهُ تَعَالَى عُلُومٌ وَقُدْرَاتٌ مُتَكَثِّرَةٌ يَحْسَبُ الْمَعْلُومَاتِ وَالْمَقْدُورَاتِ بَلْ عِلْمُهُ تَعَالَى وَاحِدٌ وَمَعْلُومَاتُهُ كَثِيرَةٌ وَقُدْرَتُهُ وَاحِدَةٌ وَمَقْدُورَاتُهُ كَثِيرَةٌ وَعَلَى هَذَا يَجْمَعُ صِفَاتِهِ.

دوسری: وحدت فی الصفات، یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی مثال نہیں ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی صفت علم اور صفت قدرت کئی ہوں ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ایک صفت ہے اور معلومات کئی ہیں، قدرت ایک صفت ہے اور مقدرات کئی ہیں، اسی طرح باقی صفات کا حال ہے۔

وَالثَّالِثُ: الْوَحْدَةُ فِي الْأَفْعَالِ، وَالْمُرَادُ بِهَا انْفِرَادُهُ تَعَالَى بِاخْتِرَاعِ
بَجْمِيعِ الْكَائِنَاتِ عُمُومًا وَامْتِنَاعِ إِسْنَادِ التَّأْثِيرِ لِغَيْرِهِ تَعَالَى فِي شَيْءٍ مِنَ
الْمُبْكَنَاتِ أَصْلًا.

تیسری: وحدت فی الافعال، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات تن تنہا پیدا فرمائی ہے اور کسی بھی ممکن شے میں حقیقی تاثیر کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے۔

شرح العقیدۃ الطحاویہ: 47

فائدہ:

یہ تین اقسام تقریباً وہی ہیں جو ہم نے علامہ محمد بن عبد الکریم الشہرستانی رحمہ اللہ کے حوالے سے اوپر بیان کی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ علامہ شہرستانی نے اثبات کے طرز پر بیان کی ہیں اور شیخ میدانی رحمہ اللہ نے سلب کے طریق پر۔

(6): حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ

رئیس المناظرین حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی

رحمہ اللہ (ت 1421ھ) فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے ہاں توحید کی تین اقسام ہیں:

۱: توحید ایمانی: لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں)

اس کو مانے بغیر کوئی مؤمن ہو ہی نہیں سکتا۔

۲: توحید اخلاصی: لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے سوا کوئی چیز مقصود نہیں) کیونکہ ریاء

کو حدیث میں شرک قرار دیا گیا ہے۔ ”توحید اخلاصی“ کو ”توحید خواص“ بھی کہتے ہیں۔
 ۳: توحید شہودی: لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں) جب کسی
 ولی کامل کو تجلیات باری کا مشاہدہ ہوتا ہے تو ان کو کوئی چیز نظر نہیں آتی، اس لیے وہ لَا
 مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ پکارتے ہیں۔

توحید ایمانی (لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ) جس شخص کو حاصل نہ ہو تو وہ کافر ہو گا۔
 توحید اخلاصی (لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ) جسے حاصل نہ ہو تو وہ مؤمن غیر مخلص یعنی فاسق
 ہو گا۔ توحید شہودی (لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ) جسے حاصل نہ ہو وہ مؤمن صالح لیکن مقام
 مشاہدہ سے محروم ہو گا۔

ترباتی اکبر بزبان صفدر: ص 420

فائدہ نمبر 1:

توحید کی تقسیم کے متعلق اکابر ائمہ کی مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوتا ہے
 کہ بعض اکابرین نے توحید کی تین اور بعض نے چار قسمیں بیان کی ہیں۔ نیز جنہوں نے
 تین قسمیں بیان کی ہیں ان کی ذکر کردہ اقسام بھی باہم مختلف ہیں۔ دراصل توحید کی
 تقسیم اور ان کی ذیلی اقسام میں اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں بلکہ محض تعبیرات کا
 اختلاف ہے۔ تعبیرات کے اختلاف کو نفس توحید کا اختلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

فائدہ نمبر 2:

اقسام توحید کی تعبیرات منصوص نہیں بلکہ غیر منصوص ہیں۔ اہل علم نے
 اپنے اپنے دور میں عوام الناس کو عقیدہ توحید سمجھانے کے لیے اختیار کی ہیں اور عوام کی
 ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے مختلف اقسام میں منقسم کیا ہے۔ ہر دور کے علماء نے
 اپنے ذوق اور عوامی ضرورت کے پیش نظر اقسام کی نئی تعبیرات اختیار کیں۔ یوں

تعبیرات باہم مختلف ہوتی چلی گئیں۔ مقصود ان سب حضرات کا یہی تھا کہ توحید باری تعالیٰ مختلف جہات سے کھل کر واضح ہو اور شرک کسی گوشے سے عقیدہ توحید میں حائل نہ ہو سکے۔

(7): ہمارے ہاں توحید کی تین اقسام ہیں:

۱: توحید فی الذات

۲: توحید فی الصفات

۳: توحید فی الاسماء

1: توحید فی الذات:

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔

2: توحید فی الصفات:

اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یکتا ہے، صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

3: توحید فی الاسماء:

اللہ تعالیٰ اپنے ناموں میں یکتا ہے۔

ان تینوں اقسام پر تفصیلی گفتگو آگے اپنے مقام پر آرہی ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَا يَصِحُّ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں فرمانا چاہتے ہیں کہ مؤخر الذکر جو امور بیان ہو رہے ہیں ان کو دل سے ماننا بھی ضروری ہے اور زبان سے ان کا اقرار بھی لازمی ہے۔

فائدہ نمبر 1: ”ایمان“ دراصل ان چیزوں کو دل سے ماننے کا نام ہے۔ زبان

سے اقرار؛ اجراء احکام کے لیے شرط ہے۔ بالفاظ دیگر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان یہ اجراء احکام کے لیے شرط ہے۔ اسی لیے امام صاحب نے فرمایا: ”وَمَا يَصِحُّ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ“ کہ ان امور پر یقین رکھنا بھی ضروری ہے اور ”يُحِبُّ أَنْ يَقُولَ“ کہ زبان سے ان کا اقرار بھی لازم ہے۔

فائدہ نمبر 2: ایمان کا زبان سے اقرار کرنا تین مقامات پر فرض ہے:

- 1: زندگی میں ایک بار زبان سے اقرار کرنا فرض ہے
 - 2: بوقت ضرورت زبان سے اقرار کرنا فرض ہے
 - 3: اجراء احکام کے لیے زبان سے اقرار کرنا فرض ہے
- اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

امام اعظم رحمہ اللہ نے چند ایمانیات کا ذکر فرمایا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

قَوْلُهُ: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ

اللہ تعالیٰ پر ایمان:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بارے میں تین باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ اور اسمائے باری تعالیٰ

[1]: ذات باری تعالیٰ

ذات باری تعالیٰ کے متعلق پانچ بنیادی باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

پہلی بات: اللہ تعالیٰ کیا ہے؟ کے جواب میں یہ کہنا چاہیے کہ:

لَيْسَ بِجَسَمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا طَوِيلٍ وَلَا عَرِيزٍ وَلَا يَشْغُلُ
الْأَمْكِنَةُ وَلَا يَحْوِيهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السَّبْتِ وَلَيْسَ بِمُتَحَرِّكِ وَلَا

سَاكِنٍ وَلَا يُدْرِكُهُ الْإِحْسَاسُ.

دَفْعُ شُبُهَةِ النَّشِيئَةِ لَابِنِ الْجَوْزِيِّ: ص 11

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ طویل، نہ عریض، نہ کسی مکان میں اتر کر اس کو بھرتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لیے جہاتِ ستہ میں سے کوئی خاص جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ حواس کے ذریعے اس کی حقیقت کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔
ان کی تعریف پیش کی جاتی ہے:

1: جسم

الْمَرْكَبُ مِنْ جُزْئَيْنِ فَصَاعِدًا.

احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: دو یا دو سے زائد اجزاء سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں۔

2: جوہر

كُلُّ مُمَكِّنٍ لَهُ قِيَامٌ بِذَاتِهِ أَوْ لَيْسَ تَحْيُزُهُ تَابِعًا لِتَحْيُزِ غَيْرِهِ.

احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: ہر وہ ممکن چیز ہے جس کا قیام ذاتی ہو یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع نہ ہو۔

3: عرض

كُلُّ مُمَكِّنٍ لَهُ قِيَامٌ بِالْغَيْرِ أَمَّا يَكُونُ مَحْيُوتًا تَابِعًا لِتَحْيِيٍّ الْغَيْرِ.

احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: ہر اس ممکن چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو، یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع ہو۔

فائدہ نمبر 2:

عام طور پر کسی شے کی تعریف کرتے ہوئے صفات وجودیہ ذکر کی جاتی ہیں لیکن ذات باری تعالیٰ کی تعریف صفات سلبیہ سے کی جاتی ہے۔
دوسری بات: اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے۔ اس میں تعدد نہیں ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (۱)﴾

سورۃ الاخلاص: 1

ترجمہ: فرماد دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔
اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی مزید تشریح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمائی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تیسری بات: اللہ تعالیٰ کی ذات اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۳)﴾

سورۃ الحديد: 3

ترجمہ: وہی اول بھی ہے اور آخر بھی ہے، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

یہاں ایک وضاحت سمجھنا ضروری ہے کہ اول اور آخر کی دو قسمیں ہیں:

اول و آخر حقیقی:

جس سے پہلے کوئی اور نہ آسکتا ہو اسے ”اول حقیقی“ اور جس کے بعد کوئی اور نہ آسکتا ہو اسے ”آخر حقیقی“ کہتے ہیں۔

اول و آخر اضافی:

جس سے پہلے کوئی اور آسکتا ہو اسے ”اول اضافی“ کہتے ہیں اور جس کے بعد کوئی اور آسکتا ہو اسے ”آخر اضافی“ کہتے ہیں۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کو ”اول“ اور ”آخر“ کہتے ہیں تو اس سے مراد ”اول حقیقی“ اور ”آخر حقیقی“ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی نہ تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ تھے اور جب کوئی نہیں ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس وقت بھی ہوں گے۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ سَهِيلٍ قَالَ كَانَ أَبُو صَالِحٍ يَأْمُرُنَا إِذَا أَرَادَ أَحَدُنَا أَنْ يَنَامَ أَنْ يَضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ يَقُولُ: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى وَمُنْزِلَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ. وَكَانَ يَرَوِي ذَلِكَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2713

ترجمہ: حضرت سہیل (بن ابو صالح) سے روایت ہے کہ (میرے والد) ابو صالح

ہمیں اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص سونے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ بستر پر دائیں کروٹ لیٹے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے: ”اے اللہ! اے آسمانوں کے رب! زمین کے رب! عرش عظیم کے رب! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب! اے دانوں اور گٹھلیوں کو (پودے اور درخت اگانے کے لیے) چیرنے والی ذات! اے تورات، انجیل اور فرقان (قرآن مجید) کو نازل کرنے والی ذات! میں ہر اس چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تیرے قبضے میں ہے۔ اے اللہ! تو ایسا اول ہے کہ تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی، تو ایسا آخر ہے کہ تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی، تو ایسا ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے اور تو ایسا باطن ہے کہ تیرے پیچھے کوئی چیز نہیں ہے۔ ہماری طرف سے قرض ادا فرما اور تنگدستی سے ہماری حفاظت فرما! اس حدیث کو ابو صالح رحمہ اللہ؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے۔

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو ”اللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ“ کے الفاظ سے پکارا ہے۔

چوتھی بات: اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ قدیم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو قدیم نہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ عدم سے وجود میں آنے کے لیے کسی ایسی چیز کے محتاج تھے کہ وہ چیز ملی تب وجود ملا یا کوئی ایسا مانع موجود تھا کہ جب وہ مانع دور ہوا تب وجود ملا۔ یہ دلیل ہوگی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہونے کی۔ معاذ اللہ - حالانکہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی چیز کے محتاج نہیں بلکہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ الصَّمَدُ (۲)﴾

سورۃ الاخلاص: 2

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بے نیاز ذات ہے۔

علامہ حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ (ت 710ھ) ”صمد“ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَا يَحْتَاجُ إِلَى أَحَدٍ وَيَحْتَاجُ إِلَيْهِ كُلُّ أَحَدٍ.

تفسیر المدارک للامام النسفی: ج 2 ص 842 تحت قوله تعالى: الله الصمد

ترجمہ: صمد وہ ذات ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو بلکہ سارے اس کے محتاج ہوں۔

پانچویں بات: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا جہت اور بلا مکان موجود ہے۔

[۲]: صفات باری تعالیٰ:

صفات کی دو قسمیں ہیں: محکمت اور متشابہات

صفات محکمت وہ صفات ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے۔ مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ اور صفات متشابہات وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

پھر صفات محکمت کی دو قسمیں ہیں: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو۔ یہ صفات سات ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

صفات فعلیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور

ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہو لیکن ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہوتا ہو جیسے اِحیاء، اِمامت، اِهداء، اِضلال، اِعزاز، اِذلال وغیرہ۔

اسی طرح صفات متشابہات کی بھی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات۔ ان صفات متشابہات کو ”متشابہات من کل الوجوہ“ بھی کہتے ہیں۔

دوسری قسم معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے استواء علی العرش، ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ جو کلمات اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ان صفات متشابہات کو ”متشابہات من وجہ“ بھی کہتے ہیں۔

صفات ذاتیہ، صفات فعلیہ اور صفات متشابہات کی مزید تفصیل آگے صفات کی بحث میں آرہی ہے۔

[۳]: اسماء باری تعالیٰ:

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات و صفات میں کیلتا ہے اسی طرح اپنے اسماء میں بھی کیلتا ہے۔

فائدہ: اسماء باری تعالیٰ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَلَايَكَتِهِ

فرشتوں پر ایمان:

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهَا أَجْسَامٌ لَطِيفَةٌ نُورَانِيَّةٌ قَادِرَةٌ عَلَى التَّشَكُّلِ بِأَلْشَّكَالِ.

مرام الکلام فی عقائد الاسلام از مولانا پرہاڑوی: ص 9

ترجمہ: فرشتے نور سے پیدا کی جانے والی ایک لطیف مخلوق ہے جو مختلف شکلوں میں آنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1: فرشتے مرد ہوتے ہیں نہ عورت۔

علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:
وَلَا يُوصَفُونَ بِذُكُورٍ وَلَا أُنُوثَةٍ إِلَّا لَكُمْ يَرُدُّهُ نَقْلٌ.

النبراس فی شرح شرح العقائد: ص 288

ترجمہ: فرشتے نہ مذکر ہوتے ہیں نہ مؤنث کیونکہ قرآن وحدیث میں اس بارے میں کوئی بات منقول نہیں۔

سوال:

اگر فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مؤنث تو پھر جب ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کی طرف مذکر کی ضمیر کیوں لوٹائی جاتی ہے اور ان کے لیے مذکر کے صیغے کیوں استعمال کیے جاتے ہیں؟

جواب:

مذکر کو مؤنث پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس برتری کی وجہ سے فرشتوں کے لیے مذکر کے صیغے اور ضمائر استعمال کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ مولانا عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:
أَمَّا التَّنْذِيرُ فِي الضَّمَايِرِ وَإِسْنَادِ الْأَفْعَالِ فَكَمَا فِي الْأَسْمَاءِ إِلَهِيَّةٍ وَذَلِكَ لِشَرَفِ التَّنْذِيرِ.

النبراس فی شرح شرح العقائد: ص 288

ترجمہ: جہاں تک فرشتوں کے لیے مذکر کی ضمائر استعمال کرنے یا ان کی طرف مذکر

فعل کی نسبت کرنے کا تعلق ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ہوتا ہے (کہ ضمیر مذکر اور نسبت بھی مذکر والے فعل کی لائی جاتی ہے) اور یہ مذکر لانا اس لیے ہوتا ہے کیونکہ مذکر کو (مؤنث پر) فضیلت حاصل ہے۔

فائدہ نمبر 2: اللہ تعالیٰ نے جس کام پر انہیں مقرر فرمایا ہے اسے خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (٦)

سورۃ التحریم: 6

ترجمہ: وہ (فرشتے) اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ انہیں جو حکم دیا جائے اسے بجالاتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: فرشتے کھانے پینے سے پاک ہوتے ہیں۔ اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے:

﴿فَلَمَّا رَأَوْهُمُ آيَدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً﴾

سورۃ صود: 70

ترجمہ: جب انہوں نے (یعنی ابراہیم علیہ السلام نے) دیکھا کہ ان فرشتوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انہوں نے ان (فرشتوں) کو اجنبی جانا اور دل میں خوف محسوس کیا۔

فائدہ نمبر 4: ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں۔

﴿وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ﴾ (١٩٦) يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ (٢٠)

سورۃ الانبیاء: 19، 20

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو لوگ ہیں وہ اللہ ہی کے ہیں اور جو (فرشتے) اس کے

پاس رہتے ہیں وہ اس کی عبادت کرنے سے منہ نہیں موڑتے اور نہ تھکتے ہیں۔ رات اور دن میں اس کی تسبیح کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور اس کام میں سستی نہیں کرتے۔

فائدہ نمبر 5: فرشتوں کی ذمہ داریاں

✽ بعض فرشتے انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے پر مامور رہے۔

﴿يُنْزِلُ الْمَلَكَةُ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾

سورۃ النحل: 2

ترجمہ: وہ (اللہ) فرشتوں کو پیغام (وحی) دے کر اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہے بھیجتا ہے۔

✽ بعض فرشتے اولیاء کی طرف پیغام لاتے ہیں۔

﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَمْرُؤُا إِنَّ اللَّهَ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ﴾

سورۃ آل عمران: 45

ترجمہ: جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! اللہ تجھے اپنی جانب سے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔

✽ بعض فرشتے ارواح قبض کرنے پر مامور ہیں۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ﴾ (۶۱)

سورۃ الانعام: 61

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔

✽ بعض فرشتے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔

﴿إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَكْمُرُونَ﴾ (۲۱)

سورۃ یونس: 21

ترجمہ: بے شک ہمارے فرشتے تمہاری چالوں کو لکھ رہے ہیں۔
 ⚙ بعض فرشتوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دیگر مخلوق کی حفاظت کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔

﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾

سورة الرعد: 11

ترجمہ: ہر آدمی کے لیے آگے بھی اور پیچھے بھی نگران (فرشتے) مقرر کردہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔
 ⚙ بعض فرشتے جنت کے خازن ہیں۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ (۷۳)

سورة الزمر: 73

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (جنتی) وہاں (جنت میں) پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور انہیں جنت کے داروغے کہیں گے: تم پر سلامتی ہو! تم لوگ بہت خوب رہے! اب جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ۔
 ⚙ بعض فرشتے جہنم کے خازن ہیں۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتُحْتِ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ﴾

سورة الزمر: 71

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (جہنمی لوگ) وہاں (جہنم میں) پہنچیں گے تو اس وقت جہنم کے دروازے کھولے جائیں گے اور جہنم کے خازن کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہی میں سے کوئی رسول نہیں آئے تھے؟

☞ بعض فرشتے عرش الہی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾

سورۃ المؤمن: 7

ترجمہ: وہ فرشتے جو عرش اٹھانے والے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اپنے رب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

غرض فرشتوں کے ذمہ مختلف کام ہیں جنہیں وہ سرانجام دیتے ہیں۔

فائدہ نمبر 6: فرشتوں کی تعداد

فرشتوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے ہاں البتہ بعض امور پر متعین خاص فرشتوں کی تعداد قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔

1: آٹھ حاملین عرش

﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَلَاثَةٌ﴾ (۱۷)

سورۃ الحاقة: 17

ترجمہ: آپ کے رب کے عرش کو اس دن (یعنی قیامت کے دن) آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

حاملین عرش کی تعداد اس وقت چار ہے۔ قیامت کے دن ان کے ساتھ چار مزید فرشتے لگا دیے جائیں گے تو یہ تعداد آٹھ ہو جائے گی۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 671ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: "يَحْمِلُهُ الْيَوْمَ أَرْبَعَةٌ وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَمَانِيَةٌ".

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج 2 ص 3140 تحت قوله تعالى وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ سُورَةُ الْحَاقَّةِ: 17
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے عرش کو اس وقت چار فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے اور یہ فرشتے قیامت کے دن آٹھ ہو جائیں گے۔

2: انیس داروغہ جہنم

﴿وَمَا أَذْرَكَ مَا سَقَرُ﴾ (۲۷) لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ (۲۸) لَوْاحَةٌ لِلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

سورة المدثر: 27 تا 30

ترجمہ: آپ کو کیا معلوم کہ سقر (دوزخ) کیا ہے؟ وہ (آگ) نہ کسی کو باقی رہنے دے گی اور نہ کسی کو چھوڑے گی۔ کھال کو جھلسا کے رکھ دے گی۔ اس پر انیس داروغے مقرر ہیں۔

3: دو قبر میں سوال کرنے والے

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:
عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتَّى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، فَيُقَالُ انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ أَبَدَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1338

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ورثاء اسے دفن کر کے واپس جاتے ہیں تو یہ ان کے قدموں کی آواز کو بھی سنتا ہے۔ اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: تم اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ اپنے جہنم والے اس ٹھکانے کو دیکھو! اللہ نے اسے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے۔

ان میں سے ایک کا نام ”مُنْکَر“ اور دوسرے کا نام ”نَکِیْر“ ہے۔

اثبات عذاب القبر للبیہقی: رقم الحدیث 44

فائدہ نمبر 7: مقرب فرشتے

مقرب فرشتے چار ہیں:

1: حضرت جبرائیل علیہ السلام

2: حضرت میکائیل علیہ السلام

3: حضرت اسرافیل علیہ السلام

4: حضرت عزرائیل (ملک الموت) علیہ السلام

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ

(ت 911ھ) ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أُمِّي الْخَلْقِ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي، فَنَجَاءَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: يَا جِبْرِيلُ! أُمِّي الْخَلْقِ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي فَعَرَّجَ جِبْرِيلُ ثُمَّ هَبَّ فَقَالَ: أَكْرَمُ الْخَلْقِ عَلَى اللَّهِ جِبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَإِسْرَافِيلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ فَأَمَّا جِبْرِيلُ فَصَاحِبُ

الْحَزْبِ وَصَاحِبِ الْمُرْسَلِينَ وَأَمَّا مِيكَائِيلُ فَصَاحِبُ كُلِّ قَطْرَةٍ تَسْقُطُ وَكُلِّ
وَرَقَةٍ تَنْبُتُ وَكُلِّ وَرَقَةٍ تَسْقُطُ وَأَمَّا مَلَكُ الْمَوْتِ فَهُوَ مُوَكَّلٌ بِقَبْضِ كُلِّ رُوحٍ
عَبْدٍ فِي بَرٍّ أَوْ بَحْرٍ وَأَمَّا إِسْرَافِيلُ فَأَمِينُ اللَّهِ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ.

تفسیر الدر المنثور: ج 1 ص 492 تحت قولہ تعالیٰ ”قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيلِ“ سورة البقرة: 97

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے کون زیادہ پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اے جبرئیل! اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے کون زیادہ پسند ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان کی طرف چلے گئے اور پھر واپس تشریف لائے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے سب سے محبوب جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ جبرئیل عذاب پنا کرنے والا اور انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے والا ہے۔ میکائیل بارش لانے، ہر پتے کو اگانے اور ہر پتے کو گرانے والا ہے۔ ملک الموت ہر ذی روح کی روح کو قبض کرنے والا ہے اور اسرافیل اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان امین ہے۔

فائدہ نمبر 8: فرشتوں کے سردار

فرشتوں کے سردار اور ان میں افضل حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾

سورة المعارج: 4

ترجمہ: فرشتے اور روح (حضرت جبرائیل علیہ السلام) اس کی طرف ایک ایسے دن

میں چڑھ جاتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

علامہ سید ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی رحمہ اللہ
(ت 1270ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أَيُّ جَبْرِئِلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْجُمْهُورُ أَفَرَدًا بِاللَّيْلِ كَرِ لَتَمَّيُّرِهِ
وَفَضْلِهِ بِنَاءً عَلَى الْمَشْهُورِ مِنْ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَفْضَلُ الْمَلَائِكَةِ.

روح المعانی: ج 29 ص 56

ترجمہ: "تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ" اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبرئیل
علیہ السلام ہیں جیسا کہ جمہور کا موقف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں
سے الگ کر کے ذکر کیا ہے ایک تو ان کے خاص امتیاز کی وجہ سے اور دوسرا اس مشہور
موقف کی بنا پر کہ جبرئیل علیہ السلام تمام ملائکہ سے افضل ہیں۔

فائدہ نمبر 9: ارواح کو قبض کرنے والے فرشتے ملک الموت ہیں۔ کسی مرفوع
حدیث میں ملک الموت کا نام ”عزرائیل“ نہیں آیا البتہ بعض آثار میں ان کا نام
”عزرائیل“ منقول ہے۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی
شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَلَكُ الْمَوْتِ فَلَيْسَ بِمُخَصَّرٍ بِاسْمِهِ فِي الْقُرْآنِ وَلَا فِي الْأَحَادِيثِ
الصَّحِيحَةِ وَقَدْ جَاءَ تَسْمِيَّتُهُ فِي بَعْضِ الْأَثَارِ بِعَزْرَائِيلَ.

الہدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج 1 ص 106

ترجمہ: ملک الموت کا صراحت سے نام نہ تو قرآن مجید میں آیا ہے اور نہ ہی احادیث
صحیحہ میں ہے۔ ہاں البتہ بعض آثار میں ان کا نام ”عزرائیل“ منقول ہے۔
درج ذیل آثار میں ملک الموت کا نام ”عزرائیل“ منقول ہے:

1: امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الانصاری رحمہ اللہ (396ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنْبِهٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ: يَقُولُ عَزَّ وَجَلَّ: هَاتِ مَا وَكَلْتُكَ بِهِ يَا عِزْرَائِيلُ. فَيَقُولُ: نَعَمْ يَا رَبِّ قَبِضْتُ رُوحَ كَذَا وَكَذَا إِنْسِيٍّ وَكَذَا وَكَذَا جُنِّيٍّ، وَكَذَا وَكَذَا شَيْطَانٍ وَكَذَا وَكَذَا غَرِيقٍ، وَكَذَا وَكَذَا حَرِيقٍ، وَكَذَا وَكَذَا كَافِرٍ، وَكَذَا وَكَذَا شَهِيدٍ وَكَذَا وَكَذَا هَدِيدٍ وَكَذَا وَكَذَا لَدِيعٍ وَكَذَا وَكَذَا فِي سَهْلٍ، وَكَذَا وَكَذَا فِي جَبَلٍ، وَكَذَا وَكَذَا طَبْرٍ، وَكَذَا وَكَذَا هَوَاءٍ، وَكَذَا وَكَذَا وَحْشٍ فَذَلِكَ كَذَا، وَكَذَا جُمْلَتُهُ كَذَا وَكَذَا.

کتاب العظمتہ للابی الشیخ الاصبہانی: ج 3 ص 847

ترجمہ: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ (معروف تابعی، ایک طویل روایت نقل کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے عزرائیل! میں نے جس کام پر تم کو مقرر کیا ہے وہ میرے پاس لاؤ (یعنی جو تم نے سرانجام دیا ہے اس کی کارروائی لاؤ!) عزرائیل کہتے ہیں: جی میرے رب! میں اتنے انسانوں، اتنے جنات، اتنے شیاطین، اتنے غرق ہونے والوں، اتنے جلنے والوں، اتنے کافروں، اتنے شہیدوں، اتنے دب کر مرنے والوں، اتنے ڈسے جانے والوں، اتنے میدانوں میں مرنے والوں، اتنے پہاڑوں پر مرنے والوں، اتنے پرندوں، اتنے حشرات، اتنے وحشی جانوروں کی ارواح کو قبض کر لایا ہوں۔

2: امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الانصاری رحمہ اللہ (396ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَشْعَثَ قَالَ: "سَأَلَ إِبْرَاهِيمُ صَلَّى اللَّهُ عَلَى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا مَلَكَ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاسْمُهُ عِزْرَائِيلُ، وَلَهُ عَيْنَانِ عَيْنٌ فِي وَجْهِهِ

وَعَيْنِي فِي قَفَاهُ، فَقَالَ: يَا مَلَكَ الْمَوْتِ! مَا تَصْنَعُ إِذَا كَانَتْ نَفْسٌ بِالْمَشْرِقِ وَنَفْسٌ بِالْمَغْرِبِ، وَوَقَعَ الْوَبَاءُ بِأَرْضٍ، وَالتَّقَى الرَّحْفَانِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ: أَدْعُو الْأَرْوَاحَ بِأَذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَتَكُونُ بَيْنَ أَصْبُعَيَّ هَاتَيْنِ. قَالَ: وَدُحِيتَ لَهُ الْأَرْضُ فَتَرَكْتَ مِثْلَ الطَّسْتِ يَتَنَاوَلُ مِنْهَا حَيْثُ شَاءَ. قَالَ: وَهُوَ الَّذِي بَشَّرَهُ بِأَنَّهُ خَلِيلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ "

کتاب العظمتہ لابی الشیخ الاصبہانی: ج 3 ص 908

ترجمہ: حضرت اشعث (بن اسلم تبع تابعی رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم صلی اللہ علی نبینا وعلیہ وسلم نے ایک بار ملک الموت علیہ السلام سے پوچھا جن کا نام عزرائیل ہے اور ان کی دو آنکھیں ہیں، ایک آنکھ سر میں اور ایک آنکھ گدی میں، انہوں نے پوچھا کہ اے ملک الموت! ایک شخص مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں ہو اور پوری زمین میں باپھیل جائے اور لوگ دھڑا دھڑا مرنے لگیں تو اس وقت تم کیا کرتے ہو؟ ملک الموت نے جواب دیا: میں ارواح کو اللہ عز و جل کے حکم سے بلاتا ہوں اور وہ میری ان دو انگلیوں کے درمیان آ جاتی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ملک الموت کے لیے زمین سیڑ دی جاتی ہے اور وہ ایک تھال کی طرح بن جاتی ہے جس میں سے ملک الموت جہاں سے چاہتے ہیں ارواح قبض کر لیتے ہیں۔ یہی (حضرت ابراہیم علیہ السلام) وہ شخصیت ہیں جنہیں اللہ عز و جل نے ”خلیل اللہ“ ہونے کی نوید سنائی ہے۔

فائدہ نمبر 10: انسانوں اور فرشتوں میں باہمی فضیلت

اکابرین و اسلاف کی عبارات کے پیش نظر درج ذیل موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔

[1]: انبیاء و رسل علیہم السلام مقربین ملائکہ یعنی جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، ملک الموت، حاملین عرش وغیرہ سے افضل ہیں۔

[2]: مقربین ملائکہ؛ دیگر ملائکہ اور خواص بشر؛ اولیاء، اتقیاء، صلحاء سے افضل ہیں۔

[3]: خواص بشر؛ عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

[4]: عام ملائکہ؛ عام انسانوں سے افضل ہیں۔

یہ موقف اکابرین کی ان عبارات سے مستفاد ہے۔

✽ علامہ محمد علی بن محمد بن علان بن ابراہیم البکری الصدیقی الشافعی رحمہ اللہ
(ت 1057ھ) لکھتے ہیں:

وَمَعْلَى تَفْضِيلِ الْبَشَرِ عَلَيْهِمْ أَنَّ خَوَاصَّهُمْ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ أَفْضَلُ
مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ وَهُمْ جِبْرِيلُ وَإِسْرَافِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَعِزْرَائِيلُ وَحَمَلَةُ
الْعَرْشِ وَالْمُقَرَّبُونَ وَالْكَرُوبِيُّونَ وَالرُّوحَانِيُّونَ، وَخَوَاصَّهُمْ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ
الْبَشَرِ أَجْمَاعًا بَلْ ضَرُورَةً، وَعَوَامُّ الْبَشَرِ وَهُمْ الصُّلَحَاءُ دُونَ الْفُسَّاقَةِ - كَمَا قَالَ
الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُ - أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّهِمْ.

دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین: ج 1 ص 25

ترجمہ: بشر کے فرشتوں پر افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خواص بشر یعنی انبیاء؛
خواص ملائکہ یعنی جبرئیل، اسرافیل، میکائیل، عزرائیل، حاملین عرش، مقربین،
کروبیون اور روحانیون فرشتوں سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ عام بشر سے بالاجماع
بلکہ ضرورۃً (بداہت) افضل ہیں (خواص ملائکہ کو وہ کام سونپے گئے ہیں جو عام بشر کو نہیں
سونپے گئے، اس دلیل کے پیش نظر خواص ملائکہ کی عام بشر پر افضلیت لازم ہے۔ یہی
ضرورت اور بداہت ہے) اور عام بشر جو بقول امام بیہقی وغیرہ نیک صالح لوگ ہیں نہ کہ
فاسق و فاجر لوگ، یہ عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

فائدہ: کروبیون اور روحانیون فرشتے

کروبیون: یہ وہ فرشتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عرش کے آس پاس کے لیے
مقرر فرمایا ہے۔ یہ فرشتے حاملین عرش کے ساتھ مل کر باری تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان

کرتے رہتے ہیں۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

الْكُرُوبِيُّونَ الَّذِينَ هُمْ حَوْلَ الْعَرْشِ وَهُمْ أَشْرَفُ الْمَلَائِكَةِ مَعَ حَمَلَةِ الْعَرْشِ.

البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج 1 ص 54 باب ذکر خلق الملائکۃ وصفاتهم

ترجمہ: کروبیون وہ فرشتے ہیں جو عرش کے ارد گرد ہوتے ہیں۔ یہ فرشتے اور حاملین عرش؛ معزز فرشتے شمار ہوتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ آیت ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يُخْبِرُ تَعَالَى عَنِ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ مِنْ حَمَلَةِ الْعَرْشِ الْأَرْبَعَةِ، وَمَنْ حَوْلَهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ الْكُرُوبِيِّينَ، بِأَنَّهُمْ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ.

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 5 ص 437 تفسیر سورۃ غافر آیت نمبر 7

ترجمہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ مقرب فرشتوں یعنی حاملین عرش اور عرش کے ارد گرد رہنے والے کروبیون فرشتوں کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ یہ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔

روحانیون فرشتے: یہ وہ فرشتے ہیں جو ساتویں آسمان کے ایک مقدس مقام ”حَظِيرَةُ الْقُدُس“ میں رہتے ہیں۔ لیلیۃ القدر میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے زمین کا رخ کرتے ہیں اور اس رات مساجد اور راستوں میں ملنے والے افراد کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کی دعا کی وجہ سے ان لوگوں کو برکات سے نوازتے ہیں۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ

(ت 911ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ حَظِيرَةً يُقَالُ: لَهَا حَظِيرَةُ الْقُدُسِ، فِيهَا مَلَائِكَةٌ يُقَالُ لَهُمْ "الرُّوحَانِيُّونَ" فَإِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ اسْتَأْذَنُوا رَبَّهُمْ فِي التَّزْوِيلِ إِلَى الدُّنْيَا، فَيَأْذَنُ لَهُمْ فَلَا يَمُرُّونَ عَلَى مَسْجِدٍ يُصَلِّي فِيهِ، وَلَا يَسْتَقْبِلُونَ أَحَدًا فِي طَرِيقٍ إِلَّا دَعَا لَهُ فَأَصَابَهُ مِنْهُمْ بَرَكَهٌ."

الحجراتک فی اخبار الملائک للسیوطی: ص 133 باب ماجاء فی الروحانیین علیہم السلام ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ساتویں آسمان میں ایک احاطہ (مثل چار دیواری) ہے جسے "حظیرۃ القدس" کہتے ہیں۔ اس میں جو فرشتے رہتے ہیں انہیں "روحانیون" کہتے ہیں۔ جب لیلۃ القدر آتی ہے تو یہ فرشتے (روحانیون) اپنے رب سے زمین پر جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجازت عطا فرمادیتے ہیں تو یہ فرشتے (زمین پر آکر) جس مسجد سے گزرتے ہیں یا راستے میں جس شخص کو پاتے ہیں تو اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کی دعا کی وجہ سے اس شخص کو برکت عطا فرماتے ہیں۔

✽ شیخ علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1138ھ) فرماتے ہیں:

وَهَذَا مُوَافِقٌ لِمَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنْ أَنَّ خَوَاصَّ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ وَعَوَامُّ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْمَلَائِكَةِ. قَالُوا: الْمَرَادُ بِالْعَوَامِّ: الْأَوْلِيَاءُ الْأَتْقِيَاءُ وَالصُّلَحَاءُ.

شرح سنن ابن ماجہ: جزء 7 ص 317 تحت رقم الحدیث 3947

ترجمہ: یہ بات اہل السنۃ کے مذہب کے موافق ہے کہ خواص بشر خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اہل السنۃ کا کہنا ہے کہ عوام بشر سے مراد اولیاء، اتقیاء اور صلحاء ہیں۔

☆ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الحسنی الفاسی رحمہ اللہ (ت 1224ھ) لکھتے ہیں:

وَالْتَّحْقِيقُ فِي الْمَسْأَلَةِ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ وَالرُّسُلَ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ كَالْمُقَرَّبِينَ، وَخَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ - وَهُمْ الْمُقَرَّبُونَ - أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْبَشَرِ كَالْأَوْلِيَاءِ، وَخَوَاصِّ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِ الْمَلَائِكَةِ، وَعَوَامِّ الْمَلَائِكَةِ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْبَشَرِ.

تفسیر البحر الممدید: ج 1 ص 598 تحت قولہ لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ اَنْ

يَكُونُ عَبْدًا لِلّٰهِ سورة النساء: 172

ترجمہ: اس مسئلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ انبیاء و رسل؛ خواص ملائکہ یعنی مقرب فرشتوں سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ خواص بشر مثلاً اولیاء اللہ سے افضل ہیں اور خواص بشر عام ملائکہ سے افضل ہیں اور عام فرشتے عام بشر سے افضل ہیں۔

سوال:

”دلیل الفالحین“ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے خواص بشر؛ خواص ملائکہ سے افضل ہیں جبکہ ”تفسیر البحر الممدید“ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواص ملائکہ؛ خواص بشر سے افضل ہیں۔ دونوں عبارتوں میں تعارض ہے۔

جواب:

دلیل الفالحین کی عبارت میں خواص بشر سے مراد انبیاء علیہم السلام اور خواص ملائکہ سے مراد جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل وغیرہ ہیں جبکہ تفسیر البحر الممدید کی عبارت میں خواص ملائکہ سے مراد مقرب فرشتے (جبرئیل، میکائیل وغیرہ) اور خواص بشر سے مراد اولیاء ہیں۔ لہذا دونوں عبارتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

☆ علامہ ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1270ھ)

احناف، اکثر شوافع اور اشاعره کا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ الرُّسُلَ مِنَ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مُطْلَقاً ثُمَّ الرُّسُلُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ مِنَ الْبَشَرِ وَالْمَلَائِكَةِ ثُمَّ عُمُوهُ الْمَلَائِكَةِ عَلَى عُمُوهِ الْبَشَرِ وَهَذَا مَا عَلَيْهِ أَصْحَابُ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ وَكَثِيرٌ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ وَالْأَشْعَرِيَّةِ.

روح المعانی: ج 15 ص 120 تحت قولہ تعالیٰ ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“ سورة الاسراء: 70

ترجمہ: رسل بشر علی الاطلاق افضل ہیں، پھر رسل ملائکہ انبیاء کے ماسوا باقی بشر اور دیگر فرشتوں سے افضل ہیں، پھر عام ملائکہ عام بشر سے افضل ہیں۔ یہ موقف اصحاب ابی حنیفہ علیہ الرحمۃ، اکثر شوافع اور اشاعرہ کا ہے۔

فائدہ: اس عبارت ”ثُمَّ عُمُوهُ الْمَلَائِكَةِ عَلَى عُمُوهِ الْبَشَرِ“ میں عوام بشر سے مراد فساق ہیں۔

✽ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (ت 1369ھ) فرماتے ہیں:

”حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ رسل بشر، رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم“

تفسیر عثمانی: ج 1 ص 889 تحت قولہ تعالیٰ ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“ سورة الاسراء: 70

فائدہ: اس عبارت میں بھی ”عام آدمیوں“ سے مراد ”فساق بشر“ ہیں۔

قَوْلُهُ: وَكُتِبَہ

آسمانی کتب پر ایمان:

فائدہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی ہدایت کے لیے مختلف زمانوں میں

اپنے نبیوں کو کتب اور صحائف عطا فرمائے۔ جس زمانے میں جس نبی پر جو کتاب نازل ہوتی رہی وہ برحق اور سچی تھی۔

فائدہ نمبر 2: قیمت تک کے لیے واجب الاتباع اور نجات کا مدار صرف قرآن مجید ہے۔ باقی تمام کتب منسوخ ہو چکی ہیں۔

فائدہ نمبر 3: تمام آسمانی کتب پر ایمان لانے کا معنی ہے کہ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ کتب اپنے اپنے دور میں برحق اور صحیح تھیں۔ انہیں برحق ماننے کا مطلب ان پر عمل کرنا نہیں۔ اپنے اپنے زمانے میں انہیں سچا سمجھنا الگ بات ہے اور ان پر عمل کرنا بالکل دوسری بات ہے۔

فائدہ نمبر 4: انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتب اور صحائف کی تعداد ایک سو چار منقول ہے۔ ان میں چار کتب، تورات، انجیل، زبور اور قرآن نازل ہوئیں اور باقی ایک سو صحیفے نازل ہوئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس، حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول سے قبل دس صحائف نازل ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَمْ كِتَابًا أَنْزَلَ اللَّهُ؟ قَالَ: مِائَةٌ كِتَابٍ، وَأَرْبَعَةٌ كُتِبَ، أَنْزَلَ عَلَى شِيثٍ خَمْسُونَ صَحِيفَةً، وَأَنْزَلَ عَلَى آخُنُوخَ ثَلَاثُونَ صَحِيفَةً، وَأَنْزَلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَشْرَ صَحَائِفَ، وَأَنْزَلَ عَلَى مُوسَى قَبْلَ التَّوْرَةِ عَشْرَ صَحَائِفَ، وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالزَّبُورَ وَالْقُرْآنَ."

صحیح ابن حبان: رقم الحدیث 361

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتب نازل فرمائیں؟ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ایک سو صحیفے اور چار کتابیں نازل فرمائیں۔ حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے، حضرت اَحْنُوخ علیہ السلام (یعنی حضرت ادریس علیہ السلام) پر تیس صحیفے، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول سے قبل دس صحائف نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے کتب میں تورات، انجیل، زبور اور قرآن کو نازل فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث مبارک میں اَحْنُوخ سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔

علامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر شیرازی البیضاوی رحمہ اللہ (ت 685ھ) سورۃ مریم کی آیت نمبر 56 ﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِذْ رِيسٌ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِذْ رِيسٌ﴾ وَهُوَ سَبْطُ شَيْثٍ وَجَدْنِي نُوحٌ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَاسْمُهُ اَحْنُوخُ.

التفسیر البیضاوی: ج 1 ص 22

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کتاب میں ادریس کا تذکرہ کیجیے۔ حضرت ادریس؛ حضرت شیث کے پوتے اور حضرت نوح کے والد کے دادا ہیں۔ ان کا نام اخنوخ ہے۔
قَوْلُهُ: وَرُسُلُهُ

رسولوں پر ایمان:

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام ہدایت دنیا میں بھیجنے کے لیے انسانوں میں سے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہستیوں کا انتخاب فرمایا۔ یہ منتخب شخصیات اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی اپنی امت کو پہنچاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانے والے اس واسطے کا نام ”نبوت“ ہے۔ سلسلہ نبوت کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔

فائدہ نمبر 1: نبی کی تعریف

إِنْسَانٌ مَّبْعُوثٌ مِّنَ اللَّهِ مَعْصُومٌ عَنِ الْخَطَا مَفْرُوضٌ الْإِتِّبَاعِ.

ترجمہ: نبی اس انسان کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا ہو، خطا سے معصوم ہو اور اس کی پیروی کرنا فرض ہو۔

تنقیحات متکلم اسلام

اس تعریف میں مذکور چند الفاظ کو سمجھ لینا ضروری ہے:

(1): انسان

انسان اس کو کہتے ہیں جو ذو عقل ہو اور محسوس ہو۔

شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمہ اللہ (ت 1230ھ) ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلٰصَالٍ مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُونٍ﴾ (سورۃ الحجر: 28) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”بشر وہ جو بدن رکھے کہ ہاتھ سے پکڑا جاوے اور روح رکھے ہوشیار۔ اگلے مخلوقات یا حیوان تھے جن کو ہوش نہیں، یا فرشتے یا جن تھے جن کا بدن نہ پکڑا جاوے“

موضح القرآن از شاہ عبد القادر محدث دہلوی: ص 341

اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان وہ ہوتا ہے جو ذو عقل اور محسوس ہو۔

ذو عقل کی دو قسمیں ہیں: 1: کامل 2: ناقص - ذو عقل کامل ”مرد“ اور ناقص ”عورت“ ہے۔

نبی کے لیے ”انسان کامل“ ہونا ضروری ہے یعنی انسان ہو اور انسان بھی مرد ہو۔

اس لیے عورت نبی نہیں بن سکتی کیونکہ عورت ناقص العقل اور ناقص دین ہوتی ہے۔
امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَضْحَىٰ أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمِصْلَى فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ: "يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيْتُكُمْ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ" فَقُلْنَ: وَيَمَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلْبَطْلِ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ". قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟" قُلْنَ: بَلَى! قَالَ: "فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تُصُمْ؟" قُلْنَ: بَلَى! قَالَ: "فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 304

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحی یا عید الفطر کے لیے عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمانے لگے: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کیا کرو، مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہوگی۔ عورتیں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! وہ کیوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تم گالی گلوچ بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے دین اور عقل میں تم سے زیادہ ایسا ناقص کوئی نہیں دیکھا جو ایک اچھے بھلے شخص کی عقل کو خراب کر دے۔ عورتیں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل میں نقص کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی نصف گواہی کے برابر نہیں؟ کہنے لگیں: کیوں نہیں؟ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یہ اس کی عقل کا نقصان ہے اور جب کسی عورت کو ایام آجائیں تو کیا وہ نماز اور روزہ نہیں چھوڑتی؟ عورتیں کہنے لگیں: کیوں نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی اس عورت کے دین کا نقصان ہے۔

(2): مبعوث من اللہ

کوئی انسان اپنی عبادت و ریاضت اور اعمال سے نبی نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب سے نبی بنتا ہے۔ نبوت وہی ہے نہ کہ کسی، یہ سلیکشن سے ملتی ہے نہ کہ الیکشن سے۔ ”الیکشن“ کہتے ہیں جسے لوگ چنیں اور ”سلیکشن“ کہتے ہیں جسے حکومت چنے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُنْزِلُ الْمَلَكَةُ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾

سورۃ النحل: 2

ترجمہ: وہ اس وحی کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کے ذریعے نازل فرما دیتا ہے۔

(3): معصوم عن الخطا

”معصوم“ یہ مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ”بچایا ہوا“ ہم یہ نہیں کہتے کہ نبی گناہوں سے خود بچتا ہے بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

نوٹ: عصمت انبیاء علیہم السلام پر دلائل آگے آرہے ہیں۔ ان شاء اللہ

(4): مفروض الاتباع

لفظ ”اتِّبَاع“ یہ ”تَبِيعَةً“ سے ہے اور ”تَبِيعَةً“ جانور کے اس بچے کو کہتے

ہیں جو ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ ماں کدھر جاتی ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ ماں کیوں جاتی ہے؟ نبوت کی اتباع بھی یوں کی جائے کہ ہر حکم کو من و عن تسلیم کر کے عمل کیا جائے، سمجھ میں آئے تب بھی مانیں اور سمجھ میں نہ آئے تب بھی مانیں۔ نبوت کی بات کو عقل پر نہیں پرکھا جائے گا بلکہ عقل کو چھوڑ کر نبوت کی بات کو ترجیح دی جائے گی۔

فائدہ نمبر 1: نبی و رسول میں فرق

مولانا عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ (ت 1239) لکھتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ: مَنْ جَاءَ بِشَرِّهِ جَدِيدٍ وَالنَّبِيُّ: مَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 54، 282

ترجمہ: جو نئی شریعت لائے وہ رسول ہے اور جو نئی شریعت نہ لائے وہ نبی ہے۔

فائدہ نمبر 2: تعداد انبیاء و رسل علیہم السلام

امام ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب التبریزی رحمہ اللہ (ت بعد

740ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي أَمَامَةَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَمْ وَفَاءَ عِدَّةِ الْأَنْبِيَاءِ؟ قَالَ: مِائَةُ أَلْفٍ وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ أَلْفًا، أَلْرُّسُلُ مِنْ ذَلِكَ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَخَمْسَةِ عَشَرَ جَمًّا غَفِيرًا.

مشکوٰۃ المصابیح: ص 511 باب بدء الخلق وذكر الانبياء

ترجمہ: حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ! انبیاء کی پوری تعداد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں سے رسولوں کی

تعداد تین سو پندرہ ہے جو کہ ایک بہت بڑی تعداد ہے۔

وضاحت:

انبیاء علیہم السلام کی تعداد کو بیان کرتے ہوئے عدد کو حتمی طور پر ذکر نہ کیا جائے بلکہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے یوں کہا جائے: ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش۔

اس کی وجوہات یہ ہیں:

1: جن روایات میں انبیاء علیہم السلام کی تعداد کا ذکر ہے ان روایات پر کلام ہے۔

2: یہ روایات؛ اخبارِ آحاد ہیں۔ اگر انہیں صحیح بھی مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ظن کا فائدہ دیں گی جبکہ اعتقاد کے باب میں قطعیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

3: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ (۱۶۴)

سورۃ النساء: 164

ترجمہ: اور ہم نے کئی ایسے رسول بھیجے جن کے واقعات ہم نے آپ کو پہلے سنا دیے ہیں اور کئی رسول ایسے ہیں جن کے قصے ہم نے آپ کو نہیں سنائے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست باتیں کیں۔

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کے احوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے ہیں اور بعض کے احوال آپ کو نہیں بتائے، اگر ہم یقین کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی تعداد بیان کریں تو اس میں خطرہ ہے کہ کسی غیر نبی کو اللہ کا نبی قرار دیا جائے یا کسی نبی کو انبیاء کی فہرست سے نکال دیا جائے۔

فائدہ نمبر 3: نبی کی ذات بشر، صفت نور

نبی اپنی ذات کے اعتبار سے بشر اور انسان ہوتے ہیں اور اپنی صفت کے لحاظ سے نور ہوتے ہیں۔ جن آیات اور احادیث میں انبیاء علیہم السلام کو ”بشر“ فرمایا گیا وہاں مراد ذات نبوت ہے اور جہاں ”نور“ فرمایا گیا وہاں مراد صفت نبوت ہے۔

1: ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (۹۳)﴾

سورۃ بنی اسرائیل: 93

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے، میں تو ایک بشر ہوں جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

2: ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰى اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

سورۃ الکہف: 110

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں، مجھ پر یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

3: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اُنْسٰى كَمَا تَنْسُوْنَ فَاِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُوْنِیْ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 401

ترجمہ: بے شک میں بشر ہوں، میں بھی بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو۔ اس لیے جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلادیا کرو!

4: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتُخَذُ عِنْدَکَ عَهْدًا لَّنْ تُخْلِفِیْہِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاُفِّیْ الْمُؤْمِنِیْنَ اَدِیَّتْہُ شَتْمُہُ لَعْنَتُہُ جَلْدَتُہُ فَاَجْعَلْہَا لَہُ صَلَاةً وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُہُ بِہَا اِلَیْکَ یَوْمَ

الْقِيَامَةُ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2601

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں آپ سے عہد کرتا ہوں (امید ہے کہ) آپ اس عہد کے خلاف نہیں کریں گے۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک بشر ہوں۔ جس مومن کو میں کوئی تکلیف دوں، برا بھلا کہوں، لعنت کروں یا سزا دوں تو اسے اس کے لیے رحمت اور پاکیزگی بنا دیجیے اور ایسی قربت کا ذریعہ بنا دیجیے جس کے باعث وہ قیامت کے دن آپ کا مقرب بن جائے۔

5: ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ (۱۵)

سورۃ المائدہ: 15

ترجمہ: تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔

6: ﴿وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا﴾ (۴۶)

سورۃ الاحزاب: 46

ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے حکم سے اسی کی طرف بلانے والے اور روشن کرنے والے آفتاب ہیں۔

فائدہ:

تقریر بالا ”نبی کی ذات بشر اور صفت نور ہے“ سے ان آیات و احادیث جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا ذکر ہے اور جن میں نور ہونے کا ذکر ہے دونوں میں تطبیق ہو جاتی ہے، نہ آیات بشریت؛ آیات نور کے خلاف ہوتی ہیں نہ آیات نور؛ آیات بشریت کے خلاف ہوتی ہیں، دونوں میں تعارض باقی نہیں رہتا۔

فائدہ نمبر 4: خدائی اختیارات و صفات نبی کے لیے ثابت نہیں

نبی کے لیے خدائی اختیارات اور صفاتِ خاصہ ثابت کرنا جائز نہیں جیسے علم غیب، حاضر ناظر، مختار کل وغیرہ۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

صفتِ علم الغیب:

عالم الغیب ہونا خدائی صفت ہے، نبی کے لیے ثابت نہیں۔

1: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾

سورۃ الانعام: 59

ترجمہ: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ... مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُولُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7380

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے تو وہ شخص جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ اللہ کے علاوہ غیب کوئی نہیں جانتا۔

صفتِ حاضر ناظر:

حاضر ناظر ہونا خدائی صفت ہے، نبی کے لیے ثابت نہیں۔

1: ﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيُّبَاتُؤُلُوا فَتَنَّمَّ وَجْهَ اللَّهِ﴾

سورۃ البقرۃ: 115

ترجمہ: اور مشرق و مغرب، سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ تو تم جس طرف بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

2: امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ أَفْضَلَ الْإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ."

المعجم الاوسط للطبرانی: ج 6 ص 287 رقم الحديث 8796

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل ایمان یہ ہے کہ آپ یہ یقین بنالیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ساتھ ہے چاہے آپ جہاں کہیں بھی ہوں۔

صفت مختارِ کل:

مختار کل ہونا خدائی صفت ہے، نبی کے لیے ثابت نہیں۔

1: ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾

سورۃ یونس: 49

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے میں تو خود اپنی ذات کو بھی نہ کوئی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں نہ فائدہ پہنچانے کا، سب کچھ اللہ کی چاہت پر موقوف ہے۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) اور امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) رحمہما اللہ روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَاهُ رِيَّةَ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اسْتَرَوْا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي

عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَأْتِي عَبْدَ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِيلِي مَا شَدَّتْ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 4771، صحیح مسلم: رقم الحدیث 206

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب آیت مبارکہ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرائیے] نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے خاندانِ قریش! - یا اس قسم کا کوئی جملہ ارشاد فرمایا - اپنے آپ کو (توحید و رسالت کا اقرار کر کے جہنم کے عذاب سے) بچا لو! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے خاندان بنو عبد مناف! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے میری پھوپھی صفیہ! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے میری بیٹی فاطمہ! جس چیز کا میں مالک ہوں (مالی، ضروریاتِ زندگی وغیرہ) وہ تو مجھ سے مانگ لو لیکن میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا!

فائدہ نمبر 5: نبی اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

”نبی“ اسے کہتے ہیں جس کا کلمہ امت پڑھے اور ”نبی الانبیاء“ اسے کہتے ہیں جس کا کلمہ امت بھی پڑھے اور انبیاء علیہم السلام بھی پڑھیں۔ باقی انبیاء علیہم السلام صرف ”نبی“ ہیں جبکہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی ہیں اور نبی الانبیاء بھی۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾

سورۃ آل عمران: 81

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ہوگی۔

گزشتہ انبیاء علیہم السلام سے میثاق لیتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے پر مامور ہیں۔

فائدہ نمبر 6: امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہے اور ”امام الانبیاء“ کے لقب سے سرفراز ہوئے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کی طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثُمَّ دَخَلْتُ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَجُمِعَ لِي الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَقَدَّمَنِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَهَمَّهُمْ.

سنن النسائی: رقم الحدیث 451

ترجمہ: پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا تو تمام انبیاء علیہم السلام کو میرے لیے جمع کیا گیا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آگے (مصلے پر) کھڑا کر دیا تو میں

نے ان کو نماز پڑھائی۔

حافظ ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلَمْ أَلْبَسْ إِلَّا يَسِيدًا حَتَّى اجْتَمَعَ نَاسٌ كَثِيرٌ، ثُمَّ أَدْنَى مُؤَذِّنٌ وَأُقْبِسَتْ الصَّلَاةُ. قَالَ: فَقُمْنَا صُفُوفًا نَنْتَظِرُ مَنْ يُؤْمِنَا، فَأَخَذَ بِيَدِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَدَّ مَنِي فَصَلَّيْتُ بِهِمْ. فَلَمَّا انْصَرَفْتُ قَالَ جِبْرِيلُ: يَا مُحَمَّدُ أَتَدْرِي مَنْ صَلَّى خَلْفَكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا. قَالَ: صَلَّى خَلْفَكَ كُلُّ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ.

تفسیر ابن کثیر: ج 5 ص 13 تحت قولہ ”سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ“ سورة الاسراء رقم الآیہ 1 ترجمہ: مجھے بیت المقدس میں کچھ دیر ہی گزری تھی کہ وہاں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ مؤذن نے اذان دی اور نماز کی اقامت کہی گئی۔ ہم صف میں کھڑے ہو گئے، اس انتظار میں تھے کہ کون نماز پڑھائے گا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے (مصلے پر) کھڑا کر دیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: اے محمد! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز ادا کی ہے جسے اللہ عزوجل نے مبعوث فرمایا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جو نماز پڑھی تھی وہ اجسام اور ارواح دونوں کے مجموعے کے ساتھ پڑھی تھی۔

چنانچہ ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

فَإِنَّ حَقِيقَةَ الصَّلَاةِ وَهِيَ الْإِثْبَانُ بِالْأَفْعَالِ الْمُخْتَلِفَةِ إِمَّا تَكُونُ لِلْأَشْبَاحِ لَا لِلْأَرْوَاحِ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 10 ص 571 باب فی المعراج

ترجمہ: نماز کی حقیقت اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجسام ہی کا کام ہو سکتا ہے نہ کہ صرف ارواح کا۔

فائدہ نمبر 7: افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ”افضل الانبیاء“ ہیں۔
علمائے امت کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی رحمہ اللہ (ت 606ھ) فرماتے ہیں:

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْأَنْبِيَاءِ.

التفسیر الکبیر ج 6 ص 212 تحت قوله تعالى تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ سورة البقرة: 253

ترجمہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ.

الجامع لاحکام القرآن ج 2 ص 1810 تحت قوله تعالى ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

حَنِيفًا سورة النحل: 123

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

3: علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف ”علامہ الخازن“ رحمہ اللہ (ت 741ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ.

تفسیر الخازن ج 2 ص 157 تحت قوله تعالى أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ أُمُورَهُمْ

الانعام: 90

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

4: حافظ عماد الدین عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُهُمْ.

تفسیر ابن کثیر: ج 5 ص 88 تحت قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ، الاسراء: 55
ترجمہ: بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل ہیں۔

5: امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 192
ترجمہ: تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

6: شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم محدث دہلوی رحمہ اللہ (ت 1176ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ أَفْضَلُ الْأَنْبِيَاءِ.

العقيدة المحمديّة للشاه ولي الله: ص 5

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں افضل ہیں۔

دلیل نمبر 1:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

سورۃ آل عمران: 110

ترجمہ: تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے بھیجی گئی ہو، تم نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) اس آیت کو اور ﴿وَكُذِّبَكَ جَعَلْنَاكَ أُمَّةً وَسَطًا﴾ (سورۃ البقرۃ: 143) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِنَّ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّ أُمَّتَهُ خَيْرُ الْأُمَمِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ﴿وَكُذِّبَكَ جَعَلْنَاكَ أُمَّةً وَسَطًا﴾ وَتَفْضِيلُ الْأُمَّةِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا أُمَّةٌ تَفْضِيلُ لِلرَّسُولِ الَّذِي هُمْ أُمَّتُهُ.

شرح المقاصد فی علم الکلام لتفتازانی: ج 2 ص 192

ترجمہ: تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ آپ کی امت تمام امتوں میں بہترین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو، (مزید ارشاد ہے) اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا ہے۔ امت کا بحیثیت امت کے فضیلت والا ہونا اس امت کے نبی کی فضیلت کی دلیل ہے۔

دلیل نمبر 2:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾

سورۃ الاعراف: 158

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کا دائرہ نبوت محدود تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرہ غیر محدود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالمی نبی ہیں جو کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی دلیل ہے۔

چنانچہ علامہ محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین ابن علی مناوی القاہری رحمہ

اللہ (ت 1031ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ لِمَا ذُكِرَ
مِنْ أَنَّ كُلَّ نَبِيٍّ أُرْسِلَ إِلَى قَوْمٍ مَخْصُوصِينَ وَهُوَ إِلَى الْكَافَّةِ.

فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ج 1 ص 726

ترجمہ: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ بات حدیث مبارک میں مذکور ہے کہ ہر نبی مخصوص قوم کی طرف بھیجا گیا ہے جبکہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ:

لِأَنَّهُ مَبْعُوثٌ إِلَى الثَّقَلَيْنِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام لتفتازانی: ج 2 ص 192

ترجمہ: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں) کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن وانس کی طرف بھیجا گیا ہے

دلیل نمبر 3:

امام مسلم بن حجاج القشیری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ، أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ

بِالنَّبِيِّونَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 523

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا (۴) پوری زمین کو میرے لیے ”ظہور“ یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور (۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنا دیا گیا۔ ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

دلیل نمبر 4:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

1: علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف ”علامہ الخازن“ رحمہ اللہ (ت 741ھ) لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَفْضَلُ مِنْ بَعْضٍ وَأَنَّ نَبِيَّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُهُمْ.

تفسیر الخازن: ج 1 ص 265 تحت قوله تعالى تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ سورة البقرة: 253

ترجمہ: امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

2: حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا خِلَافَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُهُمْ.

تفسیر ابن کثیر: ج 5 ص 88 تحت قولہ ”وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ“ سورة الاسراء: 55

ترجمہ: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل ہیں۔

3: امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) لکھتے ہیں:
وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 192

ترجمہ: تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دلیل نمبر 5:

حضرات انبیاء علیہم السلام کا امتیاز دیگر لوگوں سے ”علم“ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس نبی کے پاس جتنا زیادہ علم ہو گا وہ نبی اتنا ہی افضل ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم الاولین والآخرین دیے گئے ہیں اس لیے آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ
(ت 1297ھ) فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ عَلِمْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ بشرط فہم اسی جانب مشیر ہے۔ شرح اس معنی کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں.... عالم حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء اور علماء گذشتہ و مستقبل اگر عالم ہیں تو بالعرض ہیں

مگر اس کے ساتھ یہ بھی اہل فہم جانتے ہیں کہ نبوت؛ کمالات علمی میں سے ہے، کمالات عملی میں سے نہیں ہے.... انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔“

تخذیر الناس عن انکار اثرا بن عباس: ص 6، 7

فائدہ نمبر 8: نبی العالمین صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے انبیاء علیہم السلام کسی خاص قوم، بستی یا شہر کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی ہے جو تمام عالمین کی طرف مبعوث ہوئی ہے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت؛ نبوت خاصہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت؛ نبوت عامہ ہے۔

1: ﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ (۷۹)

سورة النساء: 79

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ذات ہے۔

علامہ سید ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1270ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا﴾ بَيَانٌ لِّجَلَالَةِ مَنْصِبِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَكَانَتِهِ عِنْدَ رَبِّهِ سُبْحَانَهُ بَعْدَ الذَّبِّ عَنْهُ بِأَتَمِّ وَجْهِهِ وَفِيهِ رَدُّ أَيْضًا لِمَنْ زَعَمَ اخْتِصَاصَ رِسَالَتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِالْعَرَبِ فَتَعَرِّيفُ النَّاسِ "لِلْإِسْتِغْرَاقِ وَالْجَارِ مُتَعَلِّقٌ بِ"رَسُولًا" قُدِّمَ عَلَيْهِ لِلْإِخْتِصَاصِ النَّاطِقِ إِلَى قَيْدِ الْعُمُومِ أَيْ مُرْسَلًا لِكُلِّ النَّاسِ لَا لِبَعْضِهِمْ فَقَطْ كَمَا زَعَمُوا.

تفسیر روح المعانی: ج 5 ص 90، 91

ترجمہ: ”ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا“ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منصب اور خدا تعالیٰ کے ہاں آپ کی قدر و منزلت کا بیان ہے جو (مشرکین کے) اعتراضات کے ازالہ کے بعد پر زور طریقے سے بیان ہوا ہے۔ نیز اس آیت میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ (تردید اس طرح ہے) کیونکہ ”الناس“ کو معرفہ لایا گیا ہے جس سے مراد تمام انسان ہیں۔ حرف جار (لناس میں حرف لام) یہ ”رَسُولًا“ کے متعلق ہے جسے اختصاص کے لیے مقدم کیا گیا ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کے لیے نبی ہیں“ نہ کہ بعض کے لیے جیسے بعض لوگ گمان کرتے ہیں۔

2: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَبِينًا﴾

سورة الاعراف: 158

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أَيُّ: بِجَمْعِكُمْ، وَهَذَا مِنْ شَرَفِهِ وَعَظَمَتِهِ أَنَّهُ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَأَنَّهُ مَبْعُوثٌ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً.

تفسیر ابن کثیر: ج 3 ص 219

ترجمہ: یعنی میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کی بات ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہے۔

3: امام مسلم بن حجاج القشیری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:
 عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
 فَضَّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ؛ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُجِلَّتْ
 لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً
 وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 523

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا (۴) پوری زمین کو میرے لیے ”طہور“ یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنادیا گیا (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنادیا گیا اور (۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنادیا گیا۔ ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

اس حدیث میں ”وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً“ کا جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عامہ کی دلیل ہے۔

فائدہ نمبر 9: خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ ختم نبوت ایک اجماعی عقیدہ ہے جس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

1: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (٤٠)﴾

سورة الاحزاب: 40

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن

اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

2: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيٍّ".

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2272

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے میرے بعد نہ کوئی رسول پیدا ہو گا اور نہ کوئی نبی۔

اجماع امت:

1: شیخ امام ابو المواہب عبد الوہاب بن احمد بن علی الشمرانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 973ھ) فرماتے ہیں:

إِعْلَمُوا أَنَّ الْإِجْمَاعَ قَدْ انْعَقَدَ عَلَى أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمُ الْمُرْسَلِينَ كَمَا أَنَّهُ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ.

اليواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر: ج 2 ص 371 البعث الخامس الثلاثون

ترجمہ: جان لیجیے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین ہیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

2: ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

وَدَعَوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفْرٌ بِالْإِجْمَاعِ.

مَنَحُ الرُّوضِ الْأَزْهَرِ فِي شَرْحِ الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ: ص 451

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کا دعویٰ نبوت کرنا کفر ہے اور اس پر اجماع ہے۔

3: علامہ سید ابو الثناء محمود آلوسی بغدادی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1270ھ) لکھتے ہیں:

وَكُونُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ حَتَّى نَطْقَ بِهِ الْكِتَابُ
وَصَدَعَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَأَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ فَيُكْفَرُ مَدَّعِي خِلَافِهِ.

تفسیر روح المعانی: ج 22 ص 41 تحت قولہ تعالیٰ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ دِجَالِكُمْ“
ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ایسی واضح حقیقت ہے جس کی
صراحت کتاب اللہ نے کی ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت
کی ہے اور امت نے اس عقیدہ پر اجماع کیا ہے۔ اس لیے جو اس کے خلاف کوئی دعویٰ
کرے گا اسے کافر قرار دیا جائے گا۔

فائدہ: بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
رحمہ اللہ (ت 1297ھ) نے اپنی کتاب ”تحذیر الناس“ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی ختم نبوت کی ایسی جامع اور دلنشین تشریح فرمائی ہے کہ جس سے آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کی ختمیت کامل اور مکمل طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

أَنَّ الْخَاتَمِيَّةَ جِنْسٌ تَحْتَهُ نَوْعَانِ، أَحَدُهُمَا خَاتَمِيَّةُ زَمَانِيَّةٌ وَهُوَ أَنْ
يَكُونَ زَمَانٌ نُبُوتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَأَخِّرًا مِّنْ زَمَانٍ نُبُوتُهُ بِجَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ
وَيَكُونُ خَاتَمًا لِّنُبُوتِهِمْ بِالزَّمَانِ، وَالثَّانِي: خَاتَمِيَّةٌ ذَاتِيَّةٌ وَهِيَ أَنْ يَكُونَ نَفْسُ
نُبُوتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَتَمَتْ بِهَا وَانْتَهَتْ إِلَيْهَا نُبُوتُهُ بِجَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَ
كَمَا أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ بِالزَّمَانِ كَذَلِكَ هُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ بِالذَّاتِ فَإِنَّ كُلَّ مَا بِالْعَرَضِ يَخْتِمُ عَلَى مَا بِالذَّاتِ وَ
يَنْتَهِي إِلَيْهِ وَلَا تَعْدَاهُ وَلَكِنَّا كَانَ نُبُوتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالذَّاتِ وَنُبُوتُهُ
سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ بِالْعَرَضِ لِأَنَّ نُبُوتَهُمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بِوَاسِطَةِ نُبُوتِهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الْفَرْدُ الْأَكْمَلُ الْأَوْحَدُ الْأَجَلُّ قُطْبُ دَائِرَةِ النَّبُوءَةِ وَالرِّسَالَةِ
وَوَاسِطَةُ عَقْدِهَا فَهِيَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ذَاتًا وَزَمَانًا.

وَلَيْسَ خَاتَمِيَّتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْخَوَصَّةً فِي الْخَاتَمِيَّةِ الزَّمَانِيَّةِ
فَإِنَّهُ لَيْسَ كَبِيرَةُ فَضْلٍ وَلَا زِيَادَةُ رَفْعَةٍ أَنْ يَكُونَ زَمَانُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مُتَأَخِّرًا مِّنْ زَمَانِ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلَهُ بَلِ السِّيَادَةُ الْكَامِلَةُ وَالرَّفْعَةُ الْبَالِغَةُ وَالْ
الْمَجْدُ الْبَاهِرُ وَالْفَخْرُ الزَّاهِرُ تَبْلُغُ غَايَتَهَا إِذَا كَانَ خَاتَمِيَّتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ذَاتًا وَزَمَانًا وَأَمَّا إِذَا اقْتَصَرَ عَلَى الْخَاتَمِيَّةِ الزَّمَانِيَّةِ فَلَا تَبْلُغُ سِيَادَتَهُ وَ
رَفْعَتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا لَهَا وَلَا يَحْصُلُ لَهُ الْفَضْلُ بِكُلِّيَّتِهِ وَجَامِعِيَّتِهِ.

المہند علی المفند: ص 70 تا ص 72

ترجمہ: خاتمیت ایک جنس ہے جس کی دو انواع ہیں۔ ایک خاتمیت باعتبار زمانہ کے
ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے زمانہ
کے بعد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے اعتبار سے تمام انبیاء علیہم السلام کی
نبوت کے خاتم ہیں۔ دوسری نوع خاتمیت باعتبار ذات کے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت پر تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت ختم اور منتهی ہوئی
ہے اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں اسی
طرح ذات کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں کیونکہ ہر بالعرض شے بالذات شے پر
ختم ہو جاتی ہے، اس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت
بالذات ہے اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت بالعرض ہے اس لیے کہ سارے
انبیاء علیہم السلام کی نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی وجہ سے ہے اور آپ صلی
اللہ علیہ وسلم ہی فرد اکمل، یکتا، دائرہ رسالت و نبوت کے مرکز اور عقد نبوت کے
واسطہ ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے خاتم النبیین ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت صرف زمانہ کے اعتبار سے نہیں ہے اس لیے کہ یہ کوئی بڑی فضیلت اور زیادہ اعزاز کی بات نہیں کہ آپ علیہ السلام کا زمانہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانہ کے بعد ہے بلکہ کامل سرداری و بلندی مقام اور انتہاء درجہ کی عظمت و فضیلت اسی وقت ثابت ہوگی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے ہو ورنہ محض زمانہ کے اعتبار سے خاتم الانبیاء ہونے سے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت و رفعت کمال کو پہنچے گی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامعیت و فضیلت کلی حاصل ہوگی۔

قَوْلُهُ: وَالْبَيُّومِ الْآخِرِ

آخرت پر ایمان:

اس سے مراد دوسرا جہان اور دوسری زندگی ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد نہیں کیونکہ اس کے لیے ”وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ“ آگے مستقل آ رہا ہے۔

فائدہ نمبر 1: اہل اسلام کا نظریہ ہے کہ ایک زندگی ہم اس جہان میں گزار رہے ہیں۔ جب موت آتی ہے تو انسان بالکل فنا نہیں ہوتا بلکہ اس جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوتا ہے۔ اسلام میں اس جہان کی طرح دوسرے جہان کا بھی تصور موجود ہے۔ اس کے برعکس کفار کا نظریہ یہ ہے کہ اس جہان کے اختتام پر انسان فنا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دوسرے جہان کا کوئی تصور نہیں ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ”وَالْبَيُّومِ الْآخِرِ“ کہہ کر اہل اسلام کے نظریے کی تائید اور کفار کے نظریے کی تردید فرما رہے ہیں کہ دوسرے جہان کا تصور برحق ہے۔

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ (21، اپریل 1938ء)

فرماتے ہیں:

موت کو سمجھتے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

”ہائکِ در“ از ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: ص 294 نظم کا عنوان: ”ہمایوں“

پہلی اور دوسری زندگی کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ﴾ (٦٢)

سورۃ الواقعة: 62

ترجمہ: تمہیں تمہاری پہلی پیدائش کا علم ہے (کہ وہ ہماری قدرت سے وجود میں آئی) تو تم لوگ کیوں نہیں سمجھتے؟ (کہ ہم دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں)۔
دوسرے مقام پر ہے:

﴿وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْآخِرَىٰ﴾ (٤٧)

سورۃ النجم: 47

ترجمہ: اور دوبارہ پیدا کرنا بھی اسی (خدا تعالیٰ) کے ذمہ ہے۔

پہلی آیت میں پہلی زندگی اور دوسری آیت میں دوسری زندگی مراد ہے۔

فائدہ نمبر 2: ایک زندگی موت کے بعد سے لے کر حشر تک ہے اور ایک زندگی حشر سے لے کر جنت اور جہنم تک کی ابدی زندگی ہے۔ موت کے بعد قیامت شروع ہو جاتی ہے البتہ موت سے لے کر حشر تک کی زندگی کو ”قیامت صغریٰ“ اور حشر کے بعد کی زندگی کو ”قیامت کبریٰ“ کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: موت کے بعد قبر میں سوال و جواب اجمالاً ہوں گے اور حشر میں تفصیلاً ہوں گے۔ اسی طرح موت کے بعد جزا و سزا اجمالاً ہوگی لیکن قیامت کبریٰ کے بعد جزاء و سزا تفصیلاً ہوگی۔ چنانچہ موت کے بعد قبر کی زندگی میں میت پر عرضِ جنت اور عرضِ نار ہو گا اور حشر کے بعد دخولِ جنت اور دخولِ نار ہو گا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ

علیہ نے ”وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“ میں قیامتِ صغریٰ یعنی قبر کی زندگی اور ”وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ“ میں قیامتِ کبریٰ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فائدہ نمبر 4: موت سے لے کر حشر تک کی زندگی کو ”قبر کی زندگی“ بھی کہا جاتا ہے اور ”عالم برزخ“ بھی۔ اس لیے اس مقام پر قبر اور برزخ کا معنی بیان کیا جاتا ہے۔

قبر کا معنی:

الْقَبْرُ هُوَ مَقَرُّ الْمَيِّتِ أَوْ أَجْزَائِهِ.

قبر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں میت یا اجزائے میت ہوں۔

تنقیحات متکلم اسلام

1: ﴿وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾

سورة التوبة: 84

ترجمہ: آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔

2: ﴿وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾ (۷)

سورة الحج: 7

ترجمہ: بے شک اللہ ان سب لوگوں کو اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔

3: امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (ت 179ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَفْقُفُ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

موطا امام مالک: ص 150 باب ماجاء في الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم

ترجمہ: عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑے دیکھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم پر درود بھیج رہے تھے اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا مانگ رہے تھے۔

4: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لِيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيرٍ"، ثُمَّ قَالَ: "بَلَى أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَى بِالنَّعِيمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِأُتُنَتَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرِ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيَبَسَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1378

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کیے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

وضاحت: قبر کا معنی ”جہاں میت یا اجزائے میت ہوں“ کرنے سے وہ تمام اشکالات حل ہو جاتے ہیں جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ جب کسی میت کو جلا دیا گیا یا اس کی لاش کو پرندے کھا گئے، جانوروں نے نوچ ڈالا یا پانی میں بہا دیا گیا تو اس کو قبر کیسے ملی؟ جواب یہ ہے کہ اس کے اجزاء جہاں گئے ہیں وہی اس کی قبر ہے کیونکہ یہاں اجزاء

کا احالہ ہوتا ہے مگر ازالہ نہیں ہوتا یعنی اجزاء تحلیل ہو کر دوسری شکل اختیار کر لیتے ہیں، بالکل ختم نہیں ہوتے۔

فائدہ نمبر 5: برزخ کا معنی:

”برزخ“ سے مراد دو چیزوں کا مجموعہ ہے؛ زمان اور مکان۔

۱: زمان موت سے لے کر حشر تک کا وقت

۲: مکان سچین سے لے کر علیین تک کی جگہ

”برزخ“ کا معنی سمجھ میں آجائے تو کئی اشکالات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ اگر موت کے بعد انسان برزخ میں چلا جاتا ہے تو فرعون اسی زمین پر موجود ہے اور ہم بھی اسی زمین پر موجود ہیں، اس اعتبار سے اسے تو برزخ نہ ملی کیوں کہ زمین پر موجود ہوتے ہوئے اسے برزخ میں مانا جائے تو لازم آئے گا کہ ہم بھی برزخ میں ہوں کیونکہ ہم بھی تو اسی زمین پر موجود ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کو موت سے لے کر حشر تک کا زمان اور سچین سے لے کر علیین تک کا مکان ملا ہے لیکن ہمیں سچین سے لے کر علیین تک کا مکان تو ملا ہے لیکن موت سے لے کر حشر تک کا زمان نہیں ملا۔ اس لیے فرعون تو برزخ میں ہے لیکن ہم برزخ میں نہیں ہیں۔

فائدہ نمبر 6: برزخ کے احوال:

برزخ کے تمام احوال پردے میں ہوتے ہیں۔ میت کے پیچھے پردہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (۱۰۰)

سورۃ المؤمنون: 100

ترجمہ: اور ان کے پیچھے ایک آڑ ہے (جس میں وہ) اٹھائے جانے کے دن تک

(رہیں گے)۔

برزخ (پردے) کا ضابطہ یہ ہے کہ جو برزخ میں ہو اس کے حالات باہر والے کو نظر آجائیں تو یہ برزخ کے خلاف ہے لیکن جو برزخ میں ہے وہ اگر باہر والے کے حالات کو دیکھ لے تو یہ برزخ کے خلاف نہیں ہے۔ میت؛ برزخ میں ہے، ہم برزخ میں نہیں ہیں۔ لہذا اگر میت؛ دنیا والے کسی شخص کے حالات کو دیکھ لے تو یہ برزخ کے خلاف نہیں ہے اور اگر دنیا والا کوئی شخص میت کے حالات کو دیکھ لے تو یہ برزخ کے خلاف ہے۔ اب یہ دنیا والے شخص کا میت کے احوال کو دیکھنا عادتاً نہیں ہو گا بلکہ خرقِ عادت ہو گا جو معجزہ ہو گا یا کرامت ہو گا۔

تنقیحات متکلم اسلام

برزخ کا مفہوم سمجھنے کے بعد اب کسی حدیث پر کوئی اشکال باقی نہیں رہے

گا۔ مثلاً

1: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ اللیبیقی رحمہ اللہ (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: "إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ يَعْزُرُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَعَزَّزَهُ وَإِذَا مَرَّ بِقَبْرِ لَا يَعْزُرُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ"

شعب الایمان للیبیقی: ج 7 ص 17 فصل فی زیارة القبور رقم الحدیث 9296

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اس آدمی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے جس کو وہ پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو صاحبِ قبر اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور جب کسی ایسے آدمی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ نہیں پہچانتا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ بھی اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں برزخ کے اندر والا (یعنی میت) باہر والے کو پہچان رہا ہے اور یہ برزخ (پردے) کے مفہوم کے خلاف نہیں۔

2: امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) اور امام ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب التبریزی رحمہ اللہ (ت بعد 740ھ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي دُفِنَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي فَأُضَعُّ نَوْبِي فَأَقُولُ إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَأَنَّ اللَّهَ مَا دَخَلْتُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَى ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ.

مسند احمد: ج 18 ص 24 رقم الحدیث 25536، مشکوٰۃ المصابیح: ص 154 باب زیارة القبور

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میرے گھر کے جس کمرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی قبریں تھیں میں وہاں اپنے سر پر دوپٹہ نہ ہونے کی حالت میں بھی چلی جاتی تھی کیونکہ میں سمجھتی تھی کہ یہاں صرف میرے شوہر اور میرے والد ہی تو ہیں، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی وہاں تدفین ہوئی تو بخدا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ سے میں جب بھی اس کمرے میں گئی تو اپنی چادر اچھی طرح لپیٹ کر ہی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ برزخ میں تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برزخ میں نہیں تھیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دیکھ لینا برزخ (پردے) کے خلاف نہیں۔

3: امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَيْتُ وَفِي رِوَايَةٍ هَذَا مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةً أُسْرِى بِنِي عِنْدَ الْكَفَّيْبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2375

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سرخ ٹیلے کے قریب سے ہوا، تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا برزخ (پردے) کے خلاف ہے اور یہ دیکھنا خرقِ عادت ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ

بعث بعد الموت پر ایمان:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ”وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ“ فرمایا ہے، ”وَالْأَحْيَاءُ بَعْدَ الْمَوْتِ“ نہیں فرمایا کیونکہ جب موت آتی ہے تو اس کے بعد قبر میں حیات مل جاتی ہے، پھر حشر کو دوبارہ حیات نہیں ملتی بلکہ اس وقت بعث ہوگی۔ اس لیے قیامت کے دن اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں زندہ تھے مگر وہ حیات ظاہری نہ تھی اور اب اسی زندگی کے ظہور کے ساتھ میدانِ محشر میں جمع ہو گئے ہیں۔

فائدہ:

قبر کی حیات نظر نہ آنے والی مخفی حیات ہوتی ہے، نہ آنکھ سے نظر آتی ہے اور نہ ہاتھ لگانے سے محسوس ہوتی ہے۔ قیامت کے دن جب انسانوں کو قبروں سے

نکالا جائے گا تو اس کے لیے دو قسم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں: بعث اور احیاء۔

1: کبھی اس اٹھانے کو لفظ ”بعث“ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے یعنی جو شخص قبر میں ہے اس میں حیات ہے اگرچہ مخفی ہی کیوں نہ ہو، اب اسے حشر میں لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ﴾ (۱۶)

سورۃ المؤمنون: 16

ترجمہ: پھر قیامت کے دن تمہیں اٹھایا جائے گا۔

﴿وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ﴾ (۱۰۰)

سورۃ المؤمنون: 100

ترجمہ: اور ان کے پیچھے ایک آڑ ہے (جس میں وہ) اٹھائے جانے کے دن تک (رہیں گے)۔

2: کبھی اس اٹھانے کو لفظ ”احیاء“ سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں اور اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ قبر میں حیات مخفی تھی اور نظر نہیں آرہی تھی لیکن اب بعث کے بعد حیات ظاہر آئے اور نظر آرہی ہے۔ اس لیے لفظ ”احیاء“ سے قبر کی حیات کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمَوْتَىٰ ۚ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (۷۳)

سورۃ البقرۃ: 73

ترجمہ: ہم نے انہیں کہا کہ اس گائے کا کچھ حصہ اس میت کو لگاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریں گے اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں تاکہ تم سمجھو!

﴿إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُخَيِّ الْمَوْتَىٰ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۳۹)

سورۃ فصلت: 39

ترجمہ: بے شک وہ ذات جو اس (زمین) کو زندہ کرتی ہے وہی مردوں کو بھی زندہ

کرے گی کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اشکال:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں نہ حیات ہوتی ہے اور نہ روح و جسم کا کوئی تعلق ہوتا ہے بلکہ قیامت کے دن اجساد کو زندگی عطا کی جائے گی اور روح و جسم کا تعلق بحال کیا جائے گا۔ یہ لوگ دلیل کے طور پر یہ دو آیتیں پیش کرتے ہیں:

﴿وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ (۱۵)

سورۃ مریم: 15

ترجمہ: سلامتی ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا تھا اور جس دن اس کی وفات ہوگی اور جس دن اسے زندہ اٹھایا جائے گا۔

﴿وَالسَّلَامُ عَلَى يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾ (۳۳)

سورۃ مریم: 33

ترجمہ: سلامتی ہے مجھ پر اس دن بھی جس دن میں پیدا ہوا تھا اور اس دن بھی جس دن میں فوت ہوں گا اور اس دن بھی مجھے زندہ اٹھایا جائے گا۔

”يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا“ اور ”يَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا“ کہنا دلیل ہے کہ قبر میں حیات نہیں ہے کیونکہ یہاں پہلے موت ہے اور پھر جب بعثت ہوگی تو اس وقت حیات حاصل ہوگی۔

جواب:

دونوں آیتیں ایک طرز کی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت ”يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا“ میں ”يُبْعَثُ“ کی ضمیر مستتر ”هُوَ“ ذوالحال ہے اور ”حَيًّا“ حال ہے اور دوسری آیت ”

يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا“ میں ”اُبْعَثُ“ کی ضمیر مستتر ”اَنَا“ ذوالحال ہے اور ”حَيًّا“ حال ہے۔ حال اور ذوالحال کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ حال کا زمانہ اور فعل ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ مثلاً ایک جملہ ہے:

”جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا“ کہ زید میرے پاس سوار ہو کر آیا۔

اس جملے میں ”زید“ ذوالحال ہے، ”عجیثۃ“ فعل ہے اور ”رَاكِبًا“ حال ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ زید کے راکب (سوار ہونے) اور اس کے فعل مَحِيَّت (آنے) کا زمانہ ایک ہے۔ یعنی جس وقت زید آ رہا تھا اس وقت سوار تھا۔ اس سے پہلے سوار تھا یا پیدل تھا اس بات کی وضاحت سے یہ جملہ خاموش ہے۔

اس اصول اور قاعدے کی روشنی میں اب آیت کا معنی سمجھیں۔ آیت ہے:

”يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا“

اس میں ”اُبْعَثُ“ کی ضمیر ”اَنَا“ ذوالحال ہے، ”بعث“ فعل ہے اور ”حیا“ حال ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جی (زندہ) ہونے اور ان کے فعل بعث (یعنی اٹھنے) کا زمانہ ایک ہے۔ یعنی جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھ رہے ہوں گے اس وقت ”جی“ ہوں گے۔ اس سے پہلے ”جی“ ہوں گے یا ”میت“ اس بات کی وضاحت سے یہ آیت خاموش ہے۔

بعض لوگوں کا استدلال تو اس وقت درست ہو گا جب یہ ثابت ہو کہ اٹھنے سے پہلے ”میت“ ہوں اور وہ ثابت نہیں۔ اس لیے حیات قبر کے خلاف اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔

اشکال:

بعض لوگ قرآن کریم کی اس آیت کو پیش کر کے ایک اشکال کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا اِثْنَتَيْنِ وَاٰحْيَيْتَنَا اِثْنَتَيْنِ فَاَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيلٍ (۱۱)﴾

سورۃ المؤمن: 11

ترجمہ: (قیامت کے دن) کفار کہیں گے: اے ہمارے رب! آپ نے ہمیں دو مرتبہ موت دی تھی اور دو مرتبہ زندگی دی تھی۔ اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا اب واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟

یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم سے معلوم ہو رہا ہے کہ موتیں بھی دو ہیں اور حیاتیں بھی دو ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے کہ ایک موت ماں کے پیٹ والی تھی کہ اس میں بے جان تھے۔ جب دنیا میں آئے تو ایک حیات ملی۔ دوسری موت دنیا میں متعارف موت ہے اور دوسری حیات حشر کے دن ملنے والی حیات ہے۔ اب اگر قبر میں بھی حیات کو مانا جائے تو یہ تین موتیں اور تین حیاتیں بنیں گی جو نص قرآنی کے خلاف ہیں۔ اس لیے قبر کی حیات ثابت نہیں!

جواب: ایک ہوتی ہے ظاہری موت اور ظاہری حیات، اور ایک ہوتی ہے مخفی موت اور مخفی حیات۔ موت کے بعد سے لے کر حشر تک کی جو حیات ہے یہ حیات برزخ کی حیات ہے جو نظر نہیں آتی، یہ مخفی حیات ہے۔ اس لیے حیاتِ قبر کا ذکر لفظِ حیات سے نہیں کیا گیا۔

قبر کی حیات: چند نصوص ملاحظہ ہوں:

(1): ﴿يَتَّبِعُ اللَّهُ الْذِّينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾

سورۃ ابراہیم: 27

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس مضبوط بات (یعنی کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی۔
اس آیت کی تفسیر میں امام مسلم رحمہ اللہ (ت 261ھ) نے یہ حدیث نقل کی ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ» قَالَ: نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ، فَيَقَالُ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّي اللَّهُ، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: «يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ».

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2871

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت «يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ» کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو) اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کے فرمان «يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ» کا یہی مطلب ہے۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ ”الْآخِرَةِ“ کا عطف لفظ ”الدُّنْيَا“ پر ہے۔ جس طرح ”الدُّنْيَا“ کا موصوف ”الْحَيَاةِ“ ہے اسی طرح ”الْآخِرَةِ“ کا موصوف بھی ”الْحَيَاةِ“ ہے۔ آیت کا معنی یہ ہو گا کہ ”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس مضبوط بات (کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی اور قبر کی زندگی میں ثابت قدم رکھتا ہے۔“ اس سے

قبر کی حیات ثابت ہوتی ہے۔

(2): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيرٍ" ثُمَّ قَالَ: "بَلَى! أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَى بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عَوْذًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِإِثْنَتَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرِ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيَبَسَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1378

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گذرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک ترٹھنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

(3): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: "يَهُودُ تُعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1375

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد نکلے۔ آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

ان دو احادیث میں عذابِ قبر کا ذکر ہے اور عذاب کسی زندہ کو ذلیل کرنے کے لیے تکلیف دینے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سلیمان بن عمر بن منصور الازہری الشافعی المعروف علامہ جمل رحمہ اللہ (ت 1204ھ) لکھتے ہیں:

إِيصَالُ الْأَلَمِ إِلَى حَيٍّ هَوَانًا وَذُلًّا.

حاشیۃ الجمل علی تفسیر الجلالین: ج 1 ص 16 تحت تفسیر سورۃ البقرۃ آیت 4

ترجمہ: زندہ کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے دکھ درد پہنچانا۔

لفظ ”عذاب“ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں حیات ہوتی ہے تبھی تو عذاب دیا جاتا ہے۔ اگر اس میں حیات نہ ہوتی تو عذاب دینے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

اشکال نمبر 1:

بعض لوگ اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف پر اشکال کرتے ہیں کہ آپ قبر کی حیات کے قائل ہیں جبکہ اس حیات کا ذکر قرآن میں ہے نہ حدیث مبارک میں۔

جواب:

قرآن و حدیث میں قبر کی حیات کا ذکر لفظ ”حیات“ کے ساتھ صراحتاً موجود ہے۔

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ ۚ وَلَٰكِن لَّا

تَشْعُرُونَ (۱۵۴)﴾

سورۃ البقرۃ: 154

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے اُن کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں،

لیکن تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں ہوتا۔

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی التیمی الموصلی رحمہ اللہ (ت 307ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءُ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ".

مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ص 658 رقم الحدیث 3425 من حدیث انس بن مالک ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

اشکال نمبر 2:

اس آیت اور حدیث میں تو شہداء اور انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ذکر ہے جبکہ آپ لوگ تو ان دو کے ساتھ عام مؤمنین حتیٰ کہ کفار کو بھی قبروں میں زندہ مانتے ہیں؛ ان کی حیات کا ذکر صراحتاً تو کہیں بھی نہیں آیا!

جواب:

قبر میں زندہ افراد چار قسم کے ہیں:

۱.... کفار، ۲.... عامۃ المؤمنین، ۳.... شہداء، ۴.... انبیاء علیہم السلام

ان میں سب سے اضعف حیات ”کفار“ کی ہے، ضعیف حیات ”عامۃ المؤمنین“ کی ہے، قوی حیات ”شہداء“ کی ہے اور اقویٰ حیات ”انبیاء علیہم السلام“ کی ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات اقویٰ اور قویٰ ہے اس لیے اس کا ذکر صراحتاً کیا گیا ہے۔ عامۃ المؤمنین کی حیات چونکہ ضعیف اور کفار کی حیات اضعف ہے اس لیے اس کے لیے رد روح، عذاب قبر وغیرہ کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَنْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدُ فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ وَكَانَ عَلَى رُءُوسِنَا الظُّيُوفُ وَفِي يَدَيْهِ عَوْذُ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: اسْتَعِيدُوا بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا حَتَّى يُنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ وَأَعِيدُوهُ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيهَا أَعِيدُهُمْ وَمِنْهَا أَخْرَجْتُهُمْ تَارَةً أُخْرَى. قَالَ: فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّي اللَّهُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِي الْإِسْلَامُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

مسند احمد: ج 14 ص 202 تا 204 رقم الحديث 18443

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازے میں گئے۔ جب قبرستان پہنچے تو قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہم اس طرح (خاموش اور باادب) بیٹھے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں (کہ ہم نے ذرا بھی حرکت کی تو وہ اڑ جائیں گے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تیز کا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کرید رہے تھے۔ اسی اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراٹھایا اور فرمایا: عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو! یہ جملہ دو یا تین بار فرمایا۔ (آگے طویل حدیث ہے جس میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن اور کافر کی وفات کا ذکر فرمایا۔ مؤمن کی وفات کے تذکرہ میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں) مؤمن کی روح کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اپنے بندوں کو اسی سے پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹاؤں گا اور دوبارہ اسی سے نکالوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس بندہ مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر فرشتے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے! پھر پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں بھیجے گئے تھے وہ کون تھے؟ بندہ جواب دیتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: "يَهُودُ تُعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1375

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد نکلے۔ آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

تو جس طرح درجہ بدرجہ حیات ثابت ہے، اس کے بیان کے لیے الفاظ بھی اسی درجہ کے لائے ہیں۔

فائدہ نمبر 1:

جس طرح قرآن وحدیث میں قبر کی حیات کو مخفی ہونے کی وجہ سے ”رُقُود“ اور ”قَوْم“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

1: ﴿قَالُوا يٰۤاَيُّ يٰۤلَنَّا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا﴾

سورۃ یٰسین: 52

ترجمہ: وہ کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہ سے کس نے بیدار کر دیا۔

2: امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا فُيِّرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَرَزَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ: هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. فَيَقُولَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا. ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: نَمْ. فَيَقُولُ: أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرْهُمْ؟ فَيَقُولَانِ: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1071

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے دو فرشتے آتے ہیں جن کی آنکھیں نیلے رنگ کی ہوتی ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ اس شخص سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخصیت (یعنی آپ صلی اللہ علیہ

وسلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بندہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ طول و عرض میں کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کو روشن کر دیا جاتا ہے۔ پھر فرشتے اسے کہتے ہیں: سو جا! وہ شخص پوچھتا ہے کہ کیا میں گھر جا کر اپنے ان حالات کی خبر اپنے گھر والوں کو نہ دوں؟ تو فرشتے کہتے ہیں: سو جیسا پہلی رات کی دلہن سوتی ہے، جسے گھر والوں میں سے اس کا محبوب (یعنی خاوند) ہی بیدار کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ قبر میں حیات ہے لیکن ظاہری نہیں جس طرح سونے والے میں حیات ہوتی ہے لیکن جاگنے والے کی طرح نہیں ہوتی۔

لطیفہ علمیہ:

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ کہتا ہے ”نَمَّ كَتَوَمَّةَ الْعَرَوِّسِ“ کہ پہلی رات کی دلہن کی طرح سو جا! ”دلہن“ کا لفظ یہ بات سمجھانے کے لیے لائے ہیں کہ مثلاً کوئی عورت کسی نامحرم مرد کو میسج بھیجنا چاہے، فون کرنا چاہے، ملنا چاہے تو یہ تمام کام نہیں کر سکتی کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور خاندان اور معاشرے میں بدنامی کا خوف ہے لیکن یہی عورت جب کلمہ نکاح کے ساتھ دلہن بن کر اسی شخص کے کمرے میں آجائے تو جس خاندان کا ڈر تھا وہ باہر ہے لیکن اس عورت کو کمرے میں اب کوئی ڈر نہیں ہے، پہلے میسج اور فون کا ڈر تھا لیکن اب اسی شخص کے ساتھ بغیر کسی خوف کے سوئی ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اب یہ عورت اس کے پاس کلمہ نکاح کے ساتھ آئی ہے۔ بالکل اسی طرح قبر ظلمت اور وحشت کا گھر ہے، کیڑوں

اور عذاب کا گھر ہے لیکن جب بندہ کلمہ ایمان کے ساتھ اس میں آجائے تو اسے بھی اب کوئی ڈر نہیں ہے۔ یہ بات لفظ ”عروس“ (دلہن) کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ”عروس“ (دلہن) ذکر فرمایا۔

اسی طرح احادیث میں ”نوم“ کو ”موت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل

کرتے ہیں:

عَنْ حُدَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحَدًا مَضَجَّعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ: "اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا"، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6314

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر تشریف لاتے تو اپنے ہاتھ کو اپنے گال کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: ”اے اللہ! میں تیرا ہی نام لے کر سوتا اور اٹھتا ہوں“ اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں نیند کے بعد جگایا اور اسی کے پاس (ہم سب نے) اکٹھے ہونا ہے“

معلوم ہوا کہ موت کو سمجھنے کے لیے نیند کا سمجھنا ضروری ہے۔ جس طرح جاگنے کی حالت میں احوال بلا واسطہ، اصالۃ اور بالذات جسم پر اور بالواسطہ، ضمناً اور تبعاً روح پر آتے ہیں لیکن سونے کی حالت میں احوال بلا واسطہ، اصالۃ اور بالذات روح پر آتے ہیں اور بالواسطہ، ضمناً اور تبعاً جسم پر آتے ہیں اسی طرح موت کے بعد احوال بلا واسطہ، اصالۃ اور بالذات روح پر اور بالواسطہ، ضمناً اور تبعاً جسم پر آتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2:

شہداء کی حیات بعد المات کو بیان کرنے کے بعد ﴿وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ فرمایا، ”وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُوْنَ“ نہیں فرمایا۔ کیونکہ شعور کہتے ہیں ادراک بالحواس کو اور علم کہتے ہیں ادراک بالوحی کو۔ قبر کی حیات چونکہ مخفی ہے اس لیے اس کا ادراک حواس سے نہیں بلکہ وحی سے ہوتا ہے۔

اس لیے فرمایا ﴿وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ کہ اس حیات کا ادراک تمہیں حواس سے نہیں ہو سکتا، یہ نہیں فرمایا کہ ”وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُوْنَ“ کہ اس کا ادراک تمہیں وحی سے بھی نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہو کہ حیات ہے لیکن مخفی ہے جس کا ادراک حواس سے نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خود قرآن کریم ہی سے قبر کی مخفی حیات ثابت ہو رہی ہے۔ ﴿يَوْمَ نَلْتَمِسُ مِنْ بَعْثِنَا مَنْ مَرَقَدْنَا﴾ کفار کا کلام نقل ہوا ہے جس میں قبر کی زندگی کو ”مرقد“ (سونے کی جگہ) کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات ہے لیکن مخفی ہے۔ ﴿وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ مومنین شہداء کے بارے میں کہا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حیات ہے لیکن مخفی ہے جو شعور (ادراک بالحواس) سے معلوم نہیں ہو سکتی۔

قَوْلُهُ: وَالْقَدَرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى

تقدیر پر ایمان:

اس مقام پر تین باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

(1): تقدیر کا معنی

تقدیر؛ علم الہی اور امر الہی کے مجموعے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ بندے کو اختیار دیں گے تو بندہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا یہ علم الہی ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ بندہ یہ کام کرے گا یہ امر الہی ہوا۔ اب علم الہی؛ امر الہی کے خلاف ہو یا امر الہی؛ علم الہی کے خلاف ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو تقدیر صرف ”علم الہی“ کا نام نہیں بلکہ تقدیر علم الہی اور امر الہی کے مجموعے کا نام ہے۔

(2): تقدیرِ خیر اور تقدیرِ شر

اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے بندے کے نفس، خواہش اور مزاج کے موافق ہوں ان کو ”تقدیرِ خیر“ کہتے ہیں اور جو فیصلے بندے کے نفس، خواہش اور مزاج کے خلاف ہوں انہیں ”تقدیرِ شر“ کہتے ہیں جیسے کسی شخص کے ہاں اولاد کا نہ ہونا یا پیدا ہو کر فوت ہو جانا۔ اللہ کے تمام فیصلے اپنی ذات میں بالکل درست اور خیر ہی ہوتے ہیں، انہیں خیر یا شر سے تعبیر کرنا یہ بندے کی طبیعت کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے۔

(3): تقدیرِ مبرم اور تقدیرِ معلق

تقدیر کی دو قسمیں ہیں:

۱.... تقدیرِ مبرم: وہ تقدیر ہے جس میں تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ جو

بات اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔

۲.... تقدیرِ معلق: وہ تقدیر ہے جس میں تغیر و تبدل واقع ہو سکتا ہے۔

مثلاً تقدیر میں لکھا ہو کہ اگر فلاں شخص نے صدقہ دیا تو اس کو مرض سے شفا ملے گی، صدقہ نہ دیا تو شفا نہیں ملے گی۔

تقدیر کی یہ تقسیم مخلوق کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں تقدیر؛ مبرم ہی ہے۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفی رحمہ اللہ (ت 855ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ عَلِمَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِمَا سَيَقَعُ لَهُ مِنْ ذَلِكَ فَبِالنِّسْبَةِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى لَا زِيَادَةَ وَلَا نُقْصَانَ وَيُقَالُ لَهُ الْقَضَاءُ الْمُبْرَمُ وَإِنَّمَا يُتَصَوَّرُ الزِّيَادَةُ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِمْ وَيُسَمَّى مِثْلُهُ بِالْقَضَاءِ الْمَعْلَقِ.

عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ج 15 ص 154 تحت رقم الحدیث 5985

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ (اس شخص کی زندگی میں) آئندہ کیا احوال رونما ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے دیکھا جائے تو تقدیر میں کمی آتی ہے نہ زیادتی۔ اسی کو ”تقدیر مبرم“ کہتے ہیں۔ ہاں کمی زیادتی کا رونما ہونا یہ مخلوق کے اعتبار سے ہوتا ہے جسے ”تقدیر معلق“ کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَالْحِسَابُ

حساب کتاب پر ایمان:

قیامت کے دن جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گا تو اس کے تمام اعمال کا حساب ہو گا۔

فائدہ نمبر 1:

انسان نے جو چھوٹی سے چھوٹی نیکی اس دنیا میں سرانجام دی ہو گی یا جس چھوٹے سے چھوٹے گناہ کا ارتکاب کیا ہو گا اس کا حساب دینا اس کے ذمہ ہو گا۔

﴿مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (۷) وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا

يَرَهُ (۸)﴾

ترجمہ: جس شخص نے ذرہ برابر بھی اچھائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھے گا۔

فائدہ نمبر 2:

آدم علیہ السلام کے بعد آنے والے انسان سے لے کر قیامت تک آنے والے آخری انسان تک (سوائے انبیاء علیہم السلام کے) ایک ایک شخص کا حساب ہو گا۔

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَلَنَّهٗمْ أَجْمَعِينَ (۹۲) عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۹۳)﴾

سورۃ الحج: 92، 93

ترجمہ: آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھیں گے (یعنی حساب لیں گے)

فائدہ نمبر 3:

قیامت کے دن حضرات انبیاء علیہم السلام کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ اس کی چند وجوہات ہیں:

[1]: انبیاء علیہم السلام سے قبر میں سوالات نہیں ہوں گے۔ قبر میں سوالات نہ ہونا دلیل ہے کہ روزِ محشر بھی حساب نہیں ہو گا۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحنفی رحمہ اللہ (ت 1088ھ)

لکھتے ہیں:

وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا يُسْأَلُونَ.

الدر المختار: ج 2 ص 192 باب صلاة الجنائز

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے (قبروں میں) سوالات نہیں

ہوتے۔

[2]: امت میں سے اربوں افراد جب بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے تو انبیاء علیہم السلام کا حق ان سے زیادہ بنتا ہے۔

[3]: حساب کتاب اس شخص سے ہوتا ہے جو ایمان یا کفر میں سے جس پہلو کو اختیار کرنا چاہے کر سکتا ہو، نیکی یا برائی میں سے جس عمل کو کرنا چاہے کر سکتا ہو۔ پیغمبر معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ پیغمبر کامل و اکمل مومن ہوتا ہے، اس میں کفر کا احتمال نہیں ہوتا، پیغمبر نیک کام ہی سرانجام دیتا ہے، اس میں برائی کرنے کا احتمال نہیں ہوتا۔ تو حساب کتاب اس شخص کا ہو گا جس میں ایمان یا کفر، نیکی یا برائی اختیار کرنے کے دونوں پہلو ہوں، جس میں صرف ایک ہی پہلو ہو اس کا حساب نہیں ہوتا۔

فائدہ نمبر 4:

حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بعض انسان ایسے بھی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ بغیر حساب کتاب کے محض اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل فرمائے گا۔
امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أُعْطِيتُ سَبْعِينَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، وَجُوهُهُمْ كَالْقَهْرِ لَيْلَةِ الْبَدْرِ وَقُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ فَاسْتَزِدْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَرَأَدَنِي مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ سَبْعِينَ أَلْفًا." قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: فَرَأَيْتُ أَنَّ ذَلِكَ آتٍ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى وَمُصِيبٌ مِنْ حَافَاتِ الْبَوَادِي.

مسند احمد: ج 1 ص 6 رقم الحديث 22

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: مجھے ستر ہزار افراد ایسے عطا کیے گئے ہیں جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح (روشن اور چمکتے) ہوں گے اور ان کے دل ایک شخص کے دل کی مانند ہوں گے (یعنی ان کی آپس میں موافقت ہو گی، مخالفت نہیں ہو گی)۔ میں نے اپنے رب سے اس تعداد میں اضافے کی درخواست کی تو میرے رب نے ہر ایک فرد کے ساتھ مزید ستر ہزار کا اضافہ فرمادیا۔ (یعنی ستر ہزار کو ستر ہزار کے ساتھ ضرب دی جائے تو جو تعداد بنے گی وہ سب بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ تعداد 4900000000 بنتی ہے۔ یعنی چار ارب نوے کروڑ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری رائے کے مطابق یہ مقام و مرتبہ ان لوگوں کو حاصل ہو گا جو بستیوں میں رہتے ہیں یا دیہات کے کناروں پر آباد ہوتے ہیں۔

فائدہ نمبر 5:

جن کے اعمال اچھے ہوں گے انہیں اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ جن کے اعمال برے ہوں گے انہیں اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور بعض گناہگاروں کو اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے بھی دیا جائے۔

- ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ﴾ (۷) ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾^۶
 (۸) ﴿وَيُنْقَلَبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا﴾ (۹) ﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ﴾^۷
 (۱۰) ﴿فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا﴾ (۱۱) ﴿وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا﴾ (۱۲) ﴿

سورۃ الانشقاق: 7 تا 12

ترجمہ: جس شخص کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا تو اس کا حساب بہت آسان ہو جائے گا۔ یہ شخص اپنے گھر والوں کی طرف خوش و خرم واپس لوٹے گا اور جس شخص کو اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا تو وہ ہلاکت کو پکارے گا اور آگ

میں جائے گا۔

قَوْلُهُ: وَالْمِيزَانِ

وزنِ اعمال پر ایمان:

فائدہ نمبر 1: ترازو کو ”میزان“ کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اعمال کا وزن کیا جانا

یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالْوِزْنُ يُوْزَنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۸)﴾

سورة الاعراف: 8

ترجمہ: قیامت کے دن اعمال کا وزن ہونا برحق ہے۔ جن کے ترازو کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّ إِن كَانَتْ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا و كَفَىٰ بِنَا حَسِيبِينَ (۴۷)﴾

سورة الانبياء: 47

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو قائم کریں گے جو سہراپا انصاف ہوں گے۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے بھی سامنے لے آئیں گے اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

فائدہ نمبر 2: میزان کی جمع ”موازين“ ہے۔ راجح قول کے مطابق اعمال کو

تولنے کے لیے ایک ہی ترازو ہو گا لیکن وہ اتنا بڑا ہو گا کہ اس کے بڑے پن کو بیان کرنے کے لیے اسے جمع لاکر ”موازين“ بھی کہہ دیا جائے تو بھی درست ہے۔ گویا ایک ہی ترازو کو ”موازين“ کہنا عظمت اور بڑے پن کی وجہ سے ہے نہ کہ تعدد کی وجہ سے۔

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ

(ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَالَّذِي يَتَرَجَّحُ أَنَّهُ مِيزَانٌ وَاحِدٌ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 13 ص 659 تحت رقم الحدیث 7563

ترجمہ: رائج یہی ہے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے والا ترازو ایک ہی ہو گا۔

فائدہ نمبر 3: قیامت کے دن اعمال کو صرف گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا بھی جائے گا۔ اس لیے اعمال کے وزن کی بنیاد حسن نیت ہوگی۔ جس شخص کے اعمال حسن نیت سے معمور ہوں گے اس کا میزان بھی بھاری ہو گا اور جس شخص کے اعمال ریا اور عجب کا شکار ہوں گے تو اس کا میزان ہلکا اور بے وزن ہو گا۔ اسی لیے قرآن کریم میں ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ (۲)﴾

سورۃ الملک: 2

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں جانچے کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ”أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا“ نہیں فرمایا کہ کس کے اعمال زیادہ ہیں بلکہ ﴿أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ فرمایا کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔ حسن عمل؛ حسن نیت سے ہی معرض وجود میں آتا ہے۔ اس لیے اعمال سرانجام دیتے وقت حسن نیت کو بطور خاص ملحوظ رکھنا چاہیے۔

فائدہ نمبر 4: نبی کا عمل مقدار کے اعتبار سے بظاہر کم بھی ہو تب بھی وزن کے اعتبار سے امت کے تمام اعمال سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے کہ قیامت کے دن اعمال کو صرف گنا نہیں جائے گا بلکہ ان کا وزن بھی کیا جائے گا۔ وزن اعمال کی بنیاد حسن نیت،

خشوع و خضوع اور تواضع ہے۔ تواضع کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ہے۔ معرفت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا جو علم تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے پوری امت کے تمام افراد جمع بھی ہو جائیں تو بھی اس علم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب وزنِ اعمال کی بنیاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں سب سے زیادہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک پوری امت کے اعمال سے وزن میں بڑھ جائے گا۔

قَوْلُهُ: وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ

جنت و جہنم پر ایمان:

فائدہ نمبر 1: جہنم میں دخولِ ابدی کی بنیاد کفر ہے۔ اس لیے کافر شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (۱۶۱) خُلِدُوا فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ (۱۶۲)﴾

سورة البقرة: 161، 162

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر کی حالت ہی میں مرے تو ان پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے، ان سے عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی ڈھیل دی جائے گی۔

اشکال:

قرآن کریم کی آیت ﴿خُلِدُوا فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ﴾ (سورة البقرة: 162) سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عذاب میں

تخفیف نہیں ہوگی جبکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ عِنْدَهُ عُمَةُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ: "لَعَلَّه تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَجْعَلُ فِي مَخْضَاجٍ مِنْ نَارٍ يَبْلُغُ كَعْبِيِّهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 210

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابو طالب کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے انہیں نفع پہنچے گا تو انہیں مقام مَخْضَاج میں لے جایا جائے گا جہاں آگ میں ان کے پاؤں ہوں گے جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

اسی طرح ابو لہب کے بارے میں صحیح البخاری میں موجود ہے:

قَالَ عُرْوَةُ: وَتُؤَيَّبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَہُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حَبِيبَةٍ قَالَ لَهُ: مَاذَا لَقِيتَ؟ قَالَ أَبُو لَهَبٍ: لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سَقِيتُ فِي هَذِهِ بَعْتًا قَبِيئَةً تُؤَيَّبَةَ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5101

ترجمہ: حضرت عروہ کہتے ہیں: ثویبہ ابو لہب کی باندی تھی جسے ابو لہب نے آزاد کر دیا تھا۔ ثویبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابو لہب فوت ہوا تو اس کے اہل خانہ میں سے کسی کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ انتہائی بری حالت میں ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ تو ابو لہب

نے جواب دیا: جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں (یعنی فوت ہوا ہوں) تو مجھے کبھی بھی آرام نہیں ملا، ہاں البتہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اتنی سی مقدار (یعنی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان گڑھے کی مقدار کے برابر پانی) پلایا جاتا ہے۔
بظاہر یہ دونوں روایتیں اس آیت کے خلاف ہیں۔

جواب:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو عذاب جس جہنمی کے حق میں متعین ہو جائے اس میں کمی نہیں ہوگی اور ابوطالب اور ابو لہب کے حق میں اتنا ہی عذاب متعین ہے، لہذا اس میں کمی نہیں ہوگی۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد ابن عرقۃ المالکی رحمہ اللہ (ت 803ھ) ابو طالب اور ابو لہب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الْعَذَابُ) الَّذِي اسْتَحَقَّهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَنَزَلَ بِهِ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُ مِنْهُ.

تفسیر ابن عرفہ: ج 2 ص 481 تحت قوله تعالى "لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ" سورة البقرة: 162 ترجمہ: جس عذاب کی تخفیف نہیں ہوگی اس سے مراد وہ عذاب ہے جو ان دونوں (ابو طالب اور ابو لہب) کے حق میں متعین ہو چکا ہے اور انہیں مل رہا ہے اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔

مسلمان اگر اعمالِ بد کی وجہ سے جہنم میں چلا بھی گیا تو وہاں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ اپنے اعمالِ بد کی سزا پانے کے بعد جنت میں چلا جائے گا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ قُوبٌ أَبْيَضٌ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ. قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى

وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ. قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى
وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَعْمٍ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5827

ترجمہ: میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ایک سفید کپڑا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ (اس وقت میں واپس چلا آیا لیکن پھر) میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا (یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اقرار کیا) اور پھر وہ اسی حالت میں فوت ہوا تو ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے تیسری بار عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! خواہ ابو ذر کونا گوار گذرے۔

ملا علی القاری رحمہ اللہ (ت 1014ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
فَفِيهِ بَشَارَةٌ إِلَى أَنْ عَاقِبَتَهُ دُخُولُ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ لَهُ ذُنُوبٌ بَعْدَهُ، لَكِنَّ
أَمْرَهُ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ بِقَدْرِ ذَنْبِهِ، ثُمَّ
أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 1 ص 175 کتاب الایمان

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے کہ اس (گناہ کبیرہ کے

مرتب کا) انجام یہ ہے کہ وہ جنت میں ضرور داخل ہو گا چاہے اس کے گناہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں لیکن اس کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ (کی مشیت) کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف فرما کر جنت میں داخل فرمادے اور اگر چاہے تو اسے گناہوں کے بقدر سزا دے کر جنت میں داخل کر دے۔

فائدہ نمبر 2: کوئی کافر جنت میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں جائے گا۔ کافر کو جنت کی ہو اکا ایک جھوٹا بھی نہیں ملے گا خواہ وہ معتدل کافر ہو یا متشدد۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ﴾ (٤٠)

سورة الاعراف: 40

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے منہ موڑا تو ایسے لوگوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں بھی داخل نہیں ہو پائیں گے جب تک کوئی اونٹ کسی سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا۔ ہم مجرموں کو ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: جہنم میں کفار کو جو تکلیف ملے گی وہ بطور عذاب ہو گی اور مومن کو جو تکلیف ملے گی وہ برائے تزکیہ ہو گی۔ اس لیے کہ عذاب کہتے ہیں: زندہ آدمی کو ذلیل کرنے کے لیے تکلیف دینا۔ چنانچہ علامہ سلیمان بن عمر بن منصور الازہری الشافعی المعروف علامہ جمل رحمہ اللہ (ت 1204ھ) لکھتے ہیں:

إِيصَالُ الْأَلَمِ إِلَى حَيٍّ هَوَانًا وَذُلًّا.

حاشیہ الجمل علی تفسیر الجلالین: ج 1 ص 16 تحت تفسیر سورة البقرة آیت 4

ترجمہ: زندہ کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے دکھ درد پہنچانا۔

اور مؤمن کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رسوا نہیں فرمائیں گے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾

سورۃ التحریم: 8

ترجمہ: اس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو نبی کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا۔

باقی فاسق مؤمنین کو جہنم میں داخل کرنے کی غرض محض تزکیہ ہو گا کہ انہیں پاک کر کے جنت میں بھیجا جائے کیونکہ جنت پاک لوگوں کی جگہ ہے۔ فاسق مسلمان اعمال بد سے ناپاک ہو چکے ہوں گے تو انہیں جہنم میں بھیج کر پاک کیا جائے گا اور پھر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

✽ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ)

سورۃ الفرقان کی آیت ﴿وَيُخْلَدُ فِيهِ مِهَانًا﴾ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”مؤمن عاصی کے لیے تزاہد اور خلود نہ ہو گا اور وہ تطہیر و تزکیہ کے لیے معاقب ہو گا نہ کہ اہانت کے لیے۔“

بیان القرآن: ج 3 ص 23

✽ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (ت 1369ھ) سورۃ البقرۃ کی

آیت ﴿وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لیے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہو گا گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہو گا نہ بغرض تذلیل، البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا۔“

تفسیر عثمانی: ج 1 ص 95

❦ مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ (ت 1396ھ) سورۃ سبأ کی آیت ﴿وَوَهَلْ نُجْزِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

”سزا بطور سزا تو صرف کافر کو دی جاتی ہے اور مومن گناہ گار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، درحقیقت اس کو گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل دور کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن کو اگر کسی گناہ کی پاداش میں جہنم میں ڈالا گیا تو اس لیے کہ اس کے بدن کے وہ اجزاء جل جائیں جو حرام سے پیدا ہوئے ہیں اور جب یہ ہو چکتا ہے تو وہ جنت میں جانے کے قابل ہو جاتا ہے، اس وقت جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔“

معارف القرآن: ج 7 ص 285

اشکال نمبر 1: بعض اکابر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق مومنین کو بھی جہنم میں رسوا کرنے کے لیے ڈالا جائے گا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ سورۃ آل عمران کی آیت ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْرَيْتَهُ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جو شخص جتنی دیر دوزخ میں رہے گا اسی قدر رسوائی سمجھو۔ اس قاعدہ سے دائمی رسوائی صرف کفار کے لیے ہے۔ جن آیات میں عامہ مومنین سے خزی (رسوائی) کی نفی کی گئی ہے وہاں یہی معنی سمجھنے چاہئیں۔“

تفسیر عثمانی: ج 1 ص 359

اشکال نمبر 2: قرآن کریم کی آیت ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْرَيْتَهُ﴾ (سورۃ آل عمران: 192) سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو بھی جہنم میں داخل کیا جائے تو اسے رسوا ہی کیا جائے گا جبکہ ایک اور مقام پہ ہے: ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ

النَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ﴿سورة التحريم: 8﴾ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو رسوا نہیں فرمائیں گے۔ یہ بات ثابت ہے کہ گنہگار مومن جہنم میں تو جائے گا اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم رسوائی کی جگہ ہے تو بظاہر ان دونوں آیات میں تعارض ہے۔

دونوں اشکالات کا جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتاً رسوا کرنے کے لیے نہیں ہو گا بلکہ صورتاً رسوائی ہو گی، اس لیے صورتاً رسوائی کی وجہ سے اس پر لفظ ”خزى“ اور ”رسوائی“ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے (جیسا کہ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مومن گناہ گار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، درحقیقت اس کو گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ج 7 ص 285)

فائدہ نمبر 4: جہنم کے عذاب:

جہنم میں مختلف انواع و اقسام کا عذاب ہو گا۔

گندھک کا لباس:

﴿وَتَكْرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ (٤٩) سَرَابِيلُهُمْ

مِنْ قِطْرَانٍ وَتُغْشَى وُجُوهُهُمْ النَّارُ (٥٠)﴾

سورة ابراہیم: 49، 50

ترجمہ: آپ اس دن مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ان کا لباس گندھک کا بنا ہو گا اور ان کے چہروں کو آگ نے ڈھانپا ہو گا۔

آگ کا لباس:

﴿هَذَيْنِ خَصَصْنِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۚ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ
ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۖ يَصْبُ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ (۱۹)﴾

سورۃ الحج: 19

ترجمہ: یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ (ان میں سے) جو کافر ہیں تو ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹ (کر تیار کر) لیے جائیں گے اور ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔

گلے میں طوق اور زنجیر:

﴿إِذَا الْغُلُّ فِي آعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُونَ (۷۱)﴾

سورۃ المؤمن: 71

ترجمہ: ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، انہیں گھیٹا بھی جائے گا۔

گرم پانی اور پیپ:

﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا (۲۴) إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا (۲۵)﴾

سورۃ النبا: 24، 25

ترجمہ: جہنمی لوگ جہنم میں نہ ٹھنڈک چکھ سکیں گے اور نہ انہیں پینے کی کوئی چیز ملے گی سوائے گرم پانی اور پیپ کے۔

سانپ اور بچھو کا عذاب:

امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) روایت نقل کرتے ہیں:
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءِ الزُّبَيْدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ فِي النَّارِ حَيَّاتٍ كَأَمْثَالِ أَعْنَاقِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ إِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمَوَتَهَا أَرْبَعِينَ خَرِيفًا وَإِنَّ فِي النَّارِ عَقَارِبَ كَأَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُوَكَّفَةِ تَلْسَعُ إِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمَوَتَهَا أَرْبَعِينَ سَنَةً."

مسند احمد: ج 13 ص 471 رقم الحديث 17643

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن حارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں عجمی اونٹوں کی طرح بڑے بڑے سانپ ہوں گے جو جہنمیوں کو ڈستے ہوں گے۔ یہ سانپ ایسے زہریلے ہوں گے کہ اگر ایک مرتبہ کاٹ لیں تو چالیس سال تک ان کے زہر کا درد نہیں جائے گا۔ اسی طرح جہنم میں لگام لگائے ہوئے خچروں کے برابر بڑے بڑے بچھو ہوں گے جو جہنمیوں کو ڈنک مارتے رہیں گے۔ ان کے ایک مرتبہ ڈنک مارنے کی تکلیف چالیس سال تک باقی رہے گی۔

فائدہ نمبر 5: جہنم کے سات طبقات:

﴿وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْبَعِينَ﴾ (٤٣) ﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ﴾ (٤٤)

سورۃ الحجرات: 43، 44

ترجمہ: جہنم ان لوگوں کے وعدے کی جگہ ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں اور ان میں سے ہر دروازے کے لیے ایک حصہ مقرر ہوا ہے۔

اس کی تفسیر میں امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری رحمہ اللہ (ت 310ھ) ابوالولید عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی رحمہ اللہ (ت 150ھ) کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَوْلُهُ ﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ﴾ قَالَ: أُولُهَا جَهَنَّمُ، ثُمَّ لُظِي،

ثُمَّ الْحَطَمَةُ، ثُمَّ السَّعِيرُ، ثُمَّ سَقَرٌ، ثُمَّ الْجَحِيمُ، ثُمَّ الْهَٰوِيَّةُ.

تفسیر جامع البیان للطبری: ج 14 ص 42 تحت قولہ تعالیٰ ”لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ“ سورة الحجر: 44

ترجمہ: حافظ ابن جریج سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”جہنم کے سات دروازے ہیں“ سے مراد یہ ہے کہ پہلا دروازہ جہنم، پھر لُظی، پھر حطمہ، پھر سعیر، پھر سقر، پھر جہیم اور آخری ہاویہ ہے۔

1: جہنم:

﴿قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتْغَلِبُونَ وَ تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَ بئْسَ

الْمِهَادُ (۱۲)﴾

سورة آل عمران: 12

ترجمہ: آپ کافروں کو فرمادیجیے کہ تم غنقریب (دنیا میں) مغلوب ہو جاؤ گے اور تمہیں (آخرت میں) جہنم کی طرف جمع کیا جائے گا اور جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔

2: سعیر:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ

نَارًا ۖ وَ سَيَصْلُونَ سَعِيرًا (۱۰)﴾

سورة النساء: 10

ترجمہ: جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں تو وہ دراصل اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور غنقریب انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔

3: لُظی:

﴿كَلَّا ۖ إِنَّهَا لُظَىٰ (۱۵) نَرَاةَ لِشَوَىٰ (۱۶)﴾

سورة المعارج: 15، 16

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں ہوگا (کہ فدیہ دے کر چھوڑ دیا جائے بلکہ) وہ تو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو کھال تک اتار کے رکھ دے گی۔

4: سقر:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ (٤٢) قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلُومِينَ (٤٣)﴾

سورة المدثر: 42، 43

ترجمہ: (اصحاب الیمین جب جہنیموں سے پوچھیں گے) تمہیں کس وجہ سے جہنم میں آنا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

5: جحیم:

﴿ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ (١٦)﴾

سورة المطففين: 16

ترجمہ: پھر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

6: ہاویہ:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ (٨) فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ (٩) وَمَا أَذْرُكَ مَا هِيَةٌ ط

(١٠) نَارٌ حَامِيَةٌ (١١)﴾

سورة القارعة: 8 تا 11

ترجمہ: جس شخص کے (اعمال کے) وزن ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

7: حطمة:

﴿كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ (٤) وَمَا أَذْرُكَ مَا الْحُطَمَةُ (٥) نَارُ اللَّهِ

الْمُوقَدَّةُ (٦) الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَفْنِدَةِ (٧) ﴿٧﴾

سورة الحمزة: 4 تا 7

ترجمہ: ہر گز نہیں (کہ مال جمع کر کے رکھنے والے شخص کا مال اس کے پاس رہے) اسے ضرور بالضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ آپ کو کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے؟ یہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔

فائدہ نمبر 6: سب سے آخری طبقہ میں منافقین کو عذاب دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا (١٤٥)﴾

سورة النساء: 145

ترجمہ: بے شک منافقین جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے اور آپ کسی کو بھی ان کا مددگار نہیں پائیں گے۔

اشکال: کفار احکام کے مکلف نہیں ہیں اس لیے اگر وہ اعمالِ بد کا مظاہرہ کریں تب بھی انہیں اس بد عملی کی وجہ سے دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہیے لیکن قرآن کریم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بد عملی کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ (٤٢) قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِيِّينَ (٤٣) وَلَمْ نَكُ نُنْطَعِمُ الْمُسْكِينِ (٤٤)﴾

سورة المدثر: 42 تا 44

ترجمہ: (اصحابِ الیمین جب جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ) تمہیں کس وجہ سے جہنم میں آنا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے

تھے۔

تو بظاہر یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) اس کا بہت عمدہ جواب دیتے ہیں:

”اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار مکلف بالفروع ہیں۔ سقر میں دو چیزیں ہوں گی: تعذیب و زیادتِ تعذیب۔ پس ممکن ہے کہ مجموعہ اعمال مذکورہ سبب ہو مجموعہ تعذیب و زیادتِ تعذیب کا اس طرح کہ کفر و تکذیب تو سبب ہو تعذیب کا اور ترک صلوٰۃ وغیرہ سبب ہو زیادتِ تعذیب کا، اور غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ کہے جاویں گے کہ ان فروع پر نفس تعذیب نہ ہوگی اور زیادتِ تعذیب اس لیے ہو کہ ضمن اصول میں تو آخر ان فروع کے بھی مکلف ہیں۔ بس تکلیفِ ضمنی سبب ہو جاوے زیادت کا۔“

تفسیر بیان القرآن: ج 3 ص 611

فائدہ نمبر 7: جنت اور جہنم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا ہے اور یہ اب بھی موجود ہیں۔ قرآن وحدیث سے دلائل ملاحظہ ہوں:

جنت کی تخلیق:

(1): ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (۱۳۳)

سورۃ آل عمران: 133

ترجمہ: اپنے رب کی جانب سے ملنے والی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، وہ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اشکال:

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف سرعت یعنی جلدی کرنی چاہیے جبکہ حدیث مبارک میں جلدی کرنے کو شیطان کا عمل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْأَتَاةُ مِنَ اللَّهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2012

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میانہ روی اللہ کی طرف سے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

جواب:

دو لفظ الگ الگ ہیں:

1: ”سرعت“ یعنی جس کام کو جلدی کرنا چاہیے اسے جلدی سرانجام دینا

2: ”عجلت“ یعنی جس کام کو تاخیر سے سرانجام دینا چاہیے اسے جلد کرنا

چنانچہ امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمہ اللہ (ت 604ھ) فرماتے ہیں:

السُّرْعَةُ مُخْصُوصَةٌ بِأَنْ يُقَدَّمَ مَا يَنْبَغِي تَقْدِيمُهُ، وَالْعُجْلَةُ مُخْصُوصَةٌ بِأَنْ يُقَدَّمَ مَا لَا يَنْبَغِي تَقْدِيمُهُ.

التفسير الكبير للرازي: ج 8 ص 203 تحت قوله تعالى ”وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ“ آل عمران: 114

ترجمہ: سرعت کا لفظ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جس میں اس کام کو جلدی کیا جائے جس کو جلدی کرنا چاہیے اور عجلت کا لفظ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جس میں اس کام کو جلدی کیا جائے جس کو جلدی نہیں کرنا چاہیے۔

تو قرآن کریم میں جس جلدی کرنے کا ذکر ہے وہ ”سرعت“ ہے جو محمود ہے اور حدیث میں جس جلدی سے منع کیا گیا ہے وہ ”عجلت“ ہے جو مذموم ہے۔ عام الفاظ میں سمجھانے کے لیے سرعت کو ”جلدی“ اور عجلت کو ”جلد بازی“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(2): ﴿سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾

سورة الحديد: 21

ترجمہ: اپنے رب کی جانب سے ملنے والی بخشش اور اس جنت کی طرف ایک دوسرے سے بڑھ کر چلو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے، وہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔

جہنم کی تخلیق:

(1): ﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ (۲۴)

سورة البقرة: 24

ترجمہ: اگر تم یہ نہ کر سکو اور ہر گز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(2): ﴿وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ (۱۳۱)

سورة آل عمران: 131

ترجمہ: اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(3): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَشْتَكَيْتِ النَّارَ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ: رَبِّ أَكَلَّ بَعْضُيَ بَعْضًا فَأَذِنَ لَهَا بِنَفْسَيْنِ نَفْسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٍ فِي الصَّيْفِ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهِرِ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 3260

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب! میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھا لیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے (سال بھر میں) دوسانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک سانس سردیوں میں اور ایک سانس گرمیوں میں۔ اس لیے تم جو گرمی اور سردی کی شدت دیکھتے ہو (تو یہ انہی سانسوں کا اثر ہے)۔“

(4): امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ سَمِعَ وَجِبَةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَدْرُونَ مَا هَذَا؟" قَالَ: قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "هَذَا حَجَرٌ رُجِيَ بِهِ فِي النَّارِ مِنْذُ سَبْعِينَ خَرِيفًا، فَهُوَ يَهْوِي فِي النَّارِ الْآنَ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى قَعْرِهَا".

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2844

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں ہم لوگ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک زوردار آواز سنائی دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کس چیز کی آواز ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک پتھر کی آواز ہے جو ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا اور وہ مسلسل دوزخ میں گر رہا تھا یہاں تک کہ وہ ابھی ابھی جہنم کی تہہ میں پہنچا ہے۔“

فائدہ نمبر 8: جنت اور جہنم پیدائش کے بعد فنا نہیں ہوں گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی۔

جنت کا ہمیشہ رہنا:

1: ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (۱۳)﴾

سورۃ النساء: 13

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

2: ﴿جَزَاءُ ۢمَنْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مَزَاجٌ ۚ وَرَضُوا ۚ اللَّهُ رَاضٍ عَنْهُمْ ۖ وَرَضُوا ۚ عَنَّا ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (۸)﴾

سورۃ البینہ: 8

ترجمہ: ان (اہل ایمان) کا انعام ان کے رب کے ہاں ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان باغات میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ انعامات اس شخص کے لیے ہیں جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

3: امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُجَاءُ بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ كَبْشٌ أَمْلَحُ - زَادَ أَبُو كُرَيْبٍ - فَيُوقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ - وَاتَّفَقَا فِي بَاقِي الْحَدِيثِ - فَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا؟ فَيَشْرِئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا الْمَوْتُ - قَالَ - وَيُقَالُ يَا أَهْلَ النَّارِ! هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا؟ قَالَ: فَيَشْرِئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا الْمَوْتُ - قَالَ - فَيُؤْمَرُ بِهِ فَيَذْبَحُ - قَالَ - ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ". قَالَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الدُّنْيَا.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2849

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن موت کو چنگبرے رنگ کے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا۔ حدیث کے راوی ابو کریم نقل کرتے ہیں کہ پھر اس موت کو جنت اور جہنم کے درمیان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ آگے حدیث کے راوی الفاظ پر متفق ہیں۔ پھر اعلان ہو گا: اے جہنمیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جنتی لوگ اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور عرض کریں گے: جی ہاں! ہم اسے پہچانتے ہیں، یہ موت ہے۔ پھر اعلان ہو گا: اے جہنمیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ لوگ بھی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے کہ ہاں! ہم اسے پہچانتے ہیں، یہ موت ہے۔ پھر اس موت کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر اعلان ہو گا: اے اہل

جنت! (جنت میں) تمہاری ہمیشہ کی زندگی ہے، تمہیں موت کبھی نہیں آئے گی۔ اور اہل جہنم سے کہا جائے گا: اے اہل جہنم! (جہنم میں) تمہاری ہمیشہ کی زندگی ہے، تمہیں بھی موت کبھی نہیں آئے گی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ کہ اے پیغمبر! آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیں جب تمام معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا لیکن یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس بات کو نہیں مانتے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے دنیا کی طرف اشارہ فرمایا۔

ان آیات اور حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جنت کے ہمیشہ رہنے کی دلیل ہے۔

جہنم کا ہمیشہ رہنا:

1: ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ مِنَ النَّارِ وَمَا لَهُمْ بِخُرْجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾ (۳۷)

سورۃ المائدہ: 37

ترجمہ: وہ (کافر) آگ سے نکلنا چاہیں گے لیکن نکل نہیں سکیں گے اور وہاں انہیں دائمی عذاب دیا جائے گا۔

2: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ الْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ (۶)

سورۃ البینہ: 6

ترجمہ: اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تو وہ آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔

ان آیات اور سابق حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جہنم کے ہمیشہ رہنے کی دلیل ہے۔

اشکال: ”جنت و جہنم فنا نہیں ہوں گی“ یہ عقیدہ قرآن کریم کی ان دو آیتوں کے خلاف ہے۔

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۖ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (۲۷)

سورۃ الرحمن: 26

ترجمہ: اس زمین پر جو کوئی ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور صرف تمہارے پروردگار کی جلال والی اور فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (۸۸)

سورۃ القصص: 88

ترجمہ: ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

جواب نمبر 1: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) آیت ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (سورۃ القصص: 88) کو غیر اللہ کے مستحق عبادت نہ ہونے کی دلیل بناتے ہوئے اور مذکورہ اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پس طریقانِ عدم دلیل ہے عدم قدم کی، اور عدم قدم دلیل ہے عدم وجود کی، اور استحقاقِ عبادت کے لیے وجود شرط ہے اور شرط کا فوت؛ مستلزم فوتِ مشروط کو ہے۔ پس اس کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہ ٹھہرا۔ یہ مضمون توحید کا ہو گیا..... ف:

جن روایتوں میں جنت و دوزخ، عرش و کرسی کا فنا نہ ہونا آیا ہے جیسا درِ منشور میں ہے اگر وہ سند صحیح سے ثابت ہو جاویں تو بھی صحتِ دلیل و صحتِ استدلال میں کوئی اشکال نہیں۔ ہالک عام ہو جاوے گا ہالک الذات و ہالک الصفات کو اور صفات سب کی بدلتی

ہیں بالخصوص تقید بالزمان کہ اس سے بجز منزہ مطلق کے کوئی خالی نہیں، پس سب ہالک ہوئے اور محل حوادث چونکہ حادث ہوتا ہے اس لیے سب حادث ہوئے اور حدوث دلیل ہے عدم وجوب کی، پس استدلال بھی عام رہا۔“

تفسیر بیان القرآن: ج 3 ص 105، 106

جواب نمبر 2: فنا کی دو قسمیں ہیں:

1: فنائے امکانی... یعنی ایک چیز کا فنا ہو سکتا

2: فنائے عملی... یعنی ایک چیز کا فنا ہو جانا

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے فنائے امکانی اور فنائے عملی دونوں کی نفی ہے۔ باقی جنت، جہنم وغیرہ کے لیے جو عدم فنا ثابت ہے تو اس سے مراد فناء عملی ہے یعنی عملاً یہ فنا تو نہیں ہوں گی لیکن فنائے امکانی ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو فنا کر سکتے ہیں گو فنا کریں گے نہیں۔

تنقیحات متکلم اسلام

فائدہ نمبر 9:

جنت آسمانوں میں اور جہنم زمین کے نیچے ہے۔

☆ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مِائَتَيْنِهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَسَلُّوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ.

صحیح البخاری: برقم الحدیث 7423

ترجمہ: جنت کے ایک سو درجات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے

تیار کیے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اس لیے جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو! کیونکہ یہ جنت کا بہترین و بلند ترین حصہ ہے۔ اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے، اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔

✽ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (ت 1225ھ) آیت ﴿يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا﴾ (سورۃ النحل: 111) کی تفسیر میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُعَاذِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَدَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ آيْنٍ يُجَاءُ بِجَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: "يُجَاءُ بِهَا مِنَ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ، لَهَا أَلْفُ زَمَامٍ، لِكُلِّ زَمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ تُسَبِّحُ فَإِذَا كَانَتْ مِنَ الْعِبَادَةِ مَسِيرَةَ أَلْفِ سَنَةٍ زَفَرَتْ زَفْرَةً فَلَا يَبْقَى مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ، إِلَّا جَفَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ يَقُولُ: رَبِّ! نَفْسِي نَفْسِي."

التفسیر المظہری: ج 5 ص 383

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا، اس وقت جہنم کی ایک ہزار لگائیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو تسبیح کر رہے ہوں گے۔ جب بندوں تک پہنچنے میں ایک ہزار سال کا فاصلہ رہ جائے گا تو جہنم پھر پڑے گی۔ اس وقت کوئی بھی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل نہ ہو گا جو گھٹنوں کے بل بیٹھ کر نفسی نفسی نہ کہہ رہا ہو۔

✽ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛

وَأَنَّ الْجَنَّةَ فِي السَّمَاءِ، وَإِنَّ النَّارَ فِي الْأَرْضِ.

المستدرک علی الصحیحین: ج 4 ص 612 رقم الحدیث 8698

ترجمہ: جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین کے نیچے ہے۔

فائدہ نمبر 10:

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ (ت 911ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ آٹھ چیزیں اور بھی ہیں جو فنا نہیں ہوں گی، جنت، جہنم، عرش، کرسی، عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی)، ارواح، لوح اور قلم۔ ان آٹھ کو انہوں نے ایک شعر میں جمع کیا ہے۔

چنانچہ شیخ علامہ محمد امین بن عبد اللہ الأرحم العلوی الشافعی رحمہ اللہ (ت 1441ھ / 2019ء) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ شعر نقل کرتے ہیں:

ثَمَانِيَةُ حُكْمِ الْبَقَاءِ يَعْْبُهَا مِنَ الْخَلْقِ وَالْبَاقُونَ فِي حَيْزِ الْعَدَمِ
هِيَ الْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ وَنَارٌ وَجَنَّةٌ وَحَجَبٌ وَأَرْوَاحٌ كَذَا اللَّوْحُ وَالْقَلَمُ

تفسیر حدائق الروح والريحان: ج 21 ص 316 تحت قولہ تعالیٰ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ سورۃ القصص: 88 ترجمہ: آٹھ چیزیں باقی رہیں گی ان کے علاوہ باقی تمام مخلوق فنا ہو جائے گی۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں: عرش، کرسی، جہنم، جنت، ریڑھ کی ہڈی، ارواح، لوح اور قلم۔

فائدہ نمبر 11: جو شخص جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں داخل ہو گا اسے دنیا سے دس گنا بڑی جنت ملے گی۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْ

النَّارِ كَبُورًا فَيَقُولُ اللَّهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلَأَى
فَيَزْجَعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! وَجَدْتُهَا مَلَأَى. فَيَقُولُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا
فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلَأَى فَيَزْجَعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلَأَى. فَيَقُولُ: اذْهَبْ
فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشْرَةَ أَمْثَالِهَا أَوْ إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشْرَةِ أَمْثَالِ
الدُّنْيَا فَيَقُولُ: تَسْخَعُ مِنِّي أَوْ تَضْحَكُ مِنِّي وَأَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَكَانَ يَقُولُ: ذَاكَ أَذْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ
مَنْزِلَةً.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6571، صحیح مسلم: رقم الحدیث 186

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس آدمی کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں جو جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہو گا۔ ایک شخص ہو گا جو جہنم سے گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ شخص جنت کے قریب آئے گا لیکن اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے۔ تو وہ واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پھر فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ دوبارہ جنت کے قریب آئے گا اور اس بار بھی اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت بھری ہوئی ہے۔ وہ واپس جا کر عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! تمہیں دنیا اور اس جیسی دس گناہ جنت دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ یوں فرمائیں گے کہ تمہیں دنیا کی طرح دس گنا دیا جاتا ہے۔ وہ شخص کہے گا: اے اللہ! آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں حالانکہ آپ تو مالک ہیں! حضرت ابن

مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی اور دند ان مبارک ظاہر ہو گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہو گا۔

لطفہ علمیہ:

- ☀ جہاں سکھ اور دکھ دونوں ہوں اسے ”دنیا“ کہتے ہیں۔
- ☀ جہاں صرف سکھ ہوں اسے ”جنت“ کہتے ہیں۔
- ☀ جہاں صرف دکھ ہوں اسے ”جہنم“ کہتے ہیں۔

تنقیحات متکلم اسلام

توحید باری تعالیٰ کا مفہوم

وَاللّٰهُ تَعَالٰی وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِیْقٍ الْعَدَدِ وَلَکِنْ مِنْ طَرِیْقٍ اَنَّهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ کُفُوًا اَحَدٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایک ہے لیکن گنتی کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:) اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

- توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات والاصفات میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا گنتی کے ایک کی طرح نہیں کیونکہ گنتی کا ایک اگرچہ ایک ہے لیکن
- ۱:..... یہ ”ایک“ کبھی ”دو“ کا آدھا ہوتا ہے۔
 - ۲:..... کبھی یہ ”ایک“ نصف، تہائی، چوتھائی وغیرہ میں تقسیم بھی ہو سکتا ہے۔
 - ۳:..... کبھی اس ”ایک“ کے بعد دوسرا عدد بھی آتا ہے۔

گنتی کے اس ”ایک“ کے یہ تمام مفاہیم اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی طرح مناسب و موزوں نہیں۔ اس لیے ایسا ”ایک“ جس کی تجزی و تقسیم ممکن ہو تو یہ حادث ہوتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ حادث ہونے سے پاک ہے۔ ایک کے بعد اگر دوسرے، تیسرے، چوتھے کا وجود ممکن ہو تو ”توحید“ باقی نہ رہے گی جبکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾

سورۃ الانبیاء: 22

ترجمہ: اگر آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور معبود ہوتے تو آسمان و زمین تباہ ہو جاتے۔

اس لیے خدا تعالیٰ کی توحید اور یکتائیت کو گنتی کے ایک کی طرح بیان کرنا درست نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں اور نہ صفات میں۔ توحید کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی سے مستفاد ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (۱) اللَّهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (۴)﴾

سورۃ الاخلاص

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ذات ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

ان آیات کے شانِ نزول میں یہ روایت مروی ہے جسے امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) نے نقل کیا ہے:

عَنْ أَبِي بِنٍ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ الْمُسْهَرِكِينَ قَالُوا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اُنْسِبْ لَنَا رَبَّكَ! فَأَنْزَلَ اللَّهُ: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ (۱) اللَّهُ الصَّمَدُ (۲) ﴿﴾

سنن الترمذی: رقم الحدیث 3364

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اپنے رب کا نسب نامہ بیان کیجیے! تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ (۱) اللَّهُ الصَّمَدُ (۲) ﴿﴾ نازل فرمائیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 671ھ)

لکھتے ہیں:

إِنَّ أَهْلَ التَّفْسِيرِ قَالُوا: نَزَلَتْ الْآيَةُ جَوَابًا لِأَهْلِ الشِّرْكِ لَمَّا قَالُوا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صِفْ لَنَا رَبَّكَ، أَمِنْ ذَهَبٍ أَمْ مِنْ نُحَاسٍ أَمْ مِنْ صُفْرِ؟ فَقَالَ اللَّهُ جَلَّ وَعَزَّ رَدًّا عَلَيْهِمْ: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج 2 ص 3401

ترجمہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ آپ اپنے رب کے بارے میں بتائیں کہ وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے، سونے کا ہے یا تانبے کا ہے یا پیتل کا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کے رد میں یہ سورت نازل فرمائی کہ ”فرما دیجیے! اللہ ایک ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ اس کی ذات ”احد“ ہے یعنی ترکیب، تجزی، تعدد اور دیگر اشیاء کی مشابہت سے یکسر پاک ہے۔ ﴿اللَّهُ أَحَدٌ﴾ میں ذات باری تعالیٰ کی وحدانیت کا تذکرہ فرمایا۔ اس میں مشرکین کے سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ سونے کا بنا ہے نہ تانبے کا اور نہ ہی پیتل کا۔ کیونکہ اجزاء سے ترکیب پانے والی ذات مرکب ہوتی ہے جبکہ اللہ ”احد“ یعنی یکتا ہے اور ترکیب سے پاک ہے۔

آگے ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (۴) میں صفاتِ باری تعالیٰ میں یکثابتیت کا تذکرہ فرمایا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت، اختیارات وغیرہ میں بالکل برابری نہیں کر سکتی۔ یہ صفات میں وحدانیت ہے۔ نیز اس آیت میں مشرکین کے اس سوال کا بھی جواب ہے جو کہتے تھے کہ اپنے رب کا نسب نامہ بیان کریں۔ تو ان کو جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نسب سے پاک ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔

خلاصہ یہ کہ توحید باری تعالیٰ ذات اور صفات دونوں جہت سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی مشابہت سے پاک ہونا

لَا يُشَبِّهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهِ وَلَا يُشَبِّهُ شَيْءًا مِنْ خَلْقِهِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی اس کے مشابہ ہے۔

یعنی جس طرح انسان دیکھنے میں آنکھ کا محتاج ہے، بولنے میں زبان کا محتاج ہے، سننے میں کان کا محتاج ہے اور موجود ہونے میں اپنے جسم اور اجزائے جسم کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ مخلوق سے یکسر مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں لیکن دیکھنے میں آنکھ کے محتاج نہیں، سنتے ہیں لیکن سننے میں کان کے محتاج نہیں اور کلام فرماتے ہیں لیکن کلام فرمانے میں زبان کے محتاج نہیں۔

نوٹ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ید، وجہ، عین، ساق وغیرہ کلمات

استعمال ہوئے ہیں ان کے متعلق وضاحت یہ ہے کہ ان سے مراد اعضائے جسم نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

اشکال: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”لَا يُشَبِّهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهِ“ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں! لیکن قرآن و احادیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوقات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مِثْلُ نُوْرِهِ كَمِثْلِ شَوْكَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۚ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۚ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُوْرٌ عَلَى نُورٍ ۚ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۳۵)﴾

سورۃ النور: 35

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں چراغ رکھا ہو، چراغ ایک شیشے میں ہو (اور) وہ شیشہ چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہو اور وہ چراغ ایک مبارک درخت زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف، (وہ تیل ایسا صاف شفاف ہے کہ) ایسا لگتا ہے کہ اس درخت کا تیل خود بخود روشنی دے گا چاہے آگ اسے نہ بھی لگے، روشنی پر روشنی ہو رہی ہے، اللہ اپنے نور سے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے، اللہ لوگوں لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چراغ کے نور کے مشابہ قرار

دیا ہے۔

جواب نمبر 1: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو عقیدہ ذکر فرمایا ہے یہ قرآن مجید کے موافق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (۱۱)

سورۃ الشوری: ۱۱

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

جواب نمبر 2: یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں: ایک ہے اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کے مشابہ ہونا اور دوسرا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھانے کے لیے مثال دینا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو عقیدہ بیان کیا ہے کہ ”لَا يُشَبِّهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهِ“ (اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی کے مشابہ نہیں) تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے، کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات جیسی نہیں ہو سکتی۔ باقی قرآن مجید میں جو مثال بیان ہوئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو چراغ کے نور کے مشابہ قرار دینے کے لیے بیان نہیں ہوئی بلکہ انسانی عقل و فہم اور بساط کے پیش نظر نور الہی کو محض سمجھانے کے لیے بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرح ہونا اور ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو سمجھانے کے لیے مثال دینا بالکل دوسری چیز ہے۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

فائدہ: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) کا یہ فرمان اس بات کو سمجھنے کے لیے بہت مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں لیکن سمجھانے کے لیے مثال دی جاسکتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے

قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں

لیکن آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں، پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے۔ اور یہی حاصل تھا تمہارے ساتھ بنسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل و قال کی گنجائش نہیں۔“

خطبات حکیم الامت: ج 17 ص 431 عنوان: اقربیت کا مفہوم

اسماء و صفات ذاتیہ و فعلیہ

لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَالْفَعْلِيَّةِ، أَمَّا الذَّاتِيَّةُ فَالْحَيَاةُ وَالْقُدْرَةُ وَالْعِلْمُ وَالْكَلَامُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْإِرَادَةُ وَأَمَّا الْفَعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيقُ وَالتَّرْزِيقُ وَالْإِنْشَاءُ وَالْإِبْدَاعُ وَالصُّنْعُ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِصِفَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ لَمْ يَخْدُثْ لَهُ صِفَةٌ وَلَا اسْمٌ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات ذاتیہ اور فعلیہ کے ساتھ ہمیشہ سے متصف رہا ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ: حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر اور ارادہ ہیں اور صفات فعلیہ میں پیدا کرنا، رزق دینا، وجود عطا کرنا، بغیر نمونہ سابق کے بنانا، خوش اسلوبی و حسن سلیقہ سے بنانا وغیرہ جیسی صفات شامل ہیں جن سے (اللہ تعالیٰ کے) فعل کا صدور معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ان صفات اور اسماء کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث ہے نہ کوئی نام۔

اسمائے باری تعالیٰ سے متعلق چند فوائد:

- فائدہ نمبر 1: اسماء باری دو قسم پر ہیں: ذاتی اور صفاتی
- فائدہ نمبر 2: ذاتی نام صرف ایک ”اللہ“ ہے، باقی تمام اسماء صفاتی ہیں۔
- فائدہ نمبر 3: اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کو ”اسماءِ حسنیٰ“ کہتے ہیں۔
- فائدہ نمبر 4: جو اسماء قرآن و حدیث میں ذات باری تعالیٰ کے لیے استعمال کیے گئے ہیں یا تعامل امت، عرف عام میں ان اسماء کا اطلاق ذات باری پہ کیا گیا ہے تو ان اسماء کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے جائز ہے جیسے سمیع، علیم، قدیم، واجب وغیرہ۔
- فائدہ نمبر 5: وہ اسماء جن کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے قرآن و حدیث یا اجماع سے ثابت نہیں تو ان کے اطلاق کے بارے میں ضابطہ یہ ہے:
- 1: وہ لفظ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی ترجمانی کرتا ہو
 - 2: وہ لفظ غیر اللہ کے ساتھ خاص نہ ہو
 - 3: اس لفظ کے استعمال سے ذات باری کی تنقیص کا پہلو نہ نکلتا ہو
- تو اس اسم کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے جائز ہو گا۔ جیسے لفظ ”خدا“ یہ صفت؛ مالک و رب کا ترجمہ ہے۔
- فائدہ نمبر 6: کفار میں ذات باری کے لئے استعمال ہونے والے اسماء کے بارے میں جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ
- 1: یہ ذاتی ہیں یا صفاتی
 - 2: اور صفاتی ہیں تو صفات میں سے کس صفت کی ترجمانی کرتے ہیں؟
- تو اس وقت تک اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔

فائدہ نمبر 7: غیر عربی زبان کا لفظ کسی صفت کی ترجمانی کرے مگر وہ کفار کا شعار بن چکا ہو تو ایسا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

فقہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (ت 1416ھ) لکھتے ہیں:

”اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جاسکتا جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہل اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں۔“

(فتاویٰ محمودیہ: ج 1 ص 271)

فائدہ نمبر 8: ہر زبان میں ذات باری کے لئے ذاتی نام مقرر ہے۔ ان کا استعمال اسی زبان میں ذات باری کے لئے جائز ہے۔ جیسے فارسی اور اردو میں ”خدا“ اور انگریزی میں ”God“ (بڑی G کے ساتھ)

فائدہ نمبر 9: بعض اسماء ایسے ہیں جو مخلوق پر بھی بولے گئے ہیں جیسے سمیع، بصیر، متکلم وغیرہ۔ مخلوق کے لیے ان اسماء کا معنی یہ ہے کہ مخلوق سننے میں کان کی، دیکھنے میں آنکھ کی، بولنے میں زبان کی محتاج ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یوں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سمیع یعنی سنتے ہیں لیکن کان کے محتاج نہیں، بصیر یعنی دیکھتے ہیں لیکن آنکھ کے محتاج نہیں، متکلم یعنی بولتے ہیں لیکن زبان کے محتاج نہیں۔ تو ان اسماء کا جو معنی مخلوق کے لیے ہے وہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے ہرگز مراد نہیں۔ اس لیے معنی خاص کے اعتبار سے یہ اسماء بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

امام علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحنفی رحمہ اللہ (ت 1088ھ)

فرماتے ہیں:

وَجَازَ التَّسْمِيَةُ بِعَلِيٍّ وَرَشِيدٍ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُرَادُّ فِي حَقِّهَا

غَيْرُ مَا يُرَادُ فِي حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى.

الدر المختار: ج 6 ص 417، فرع يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس
ترجمہ: کسی کا نام اسماء مشترکہ میں سے رکھنا جائز ہے جیسے ”علی“ اور ”رشید“۔ ہمارے
حق میں ان اسماء کا وہ معنی مراد نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر 10: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً غَيْرَ وَاحِدَةٍ مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 3506

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جو انہیں یاد کر لے تو وہ جنت میں داخل ہو
گا۔

وہ مبارک نام یہ ہیں:

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهِيبُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ
الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ
الْمُذِلُّ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ الْحَلِيمُ الْعَظِيمُ الْغَفُورُ
الشَّكُورُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ الْخَفِيزُ الْمُقِيتُ الْحَسِيدُ الْجَلِيلُ الْكَرِيمُ الرَّقِيبُ
الْمُجِيبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيمُ الْوَدُودُ الْمَجِيدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيدُ الْحَقُّ الْوَكِيلُ الْقَوِيُّ
الْمَتِينُ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِئُ الْمُعِيدُ الْمُحْيِي الْمُمِيتُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ
الْوَاحِدُ الْمَبَاجِدُ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُفْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْأَوَّلُ
الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِي الْمُتَعَالِ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنتَقِمُ الْعُزُّوُفُ
مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُفْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ الْمَانِعُ الضَّارُّ

النَّافِعُ النَّوْرُ الْهَادِي الْبَدِيْعُ الْبَاقِي الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ.

اس حدیث مبارک میں اسمائے باری تعالیٰ کا حصر مقصود نہیں بلکہ محض ان اسماء کے حفظ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ان ننانوے کے علاوہ اور بھی ہیں۔ اس لیے ان اسماء کو یاد کرنے کی کوشش کی جائے۔

فائدہ نمبر 11: اسماءِ حسنیٰ کو ”یا“ حرفِ ندا اور بغیر حرفِ ندا کے دونوں طرح پڑھنا بلا کر اہتِ درست اور جائز ہے۔

فائدہ نمبر 12: اسمائے حسنیٰ میں سے کون سے اسماء بندوں کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں اور کون سے نہیں؟ اس کی تفصیل کے لیے درج ذیل امور ملاحظہ ہوں:

[1]: اسم ذات (لفظ ”اللہ“) کا استعمال صرف باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، مخلوق کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

[2]: وہ اسمائے حسنیٰ جن کا استعمال صرف اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات کے لیے ہوتا ہے تو ان کا حکم یہ ہے کہ ان کا استعمال صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے، مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔ جیسے الرحمن، القدوس، الرزاق، الخلاق، الصمد، الحق، القيوم وغیرہ۔

[3]: بعض اسمائے حسنیٰ مشترک ہیں یعنی ان کا استعمال ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے بھی کیا گیا ہے اور قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور تعاملِ امت میں ان کا استعمال مخلوق کے لیے بھی کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان اسماء کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جائز ہے اور مخلوق کے لیے بھی جائز ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حق میں ان کا معنی الگ ہو گا اور مخلوق کے حق میں ان کا معنی الگ ہو گا۔ جیسے رحیم، کریم، رشید، ہادی، حکیم، علیم وغیرہ۔

[4]: وہ اسمائے حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات کے لیے بھی مستعمل نہیں،

اور قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور تعامل امت میں بھی مخلوق کے لیے استعمال نہیں ہوئے تو ان کا حکم یہ ہے کہ مخلوق کے لیے ان اسماء کو استعمال کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

صفاتِ باری تعالیٰ:

صفاتِ محکمات کی دو قسمیں ہیں: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔

صفاتِ ذاتیہ

ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو۔

یہ صفات سات ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

اللہ تعالیٰ صفتِ حیات کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”موت“ کے ساتھ نہیں۔

صفتِ علم کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”جہل“ کے ساتھ نہیں۔

صفتِ قدرت کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”عجز“ کے ساتھ نہیں۔

صفتِ ارادہ (عزم و یقین) کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد تردد و بے یقینی کے ساتھ نہیں۔

صفتِ سمع کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”صَمّ“ (بہر اپن) کے ساتھ نہیں۔

صفتِ بصر کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”عَمی“ (نا بینا پن) کے ساتھ نہیں۔

صفتِ کلام کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”بَکَمّ“ (گو نگا پن) کے

ساتھ نہیں۔

[1]: حیات

زندہ ہونا۔ اس کی ضد یعنی ”موت“ سے اللہ تعالیٰ پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾

سورة البقرة: 255

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ سے زندہ اور سب کو تھامنے والا ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننا شرک ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت حیات میں شراکت لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہمیشہ زندہ ہوں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبر، حشر اور جنت میں زندہ ہوں۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننے سے اللہ تعالیٰ کی صفت حیات میں شراکت لازم نہیں آتی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں دو فرق ہیں:

پہلا فرق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ازلی (یعنی ایسی حیات جو ہمیشہ سے ہو) نہیں ہے بلکہ ابدی (یعنی ہمیشہ رہنے والی) ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی حیات ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے۔ نیز یہ ابدی حیات تو جنت میں ہر مسلمان کو حاصل ہو گی۔

دوسرا فرق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات انقطاع کے ساتھ ہے جب

کہ اللہ تعالیٰ کی حیات بغیر انقطاع کے ہے۔

اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں اور اہل جنت کو جنت میں زندہ ماننے سے اللہ تعالیٰ کی صفت حیات میں شراکت لازم نہیں آتی۔

[2]: قدرت

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۲۰)

سورة البقرة: 20

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

فائدہ:

یہاں ایک بات بطور فائدہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اس قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے، واجبات اور محالات کے ساتھ نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ واجب اور محال میں اپنے ماسوا کی تاثیر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ جیسے سورج میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو گرم کرتا ہے لیکن ایسا سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون جولائی کی گرمی میں عین دوپہر کے وقت بھی ٹھنڈا رہتا ہے۔ اس لیے جب کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو یہ سوال پیدا نہ ہونا چاہیے کہ جب قادر ہے تو کیا اپنے جیسا اور خدا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے یا اپنی ذات کو ختم کرنے پر بھی قادر ہے؟- العیاذ باللہ- اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب ہے اور خدائی صفات رکھنے والے کسی اور ”خدا“ کا وجود ممتنع اور محال ہے۔ اس لیے قدرت کا تعلق

ان کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ سوال ہی بے جا تصور ہو گا۔

[3]: علم

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا نہیں فرمایا تھا تب بھی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ کس کس مخلوق کو پیدا کروں گا اور وہ کیا کام کرے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ازل سے لے کر اب تک کے تمام واقعات و احوال کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾

سورۃ آل عمران: 29

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

[4]: کلام

صفت کلام اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہے۔ جسے ”کلام نفسی“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يٰمُوسٰى اِنِّىْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلَتِيْ وَبِكَلامِىْ﴾

سورۃ الاعراف: 144

ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے اپنا پیغام پہنچانے اور کلام کرنے کے لیے لوگوں میں سے آپ کو چنا ہے۔

کلام اصل میں ”کلام نفسی“ ہی ہوتا ہے۔ کلام لفظی اس کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے۔

معروف شاعر غیاث بن غوث تغلبی المعروف اخطل (ت 98ھ) کا شعر ہے:

إِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ وَإِنَّمَا
جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيلًا

شرح المقاصد: ج 2 ص 102

ترجمہ: کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کے اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے۔
کلام نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی بھی قدیم ہے اور اس پر الفاظ و حروف کا لباس بھی قدیم ہے البتہ مخلوق کا اس کو پڑھنا اور کتابت کرنا حادث ہے۔
یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مخلوق بھی کلام کرتی ہے اور باری تعالیٰ بھی کلام کرتے ہیں لیکن مخلوق کا کلام کرنا زبان، الفاظ، آواز وغیرہ کا محتاج ہے۔ اگر زبان نہ ہو، الفاظ نہ ہوں یا آواز نہ ہو تو مخلوق کلام نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا ایسے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں لیکن زبان، الفاظ اور آواز کے محتاج نہیں۔
فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (۱۱)

سورۃ الشوریٰ: ۱۱

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

[5]: سمع

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی نداء کو سنتے ہیں۔ یہ سننا بھی مخلوق کے سننے کی طرح نہیں کیونکہ مخلوق سننے میں کان کی محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بغیر کان کے سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (۲۲۴)

سورۃ البقرہ: ۲۲۴

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

[6]: بصر

مخلوق دیکھنے میں آنکھ اور بینائی کی محتاج ہے لیکن باری تعالیٰ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں لیکن آنکھ اور قوت بصر کے محتاج نہیں بلکہ بغیر آنکھ کے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ﴾ (۱۹)

سورۃ الملک: 19

ترجمہ: بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

[7]: ارادہ

اللہ تعالیٰ اپنے ارادے میں کسی زمان و مکان یا مخلوق کے پابند و محتاج نہیں بلکہ جس چیز کا جب ارادہ فرمائیں فرما سکتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائیں کہ فلاں شخص کو فلاں زمانے میں پیدا کرنا ہے تو یہ ارادہ مخلوق کا پابند نہیں کہ مخلوق چاہے گی تب فلاں شخص فلاں زمانے میں پیدا ہو گا بلکہ یہ ارادہ مخلوق کی پابندی اور احتیاجی کے بغیر ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ﴾ (۱۶)

سورۃ البروج: 16

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۸۲)

سورۃ یسین: 82

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

اشکال: اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرما کر لفظ ”کُنْ“ ارشاد فرماتے ہیں تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً اللہ تعالیٰ کسی ماں کو بیٹا عطا کرنے کا ارادہ فرمائیں تو بچے کی پیدائش میں نو ماہ لگ جاتے ہیں۔ آسمان و زمین کو پیدا فرمانے کے لیے لفظ ”کُنْ“ فرمایا تھا تو فوراً بننا چاہیے تھا حالانکہ آسمان و زمین چھ دنوں میں بنے ہیں کما قال تعالیٰ:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾

سورة الاعراف: 54

ترجمہ: آپ کا رب وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔
جواب: اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہوئے لفظ ”کُنْ“ ارشاد فرماتے ہیں تو اس میں اس چیز کے وقوع پذیر ہونے کی مدت بھی ملحوظ ہوتی ہے۔ جیسے کسی عورت کو بچہ عطا فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو لفظ ”کُنْ“ ارشاد فرماتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ بچہ مثلاً نو ماہ میں پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جب آسمان و زمین کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو لفظ ”کُنْ“ کہنے میں چھ دنوں کی مدت بھی ملحوظ تھی۔ تو ارادہ کرنے میں لفظ ”کُنْ“ فرماتے ہوئے مدت بھی ملحوظ ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ: وَأَمَّا الْفِعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيقُ وَالْتَّزْيِيقُ وَالْإِنْشَاءُ

صفات فعلیہ:

وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہو لیکن ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہوتا ہو۔ صفات فعلیہ کئی ہیں جن

میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

[1]: تخلیق

تخلیق کا معنی ہے ”پیدا کرنا“۔ تخلیق سے مراد ایسی پیدائش عمل میں لانا ہے جس میں مخلوق کے متعلقات و ضروریات کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً جب انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی جسمانی ساخت، سر، دھڑ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ، اسی طرح رزق، عزت، ذلت، بلندی، پستی جیسی چیزوں کو بھی مقرر فرمایا۔ نیز مخلوقات کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کی پیدائش بھی صفتِ تخلیق میں ملحوظ ہوتی ہے۔

اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ملتا ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (۴۹)﴾

سورۃ القمر: 49

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کر پیدا فرمایا ہے۔
اسی طرح سے صفتِ تخلیق میں یہ بات بھی ملحوظ ہوتی ہے کہ جس چیز کو پیدا کیا جا رہا ہے اس کی کوئی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ بغیر کسی مثال کے اشیاء کو بنانا تخلیق ہے۔
اس معنی کی طرف اشارہ اس آیت میں موجود ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾

سورۃ الانعام: 1

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا (ان کی پیدائش سے پہلے کوئی مثال موجود نہ تھی)

اس لیے صفتِ تخلیق کا معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو ان کے متعلقات و ضروریات کے ساتھ پیدا فرمایا اور ایسی پیدائش عمل میں لائے کہ جس کی مثال پہلے موجود نہ تھی۔

فائدہ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صفت ”تخلیق“ ذکر فرمائی ہے نہ کہ صفت ”خلق“۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ”خلق“ کا لفظ اگرچہ فعل کے معنی میں بھی مستعمل ہے لیکن اس سے معنی مفعول ”مخلوق“ بھی مراد لیا جاتا ہے لیکن چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد محض فعل کو بیان کرنا تھا اس لیے لفظ ”تخلیق“ ذکر فرمایا ہے۔

[2]: تریق

”رزق عطا کرنا“۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو رزق عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قَاتِلُوا نَفْسُكُمُ الْوَارِثِينَ﴾ (۳)

سورۃ الفاطر: 3

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور تمہارا خالق ہے جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تو تم کہاں بھکے جاتے ہو؟

[3]: انشاء

”انشاء“ سے مراد ایسی پیدائش ہے جس میں مخلوق کو وجود میں لانے کے ساتھ ساتھ اس میں نمو اور افزائش کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا کر اس کی نشوونما اور افزائش کا بھی خیال فرمائیں تو یہ صفت ”انشاء“ کا اظہار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ (۲۳)

سورۃ الملک: 23

ترجمہ: فرمادیجئے کہ وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے لیکن تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو!

فائدہ: ”انشاء“ کا ایک معنی مطلق پیدا کرنا بھی ہے چاہے اس چیز کا مواد اور نقشہ پہلے سے موجود ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (۷۹)﴾

سورة یسین: 79

ترجمہ: آپ فرمادیجئے ان (بوسیدہ ہڈیوں) کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا تھا اور وہ تخلیق کے متعلق تمام امور جانتا ہے۔

یہاں ”انشاء“ کا لفظ اس پیدائش پر بولا گیا ہے جس کی مثال پہلے موجود نہیں تھی۔ مواد اور مثال پہلے موجود ہو پھر پیدا کیا جائے اس بارے میں یہ ارشاد ملاحظہ ہو:

﴿وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْآخِرَى (۴۷)﴾

سورة النجم: 47

ترجمہ: اور دوسری مرتبہ زندگی دینے کی ذمہ داری بھی خدا کے سپرد ہے۔

انسان اجزاء میں تبدیل ہو جائے تو انہی اجزاء کو دوبارہ جمع کر کے سابقہ شکل میں لانا خدا تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ جس شخص کو حیاتِ نو عطا کی جائے گی اس کا مادہ اور شکل و صورت پہلے سے موجود ہوگی۔

[4]: ابداع

کسی چیز کو از سر نو پیدا کرنا یعنی کسی چیز کا نمونہ پہلے موجود نہ ہو تو اسے وجود عطا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

سورة البقرة: 117

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ ہی ہے) جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔

[5]: صنع

کسی چیز کو حسن سلیقہ اور کارگیری سے بنانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿صُنَعَ اللَّهُ الَّذِي اتَّقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾

سورۃ النمل: 88

ترجمہ: (یہ تمام چیزیں) اللہ تعالیٰ کی کارگیری ہیں جس نے ہر چیز کو حسن سلیقہ سے پیدا فرمایا۔

تخلیق، انشاء، ابداع اور صنع میں فرق

تمام ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ”تخلیق“ ہے۔

بڑھوتری اور نمو کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ”انشاء“ ہے۔

بغیر کسی سابق نمونہ کے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ”ابداع“ ہے۔

کسی چیز کو حسن سلیقہ سے عدم سے وجود میں لانا ”صنع“ ہے۔

قَوْلُهُ: وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صفات فعلیہ میں سے پانچ صفات ذکر فرما کر باقی

صفات کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ جس طرح یہ صفات ہیں اسی طرح اور صفات فعلیہ

بھی موجود ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہیں۔ دیگر صفات میں احیاء (زندہ

کرنے)، اِمانت (مارنا)، اِنْبَات (پیدا کرنا)، اِهداء (ہدایت دینا)، اِضلال (گمراہ کرنا)،

اعزاز (عزت دینا) اور اِذلال (ذلت دینا)، اِنماء (پرورش کرنا اور بڑھانا)، اِرواء

(سیراب کرنا) وغیرہ جیسی صفات شامل ہیں۔

سوال: بعض صفات ایسی ہیں جو متشابہات بھی نہیں ہیں اور محکمات کی دونوں قسموں

یعنی ذاتیہ اور فعلیہ کے ساتھ بھی نہیں آتیں۔ مثلاً حکیم اور خبیر۔ اب یہ متشابہات بھی نہیں ہیں کیونکہ ان کا معنی واضح ہے اور انہیں محکمات بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ صفات ذاتیہ بھی نہیں کیونکہ ذاتیہ تو سات ہیں اور یہ صفات فعلیہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ صفت حکیم اور صفت خبیر کی ضد کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے۔ تو ان صفات کو کون سی صفات کہیں گے؟

جواب: یہ جو سات صفات ذاتیہ ہیں یہ ”ام الصفات“ ہیں، باقی تمام صفات جو متشابہات نہیں اور محکمات فعلیہ بھی نہیں وہ ان سات صفات ذاتیہ کے تحت داخل ہو جائیں گی جیسے صفت خبیر، علیم یہ صفت ”علم“ کے تحت داخل ہیں۔

قَوْلُهُ: لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِصِفَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات ذاتیہ مثلاً حیات، قدرت، علم وغیرہ کے ساتھ ہمیشہ سے متصف رہا ہے۔ کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو موجود ہو لیکن اس میں حیات نہ ہو۔ معاذ اللہ۔ یا قدرت اور علم سے متصف نہ رہا ہو... ایسا ہر گز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے۔ نیز صفات فعلیہ سے بھی ہمیشہ متصف رہا ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔

قَوْلُهُ: لَمْ يَحْدُثْ لَهُ صِفَةٌ وَلَا اسْمٌ

اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء بھی قدیم ہیں۔

دلیل نمبر 1: اگر اللہ تعالیٰ کی صفات کو قدیم نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ پر ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود تھے لیکن صفت علم نہ تھی۔ معاذ اللہ۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ کا صفات کمال کے بغیر ہونا لازم آئے گا اور یہ نقص ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہے۔

دلیل نمبر 2: اگر یہ کہا جائے کہ فلاں صفت اللہ تعالیٰ میں پہلے نہ تھی، بعد میں پیدا ہوئی ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ میں یہ صفت کسی عارض کی بنا پر نہ تھی، وہ عارض رفع ہوا یا موجود ہوا تب یہ صفت ظاہر ہوئی۔ تو اس میں احتیاج لازم آئے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ محتاجی سے پاک صمد اور بے نیاز ذات ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو تمام صفات و اسماء کے ساتھ ازلی اور ابدی ماننا لازم ہے اور یہ ماننا بھی لازم ہے کہ کوئی صفت ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ میں پہلے نہ ہو بعد میں پیدا ہوئی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کو تمام صفات کے ساتھ قدیم ماننا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ازلی ہونا

لَمْ يَزَلْ عَالِمًا بِعِلْمِهِ وَالْعِلْمُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَقَادِرًا بِقُدْرَتِهِ وَالْقُدْرَةُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَمُتَكَلِّمًا بِكَلَامِهِ وَالْكَلَامُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَخَالِقًا بِتَخْلِيلِهِ وَالتَّخْلِيلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَفَاعِلًا بِفِعْلِهِ وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْفَاعِلُ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْمَفْعُولُ مَخْلُوقٌ وَفَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى غَيْرَ مَخْلُوقٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے علم کے ساتھ موصوف ہو کر عالم رہا ہے اور علم اس کی ازلی (دائمی) صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی قدرت کے ساتھ موصوف ہو کر قادر رہا ہے اور قدرت اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے کلام کے ساتھ موصوف ہو کر متکلم رہا ہے اور کلام اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی صفت تخلیق کے ساتھ موصوف رہ کر خالق رہا ہے اور تخلیق اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے فعل کے ساتھ موصوف ہو کر فاعل رہا ہے اور فعل اس کی ازلی صفت ہے۔ فاعل خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، فعل اس کی ازلی صفت ہے اور مفعول مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق نہیں ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے قدیم ہونے کو تفصیل سے بیان فرما رہے ہیں۔ ماقبل میں دو قسم کی صفات کا تذکرہ کیا تھا: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔ ان ہر دو قسم کی صفات کا تعلق چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے اس لیے ذات کی طرح یہ صفات بھی قدیم اور ازلی ہیں۔ چنانچہ علم، قدرت، کلام، تخلیق وغیرہ ایسی صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے موصوف رہا ہے اور یہ صفات ازلی اور دائمی ہیں۔

وضاحت:

یہاں ایک بات کی وضاحت امام صاحب نے فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی فعل سرانجام دیتے ہیں تو ذاتِ باری تعالیٰ ”فاعل“ ہوئے اور جو فعل سرانجام دیا وہ ”صفت“ ہوئی۔ یہ صفت ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہونے کی وجہ سے ازلی ہے البتہ فعل کا صدور جس چیز پر واقع ہوا ہے یعنی ”مفعول“ وہ یقیناً حادث ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ خالق ہیں، تخلیق کا فعل یہ صفتِ باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اس صفت کے ساتھ موصوف ہیں اس لیے صفتِ تخلیق قدیم ہوئی البتہ جب اس صفت کا اظہار ہوا اور مخلوق معرض وجود میں آئی تو مخلوق حادث ٹھہری۔ ”مخلوق“ کے حادث ہونے کی بنا پر ذاتِ باری تعالیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ حادث نہیں کہلائیں گے بلکہ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ قدیم ہی ہوں گے۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کی باقی صفات کا ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ کا مخلوق نہ ہونا

وَصِفَاتُهُ فِي الْأَزَلِ غَيْرُ مُحَدَّثَةٍ وَلَا مَخْلُوقَةٍ وَمَنْ قَالَ إِنَّهَا مَخْلُوقَةٌ أَوْ مُحَدَّثَةٌ أَوْ وَقَفَ أَوْ شَكَّ فِيهَا فَهُوَ كَافِرٌ بِاللَّهِ تَعَالَى

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی ہیں، نہ حادث ہیں نہ مخلوق۔ اس لیے جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق ہیں یا حادث ہیں، یا ان کے بارے میں توقف اختیار کرے یا ان میں کسی قسم کا شک و شبہ ظاہر کرے تو ایسا شخص کافر اور خدا تعالیٰ کا منکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح ازلی ہیں۔ اگر ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ صفات بعد میں پیدا ہوئی ہیں، ازل سے موجود نہ تھیں یا اس بارے میں توقف کیا جائے یعنی خاموشی اختیار کی جائے یا شک کیا جائے کہ نامعلوم یہ ازلی ہیں یا بعد میں پیدا ہوئی ہیں تو یہ موقف ذاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرنے کے مترادف ہے اور کفر ہے۔

سوال:

ایک شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق یا محدث مانے یا اس بارے میں توقف یا شک کرے کہ نامعلوم یہ مخلوق ہیں یا نہیں تو یہ ذاتِ باری تعالیٰ کا انکار کیسے ہے؟ کیونکہ یہ شخص ذات کو تو مان رہا ہے۔

جواب:

صفاتِ باری تعالیٰ کے مخلوق ہونے کا عقیدہ یا ان کے ازلی ہونے میں توقف اور شک کا اعتقاد رکھنا دراصل باری تعالیٰ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ ذات

باری تعالیٰ کسی وقت صفاتِ کمال سے متصف نہ تھے اور یہ بات یقیناً باری تعالیٰ کو باکمال نہ ماننے کے مترادف ہے، اس لیے اس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کو باکمال ماننے کا انکار ہے۔

فائدہ:

اس عبارت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر بھی تنبیہ فرما رہے ہیں کہ عقیدے کے معاملے میں انسان کو شکوک و شبہات اور توقفات سے بالکل دور رہنا چاہیے۔ صحیح عقیدہ کی حقانیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے دل سے اسے تسلیم کرنے میں ہی نجات اور کامیابی ہے۔

قرآن مجید کی تعریف

وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَفِي الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ وَعَلَى
الْأَلْسِنِ مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُنْزَلٌ

ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مصاحف میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں کے ذریعے اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

قَوْلُهُ: كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى

فائدہ نمبر 1: قرآن کریم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

فائدہ نمبر 2: کلام اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے۔

فائدہ نمبر 3: ”کلام اللہ“ ازلی اور قدیم ہے۔ اس لیے قرآن مجید بھی صفتِ باری تعالیٰ ہونے کی وجہ سے ازلی اور قدیم ہے۔

قَوْلُهُ: فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ

فائدہ نمبر 1: ”مصاحف“ مصحف کی جمع ہے۔ ”مصحف“ سے مراد اوراق کا وہ مجموعہ ہے جس میں قرآن مجید کو لکھا گیا تھا۔

فائدہ نمبر 2: ”الْمَصَاحِفِ“ پر الف لام عہد خارجی کا ہے۔

فائدہ نمبر 3: المصاحف سے مراد سات مشہور مصاحف ہیں جو قراء سبعہ نے جمع کیے ہیں۔

قراء سبعہ کا تعارف:

[1]: قاری عبد اللہ بن عامر بن یزید الیخصیبی الدمشقی الشافعی رحمہ اللہ (ت 118ھ)

آپ کی قرأت کو روایت کرنے والے دوراوی یہ ہیں:

۱... امام عبد اللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان القرشی الدمشقی رحمہ اللہ (ت 242ھ)

۲... امام ابو الولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرۃ السلمی الدمشقی رحمہ اللہ

(ت 245ھ)

[2]: قاری ابو معبد عبد اللہ بن کثیر بن عمرو الداری المکی رحمہ اللہ (ت 120ھ)

آپ کی قرأت کو روایت کرنے والے دوراوی یہ ہیں:

۱.... امام احمد بن محمد بن عبد اللہ البیہقی رحمہ اللہ (ت 250ھ)

۲.... امام محمد بن عبد الرحمن بن محمد المکی الخزومی المعروف ”قنبل“ رحمہ اللہ

(ت 291ھ)

[3]: قاری عاصم بن أبی التَّجُود الاسدی الکوفی رحمہ اللہ (ت 127ھ)

آپ کی قرأت کو روایت کرنے والے دوراوی یہ ہیں:

۱... امام حفص بن سلیمان بن مغیرہ بن الاسدی الکوفی رحمہ اللہ (ت 180ھ)

۲... امام ابو بکر شعبہ بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی رحمہ اللہ (ت 193ھ)

[4]: قاری ابو عمرو زَبَّان بن العلاء بن عمار البصری رحمہ اللہ (ت 154ھ)

آپ کی قرأت کو روایت کرنے والے دوراوی یہ ہیں:

۱... امام ابو عمر حفص بن عمر بن عبد العزیز الدوری الازدی رحمہ اللہ (ت 246ھ)

۲.... امام صالح بن زیاد بن عبد اللہ بن سوسی رحمہ اللہ (ت 261ھ)

[5]: قاری حمزہ بن حبیب بن عمار الزیات الکوفی رحمہ اللہ (ت 156ھ)

آپ کی قرأت کو روایت کرنے والے دوراوی یہ ہیں:

۱... امام ابو عیسیٰ خلاد بن خالد الشیبانی الکوفی رحمہ اللہ (ت 220ھ)

۲... امام ابو محمد خلف بن ہشام بن ثعلب الاسدی البغدادی البزار رحمہ اللہ

(ت 229ھ)

[6]: قاری ابو زؤیم نافع بن عبد الرحمن اللیثی المدنی رحمہ اللہ (ت 169ھ)

آپ کی قرأت کو روایت کرنے والے دوراوی یہ ہیں:

۱... امام عیسیٰ بن مہینا بن وَرْدَان قالون رحمہ اللہ (ت 220ھ)

۲... امام عثمان بن سعید بن عبد اللہ ورش رحمہ اللہ (ت 197ھ)

[7]: امام ابو الحسن علی بن حمزہ الکسائی النخوی الکوفی رحمہ اللہ (ت 189ھ)

آپ کی قرأت کو روایت کرنے والے دوراوی یہ ہیں:

۱.... ابو الحارث لیث بن خالد مروزی بغدادی رحمہ اللہ (ت 240ھ)

۲.... امام ابو عمر حفص بن عمر بن عبد العزیز الدوری الازدی رحمہ اللہ (ت 246ھ)

فائدہ نمبر 5: ”فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ“ کی قید کا فائدہ یہ ہے اس سے وہ آیات قرآن ہونے سے خارج ہو گئیں جن کی تلاوت تو منسوخ ہے لیکن حکم منسوخ نہیں۔

مثال نمبر 1: ”الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنِيَا فَأَرْجُوهُمَا أَلْبَيْتَةً“ اس لیے کہ یہ آیت ان مصاحف میں نہیں لکھی گئی۔

مثال نمبر 2: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں سورۃ المائدہ آیت نمبر 89 ”فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ“ میں یہ الفاظ منقول ہیں:

”فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ“

اس قرأت میں ”مُتَتَابِعَاتٍ“ (پے درپے روزے رکھنا) کے الفاظ چونکہ ان سات مصاحف میں لکھے ہوئے نہیں ہیں اس لیے انہیں قرآن نہیں کہیں گے۔

قَوْلُهُ: وَفِي الْقُلُوبِ مُحْفُوظٌ

قرآن کریم وہ ہے جو دلوں میں محفوظ ہے۔ یعنی دل حافظہ کا مرکز ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْحَرِبِ".

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2913

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پیٹ (دل) میں قرآن شریف کا کوئی حصہ محفوظ نہیں وہ (دل) بمنزل ویران گھر کے ہے۔

اس حدیث میں ”فِي جَوْفِهِ“ (پیٹ میں) کا لفظ ہے حالانکہ مراد اس سے ”فِي قَلْبِهِ“ (دل میں) یہ ایسے ہی ہے جیسے کلام عرب میں ظرف بول کر مظهر و مراد لیا جائے۔ مثلاً ”النهر جار“ نہر بہہ رہی ہے حالانکہ بہتا پانی ہے۔ بالکل اسی طرح مقصود دل میں محفوظ ہونے کو بیان کرنا تھا تو لفظ ”جوف“ (پیٹ) لائے تو یہاں بھی ظرف (پیٹ) بول کر مظهر و (دل) مراد لیا گیا ہے۔

حافظہ کا مرکز؛ دل یا دماغ؟

حافظہ کا مرکز دل ہے یا دماغ؟ اس حوالے سے ہماری رائے یہ ہے کہ دماغ میں محفوظ ہونے کو عرف میں دل میں محفوظ ہونا کہہ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دماغ تمام حواس کا مرکز ہے۔ جب کسی سے کوئی بات کہی جائے تو سننا کان کا کام ہے لیکن سنی ہوئی چیز دماغ کو منتقل ہو جاتی ہے۔ دیکھتی آنکھ ہے لیکن دیکھی ہوئی چیز دماغ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حواس خمسہ ظاہرہ سے حاصل شدہ چیزیں دماغ میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اب اگر دماغ اس منتقل شدہ چیز کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہوئے دوسری جگہ محفوظ رکھنے کے لیے دل کے حوالے بھی کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ چونکہ دماغ اور دل کا باہمی ربط قوی ہے اس لیے دل میں فہم اور حفظ کی صلاحیت بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب دماغ کام کر رہا ہو اور بیدار ہو۔ اس لیے باوجودیکہ سمجھتا دل ہے لیکن اس ربط کی وجہ سے فہم کی نسبت بعض مرتبہ دماغ کی طرف بھی کر دی جاتی ہے جیسے کم فہم شخص کو کہہ دیا جاتا ہے کہ ”تیرا دماغ نہیں، اس لیے تو بات نہیں سمجھتا!“ مقصد یہ ہوتا ہے کہ دماغ کے بغیر دل سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

تو قرآن پاک کان کے واسطے سے دماغ میں منتقل ہو اور دماغ اسے اپنے پاس محفوظ رکھتے ہوئے دل کے حوالے کر دے اور یہ دل بھی اسے محفوظ رکھ لے تو یہ عین

ممکن ہے۔

قَوْلُهُ: وَعَلَى اللِّسَنِ مَقْرُوءٌ

فائدہ نمبر 1: قرآن مجید کی زبان کے ذریعے تلاوت کی جاتی ہے۔

فائدہ نمبر 2: قرآن مجید کی تلاوت حروف اور کلمات سے کی جاتی ہے۔

قَوْلُهُ: وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُنْزَلٌ

قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

فائدہ نمبر 1: ”مُنْزَلٌ“ کا لفظ تنزیل سے ہے۔ اس کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے

اتارنا ہوا۔ قرآن مجید بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے ضرورت و مصلحت کے تحت مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا ہے۔

فائدہ نمبر 2: ”مُنْزَلٌ“ کی قید سے غیر آسمانی کتابوں کو خارج کر دیا گیا۔

فائدہ نمبر 3: ”عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ“ کی قید سے ان کتب

سماویہ کو خارج کر دیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں جیسے تورات، زبور اور انجیل۔

فائدہ نمبر 4: قرآن کریم نے اپنے نزول کے لیے دو قسم کے الفاظ بیان کیے

ہیں: انزال اور تنزیل

انزال:

”انزال“ کا معنی ”یکبارگی اتارنا“۔ قرآن کریم میں جہاں انزال کا لفظ ذکر

ہوا ہے اس سے مراد قرآن کریم کا ”لوح محفوظ“ سے آسمان دنیا کی طرف نزول ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۳)﴾

سورة القدر: 1

ترجمہ: ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اتارا۔

تنزیل:

لفظ ”تنزیل“ تدْرِیجی (موقع بہوقع) نزول کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں تنزیل کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں قرآن کریم کا بیت العزت یعنی آسمان دنیا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی طرف نزول مراد ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ (۹۷)﴾

سورة البقرة: 97

ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیجیے کہ جو کوئی جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو تو اسے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جبریل نے تو یہ کلام اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر اتارا ہے جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتب کی تصدیق کرتا ہے اور مؤمنین کے لیے سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (ت 360ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ قَالَ: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ مُجَلَّةً وَاحِدَةً حَتَّى وُضِعَ فِي بَيْتِ الْعِزَّةِ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَنَزَّلَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

المعجم الکبیر للطبرانی: ج 6 ص 32 رقم الحدیث: 12213

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ القدر کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (لوح محفوظ سے) مکمل قرآن کریم آسمان دنیا کے بیت العزۃ میں اتارا گیا پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام (واقعات کے مطابق موقع بموقع) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔

فائدہ نمبر 5: قرآنی آیات کی ترتیب دو قسم کی ہے: ترتیب نزولی اور ترتیب وضعی۔

ترتیب نزولی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، پھر سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے جس ترتیب سے آیات نازل ہوتی رہیں اس ترتیب کو ”ترتیب نزولی“ کہتے ہیں۔ ترتیب نزولی کے اعتبار سے پہلی وحی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ یہ سب سے پہلے نازل ہوئیں۔

﴿اِفْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲) اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ (۳) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۵)﴾
تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 6 ص 492

ترتیب نزولی کے اعتبار سے آخری آیت سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 281 ہے ﴿وَ اتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 1 ص 157، الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ج 1 ص 65

ترتیب وضعی: قرآن مجید کے نزول کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم فرماتے تھے کہ اس سورت کو فلاں سورت سے پہلے یا بعد میں رکھ لیں۔ اس آیت کو فلاں آیت کے آگے یا پیچھے رکھ دیں۔ یہ ترتیب وضعی ہے۔ اس ترتیب کے اعتبار سے

سورۃ الفاتحہ پہلی سورت ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (۱) الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (۲) مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (۳) اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (۴) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (۵) صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۚ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّالِّیْنَ (۷) ﴿

اور آخری سورت سورۃ الناس ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱) مَلِکِ النَّاسِ (۲) اِلٰهِ النَّاسِ (۳) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۴) الَّذِیْ یُوسِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (۵) مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ (۶)﴾

فائدہ نمبر 6: قرآن کریم کے پانچ نام ہیں جو درج ذیل آیات میں مذکور ہیں:

1: الكتاب:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ (۲)

سورۃ البقرۃ: 2

ترجمہ: یہ (قرآن کریم) ایسی کتاب ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ باعث ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

2: الذکر:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (۹)

سورۃ الحجر: 9

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ یہ ذکر (قرآن کریم) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

3: القرآن:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ (۹)

سورة الاسراء: 9

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور جو لوگ (اس قرآن کریم پر) ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں یہ (قرآن) انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

4: الفرقان:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا﴾ (۱)

سورة الفرقان: 1

ترجمہ: بہت برکتیں دینے والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے والی یہ کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ دنیا جہان کے لوگوں کو باخبر کر سکے۔

5: التنزيل:

﴿تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ (۵)

سورة البقرہ: 5

ترجمہ: یہ (قرآن کریم) اس ذات کی طرف سے اتارا جا رہا ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے اور اس کی رحمت بھی کامل ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے قرآن کریم کے نام زیادہ ذکر فرمائے ہیں۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ

(ت 911ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو الْمَعَالِي عَزِيزِيُّ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمَعْرُوفُ بِ"شَيْذَلَةَ" فِي كِتَابِ الْبُرْهَانِ: أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ سَمَّى الْقُرْآنَ بِخَمْسَةِ وَخَمْسِينَ اسْمًا.

الاتقان فی علوم القرآن للسيوطی: ج 1 ص 178 النوع السابع عشر

ترجمہ: علامہ ابو المعالی عزیزی بن عبد الملک المعروف ”شیدلہ“ رحمہ اللہ (ت 494ھ) اپنی کتاب ”البرہان“ میں فرماتے ہیں: جان لیجیے! اللہ تعالیٰ نے قرآن کے پچپن نام ذکر کیے ہیں۔

2: علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ (ت 817ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْقُرْآنِ مِائَةَ اسْمٍ.

بصار ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز لمجد الدین الفیروز آبادی: ص 61

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ایک سو نام ذکر کیے ہیں۔

محاکمہ: دراصل ان حضرات نے ”اسماء القرآن“ اور ”صفات القرآن“ کو جمع کر دیا ہے، یعنی قرآن کریم کی صفات مثلاً مجید، کریم، حکیم وغیرہ کو نام ذکر کر کے تعداد اس حد تک پہنچائی ہے ورنہ درحقیقت قرآن کریم کے کل نام پانچ ہیں جو اوپر ذکر کر دیے گئے ہیں۔

فائدہ نمبر 7: قرآن کریم کا نام ”قرآن“ کیوں رکھا گیا ہے؟ اس کی دو وجوہات سامنے آئی ہیں۔

وجہ نمبر 1: قرآن؛ ”قراءة“ کی طرح مصدر ہے جس کا معنی ہے ”پڑھنا“۔

کلام عرب میں مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن کو بھی ”قرآن“ اسی معنی میں کہا جاتا ہے یعنی ”پڑھی ہوئی چیز“۔ چنانچہ شیخ مناع

بن خلیل القطان رحمہ اللہ (ت 1420ھ) لکھتے ہیں:

"قَرَأَ": تَأَنَّى بِمَعْنَى الْجَمْعِ وَالضَّمِّ، وَالْقِرَاءَةُ ضَمُّ الْحُرُوفِ وَالْكَلِمَاتِ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ فِي التَّرْتِيلِ، وَالْقُرْآنُ فِي الْأَصْلِ كَالْقِرَاءَةِ مَصْدَرٌ قَرَأَ قِرَاءَةً وَقَرَأْنَا. قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ أَيْ قِرَاءَتَهُ، فَهُوَ مَصْدَرٌ عَلَى وَزْنِ "فُعْلَان" بِالضَّمِّ: كَالْغُفْرَانِ وَالشُّكْرَانِ، تَقُولُ: قَرَأْتُهُ قَرَاءً وَقِرَاءَةً وَقَرَأْنَا، بِمَعْنَى وَاحِدٍ. سُمِّيَ بِهِ الْمَقْرُوءُ تَسْمِيَةً لِلْمَفْعُولِ بِالْمَصْدَرِ.

مباحث فی علوم القرآن: ص 15

ترجمہ: "قَرَأَ" فعل "جمع کرنے اور ملانے" کے معنی میں آتا ہے۔ یوں "قراءة" کا معنی ہو گا: حروف اور کلمات کو ترتیل میں ایک دوسرے سے ملانا۔ قرآن بھی لغت میں "قراءة" کی طرح مصدر ہے یعنی "قرء، یقرء، قرأناً"۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ [کہ اس قرآن کو یاد کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ اس لیے جب ہم اسے پڑھیں تو آپ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے رہیں۔] یہاں "قرآن" بمعنی "پڑھنا" ہے۔ "قرآن" یہ فعلان کے وزن پر مصدر ہے جیسے غفران اور شکران ہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں: "قَرَأْتُهُ قَرَاءً وَقِرَاءَةً وَقَرَأْنَا" تو تینوں کا ایک ہی معنی ہے۔ پڑھی ہوئی چیز کو "قرآن" کہہ دیا گیا ہے جیسا کہ مفعول کو کبھی کبھی مصدر کا نام دے دیتے ہیں۔ (یہاں پڑھی ہوئی چیز یعنی "مقروء" کو مصدر یعنی "قرآن" کہہ دیا گیا ہے)

وجہ نمبر 2: قرآن کا معنی ہے "جمع کرنا"۔ قرآن کریم بھی سابقہ کتب کے

ثمرات بلکہ تمام علوم کا جامع ہے اسی لیے اسے "قرآن" کہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ مناع بن

خلیل القطان رحمہ اللہ (ت 1420ھ) لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ أَنَّ تَسْمِيَةَ هَذَا الْكِتَابِ قُرْآنًا مِنْ بَيِّنٍ كُتِبَ اللَّهُ لِكُونِهِ جَامِعًا لِمَعْرَةِ كُتُبِهِ، بَلْ لَجَمْعِهِ ثَمَرَةٌ بِمَجْمَعِ الْعُلُومِ كَمَا أَشَارَ تَعَالَى إِلَى ذَلِكَ بِقَوْلِهِ: وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَقَوْلِهِ: مَا فَزَّظْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ.

مباحث فی علوم القرآن: ص 16

ترجمہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تمام کتب الہیہ کے ثمرات بلکہ تمام علوم کے ثمرات کی جامع کتاب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: "وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ" [ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو کھول کر بیان کرتی ہے] اس طرح اس ارشاد میں کہ "مَا فَزَّظْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" [ہم نے کتاب میں کسی شے کو بیان کرنے میں کمی نہیں کی۔]

قرآن مخلوق نہیں

وَلَفَّظْنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ وَكِتَابُنَا لَهُ مَخْلُوقَةٌ وَقِرَاءَتُنَا لَهُ مَخْلُوقَةٌ وَالْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ

ترجمہ: قرآن کریم کے الفاظ جو ہم اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں تو یہ الفاظ مخلوق ہیں، ہم جو قرآن لکھتے ہیں تو یہ لکھے ہوئے نقوش مخلوق ہیں، ہم جو اس کی قرأت کرتے ہیں تو ہمارا قرأت کرنا (یعنی فعل) مخلوق ہے لیکن خود قرآن مخلوق نہیں۔

فائدہ نمبر 1: اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ "کلام" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی قدیم ہیں۔

دلائل:

(1): ﴿قُلْ إِنْ هُدَى اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَلَئِنَّ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۖ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وِیٍّ وَلَا نَصِيرٍ (۱۲۰)﴾

سورة البقرة: 120

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی (طرف سے ملنے والی) ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور اگر آپ نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو (پھر جان لیجیے کہ) آپ کو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ملے گا اور نہ کوئی مددگار۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے جو علم بصورت قرآن مجید آچکا ہے اس کے آنے کے بعد منکرین کی خواہشات کی پیروی کرنا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ”علم“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اگر قرآن کو ”مخلوق“ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ پر ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو موجود تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم (قرآن مجید، صفت کلام) نہیں تھا۔ یہ عیب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ عیب سے پاک ہے۔

(2): ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۚ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (۵۴)﴾

سورة الاعراف: 54

ترجمہ: خبردار! وہی ذات ہے جو پیدا کرتا ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ تمام جہانوں کو پالنے والی ذات بڑی ہی برکتوں والی ہے۔

اس آیت میں ”خلق“ اور ”امر“ کو عطف کے ساتھ الگ الگ ذکر کیا ہے۔ اصول ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر ہوتا ہے۔ اس تغایر کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق الگ ہو اور صفت امر (جو کہ کلام ہے لقولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا أَمْرٌ﴾

إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۸۱﴾) الگ ہو۔ اگر کلام ہی کو مخلوق مانا جائے تو وہ صفتِ تخلیق کے تحت داخل ہو جائے گا، پھر ”خلق“ کے بعد ”امر“ لانے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ ثابت ہوا کہ کلام اللہ مخلوق نہیں ہے۔

(3): ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (۸۲)﴾

سورۃ یسین: 82

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے کے لیے کلام ”کُنْ“ ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر کلام ”کُنْ“ کو مخلوق مانا جائے تو اسے پیدا کرنے کے لیے پھر لفظ ”کُنْ“ کہنا پڑے گا۔ یوں کلام ”کُنْ“ کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گا جو کہ تسلسل ہے اور تسلسل باطل ہے۔ لہذا کلام اللہ کا مخلوق ہونا بھی باطل ہے۔

(4): ﴿الذَّحُّنُ (۱) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (۲) خَلَقَ الْإِنْسَانَ (۳)﴾

سورۃ الرحمن: 1 تا 3

ترجمہ: رحمن نے قرآن کی تعلیم دی اور انسان کی تخلیق فرمائی۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ”تعلیم“ کے ساتھ اور انسان کے وجود کو ”تخلیق“ کے ساتھ ذکر فرما کر دونوں میں فرق کیا۔ ثابت ہوا کہ ”قرآن مجید“ کی تخلیق نہیں ہوئی یعنی قرآن کریم مخلوق نہیں۔

(5): امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ حَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيمٍ السَّلَمِيَّةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ

الْثَّامَاتِ مِنْ شَيْءٍ مَا خَلَقَ لَمْ يَصُرْ شَيْءٌ حَتَّى يَزْتَجَلَ مِنْ مَنَزِلِهِ ذَلِكَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2708

ترجمہ: حضرت خولہ بنت حکیم السلمیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالے اور یہ کلمات پڑھے: ”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّامَاتِ مِنْ شَيْءٍ مَا خَلَقَ“ تو جب تک وہاں سے کوچ نہیں کر لیتا کوئی چیز بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس حدیث مبارک میں ”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ“ میں ”بَا“ برائے استعانت ہے جو کلمات اللہ پر داخل ہے۔ اگر کلمات اللہ مخلوق ہوتے تو لازم آتا کہ - معاذ اللہ - آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق سے استعانت کی تعلیم دے رہے ہیں اور یہ محال ہے۔ ثابت ہوا کہ کلمات و کلام اللہ مخلوق نہیں۔

امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) اس جیسی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَفِي هَذَا دَلِيلٌ أَنَّ كَلَامَ اللَّهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَأَنَّ سِوَاهُ مَخْلُوقٌ.

خلق افعال العباد للبخاری: 96

ترجمہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے۔

فائدہ نمبر 2: اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف ”قرآن مخلوق نہیں“ میں قرآن سے مراد وہ کلام نفسی ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

فائدہ نمبر 3: ”کلام نفسی“ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں اور نہ ہی اس میں تقدم و تاخر ہے کہ فلاں لفظ پہلے اور فلاں بعد میں ہے۔ یہ کلام تقدم و تاخر کی نسبتوں سے پاک ہے کیونکہ تقدم و تاخر کی صفات حادث کی ہوتی

ہیں کہ پہلے نہ ہو، بعد میں ہو جائے جبکہ صفات باری تعالیٰ قدیم ہیں۔

فائدہ نمبر 4: اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کو ہم حروف اور الفاظ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ہمارا فعل ”تلاوت کرنا“ حادث ہے۔ ہم اسے نقوش کی مدد سے لکھتے ہیں۔ ہمارا یہ ”لکھنا“ حادث ہے۔ جن مادی اشیاء سے مصحفِ قرآنی وجود میں آتا ہے مثلاً کاغذ، روشنائی، قلم، دوات وغیرہ تو یہ اشیاء بھی مخلوق اور حادث ہیں جبکہ خود ”کلام“ (کلام نفسی) قدیم ہے۔

گویا کلام باری تعالیٰ جو ”مقروء“ (پڑھا جانے والا) ہے وہ تو قدیم ہے لیکن ہمارا اس کلام کو حروف اور الفاظ کے ساتھ پڑھنا، نقوش کے ساتھ لکھنا اور آواز کے ساتھ ادا کرنا یہ سب حادث ہے۔ علمائے متکلمین اسے ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں:

الْمَقْرُوءُ قَدِيمٌ وَالْقِرَاءَةُ حَادِثٌ.

منح الروض الازہر فی شرح الفقه الاکبر للملا علی القاری: ص 92

ترجمہ: جس کلام کی تلاوت کی جاتی ہے وہ تو قدیم ہے البتہ (ہمارا) قراءت کرنا حادث ہے۔

فائدہ نمبر 5: فرقہ معتزلہ قرآن مجید کو مخلوق کہتا ہے۔ اس پر وہ دو شبہ پیش کرتے ہیں۔

شبہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾

سورة المرعد: 16

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔

قرآن مجید بھی ایک چیز ہے، اس لیے اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

جواب: اگر آیت ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ میں لفظ ”کُلِّ شَيْءٍ“ کو ایسا عام مانا

جائے کہ ”شئیء“ کا کوئی فرد اس سے خارج نہ ہو تو پھر معتزلہ پر سوال ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بھی ایک شے ہے [جیسا کہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ متوفی 256ھ اللہ تعالیٰ پر لفظ ”شے“ کے اطلاق کو ثابت کرنے کے لیے ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے باب قائم فرماتے ہیں: بَابُ ﴿قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ﴾ فَسَمَّى اللّٰهُ تَعَالٰی نَفْسَهُ شَيْئًا. (صحیح البخاری، کتاب التوحید) اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے: وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ. (الفقہ الاکبر) تو کیا آپ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھی ”کُلُّ شئیء“ کے تحت ایک فرد مان کر مخلوق مانیں گے؟ یقیناً نہیں بلکہ آپ لوگ ”کُلُّ شئیء“ کے عموم سے ذات باری تعالیٰ کو خارج مان کر ”کُلُّ شئیء“ کو مخصوص منہ البعض قرار دیں گے تاکہ ذات باری تعالیٰ کا مخلوق ہونا لازم نہ آئے۔

بالکل اسی طرح ہم اہل السنۃ والجماعۃ بھی ”کُلُّ شئیء“ کے عموم سے صفات باری تعالیٰ خصوصاً صفت کلام؛ قرآن مجید کو خارج مان کر ”کُلُّ شئیء“ کو مخصوص منہ البعض قرار دیتے ہیں تاکہ ذات باری تعالیٰ کی طرح صفات باری تعالیٰ کا بھی مخلوق ہونا لازم نہ آئے۔

﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”کُلُّ شئیء“ کے مفہوم میں ذات و صفات باری تعالیٰ داخل نہیں کیونکہ مخلوق کے لیے فنا ہونا ثابت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات فنا ہونے سے پاک ہیں، اس لیے مخلوق ہونے سے بھی پاک ہیں۔

اس بات کو سمجھانے کے لیے یہ مثال بھی دی جاسکتی ہے کہ آیت ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ میں لفظ ”نَفْسِ“ عام ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کے نفس [کما فی قولہ تعالیٰ: وَيُحَذِّرُكُمْ اللّٰهُ نَفْسَهُ] (آل عمران: 28) کو خاص کر لیا گیا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جب ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ میں لفظ ”نَفْسِ“ ہے اور اللہ

بھی نفس ہیں تو اس عموم کے تحت اللہ تعالیٰ پر بھی موت آئے گی۔ معاذ اللہ۔ تو جس طرح ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ میں ”نَفْسِ“ سے مراد غیر خدا ہے اسی طرح ﴿قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ میں بھی ”شَئِیْءِ“ سے مراد غیر قرآن ہے۔

شبہ نمبر 2: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ﴾ (۲)

سورۃ الانبیاء: 2

ترجمہ: ان کے پاس جب بھی ان کے رب کی جانب سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق شروع کر دیتے ہیں۔

شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں قرآن کریم کو ”مُحَدَّث“ (نیا کلام) کہا گیا جبکہ آپ کا دعویٰ ”قدیم“ ہونے کا ہے۔

جواب: ”مِّنْ ذِكْرٍ“ یہ ”مَا يَأْتِيهِمْ“ کا بیان ہے یعنی جو کلام لفظی وقفہ وقفہ سے نازل یعنی ظاہر ہو رہا ہے وہ کلام حادث ہے جبکہ ہم نے کلام نفسی کو قدیم کہا ہے اور یہ کلام لفظی اس کلام نفسی پر دال ہے۔ تو ”مُحَدَّث“ یہ نازل ہونے یعنی ظاہر ہونے والے الفاظ کی صفت ہے اور ان الفاظ کو ہم بھی حادث مانتے ہیں۔

امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی رحمہ اللہ (ت 606ھ) اس کا جواب دیتے ہیں:

وَالْجَوَابُ: أَنَّ كُلَّ ذَلِكَ يَرْجِعُ إِلَى هَذِهِ الْأَلْفَاظِ وَنَحْنُ نُسَلِّمُ حُدُوثَهَا إِنَّمَا نَدَّعَى قِدَمَ أَمْرِ آخَرٍ وَرَاءَ هَذِهِ الْحُرُوفِ، وَلَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلَى ذَلِكَ.

التفسير الكبير للرازي: ج 24 ص 493

ترجمہ: معتزلہ کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس سارے استدلال کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ جو الفاظ وقتاً فوقتاً نازل ہو رہے ہیں وہ حادث ہیں اور ہم تو خود اس بات کے

قائل ہیں۔ ہم جو کلام اللہ کو قدیم کہتے ہیں تو اس سے مراد کچھ اور ہے (اور وہ کلام نفسی ہے) اور اس آیت میں اس (کلام نفسی) کے حادث ہونے پر کوئی دلیل نہیں پائی جارہی۔

قرآن مجید میں غیر اللہ کا کلام

وَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ حِكَايَةً عَنْ مُوسَى وَغَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ
السَّلَامُ وَعَنْ فِرْعَوْنَ وَابْلِيسَ فَإِنَّ ذَلِكَ كُلَّهُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى إِيحْبَارًا عَنْهُمْ
وَكَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَكَلَامُ مُوسَى وَغَيْرِهِ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ مَخْلُوقٌ
وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى فَهُوَ قَدِيمٌ لَا كَلَامُهُمْ.

ترجمہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے ہیں یا فرعون اور ابلیس کے جو حالات ذکر کیے ہیں تو یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کے ذریعے اللہ نے ان کے حالات و واقعات کی خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور باقی مخلوقات کا کلام مخلوق ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لیے قدیم ہے لیکن مخلوق کا کلام قدیم نہیں (بلکہ حادث ہے)۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں جن و انس کی ہدایت اور کامیابی کے لیے مختلف اسلوب میں مختلف مضامین بیان فرمائے ہیں۔ ان مضامین میں اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، معاشرت، معاملات، عقوبات، پند و نصائح، امثال و واقعات، وعدے و وعیدات، اہل حق کی کامیابی اور اہل باطل کی ناکامی، حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحائے سابقین کے واقعات، اہم سابقہ کے حالات، امور آخرت،

جنت و جہنم وغیرہ کے حالات شامل ہیں۔

ان واقعات و حالات میں حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص کا بھی ذکر ہے اور دشمنانِ خدا جیسے ابلیس، فرعون، یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین کے حالات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ جن احکام؛ اوامر و نواہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر کے بیان فرمایا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جو کلام انبیاء علیہم السلام یا ابلیس و فرعون وغیرہ کی طرف نسبت کر کے بیان فرمایا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً﴾

سورۃ البقرۃ: 67

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق ابلیس کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ (۱۲)﴾

سورۃ الاعراف: 12

ترجمہ: ابلیس نے کہا کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔

فرعون کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى (۲۴)﴾

سورۃ الزمر: 24

ترجمہ: فرعون کہنے لگا کہ میں تمہارا بڑا خدا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، ابلیس اور فرعون کا کلام اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن الفاظ سے نقل کیا ہے یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علم کامل کی بناء پر معلوم تھا کہ آئندہ زمانہ میں انبیاء علیہم السلام، صلحاء کرام، ابلیس، فرعون، یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین وغیرہ یہ کلام کریں گے۔ یہ الفاظ اور مقولات اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس وقت سے تھے جب یہ مخلوقات پیدا بھی نہ ہوئی تھیں۔ تو علم ازلی کی بنا پر یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی ہیں، اس جہت سے قدیم ہیں البتہ جب مخلوقات پیدا ہوئیں اور اپنے اپنے وقت پر انہوں نے مذکورہ مقولات اور الفاظ کا تکلم کیا تو اس وقت مخلوق کا تکلم حادث ہے۔ یہی بات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان مخلوقات کے کلام کو نقل کرنا قدیم ہے البتہ ان مخلوقات کا اس کلام کو اپنے وقت پر تکلم کرنا حادث ہے۔

وضاحت:

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ یہ کہنا بالکل درست نہیں کہ جب مخلوق نے کلام کیا تب اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا کلام آیا اور اللہ نے قرآن کی صورت میں اسے نازل فرما دیا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر یہی اعتقاد رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے علم کا - معاذ اللہ - نامکمل اور ناقص ہونا لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفت قدیمہ ہے۔ اس لیے صحیح اعتقاد یہی ہے کہ ان مخلوقات کی پیدائش سے قبل ہی اللہ کو ان کے اقوال کا علم تھا جسے اللہ تعالیٰ نے کلام نفسی کی صورت میں بیان فرما دیا جو کہ قدیم ہے۔

اللہ کا کلام اور غیر اللہ کا کلام

وَسَمِعَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلَامَ اللَّهِ تَعَالَىٰ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَحْلِيْمًا﴾ وَقَدْ كَانَ اللَّهُ تَعَالَىٰ مُتَكَلِّمًا وَلَمْ يَكُنْ كَلَمَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ كَانَ اللَّهُ تَعَالَىٰ خَالِقًا فِي الْأَزَلِ وَلَمْ يَخْلُقِ الْخَلْقَ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ فَلَمَّا كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ كَلِمَةً بِكَلَامِهِ الَّذِي هُوَ لَهُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ.

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ ہی کا کلام سنا تھا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَحْلِيْمًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا (لیکن) اللہ تعالیٰ اس وقت بھی متکلم تھے جب کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام نہیں کیا تھا۔ (فرمان باری تعالیٰ ہے) اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تو اسی صفت کلام سے فرمائی جو ازل ہی سے خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

تمہید:

اس عبارت کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید ایک بات کا جاننا ضروری ہے: اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ قدیم ذات ہیں اس لیے اللہ کی صفات بھی قدیم ہیں۔ مثلاً تخلیق؛ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یہ قدیم ہے اور باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ جب اس صفت کا بالفعل اظہار ہو گا تو جو چیز تخلیق پائے گی یعنی مخلوق تو وہ حادث ہوگی۔ گویا صفت تخلیق قدیم ہے لیکن اس کا اظہار مخلوق کی پیدائش کے وقت ہوتا ہے۔

اب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو سمجھیں کہ کلام جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صفت کے ساتھ ازل سے متصف ہو کر متکلم ہیں۔ اس صفت کا اظہار اس وقت ہو گا جب اللہ تعالیٰ بالفعل کسی سے کلام فرمائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی اسی صفت کے ساتھ متکلم تھے جو ازل سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہیں اور تخلیق اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے۔ جب مخلوق کو وجود نہ ملا تھا اللہ تعالیٰ تب بھی اس صفت سے متصف تھے گو کہ اس صفت کا بالفعل اظہار اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ صفت تکلم کے ساتھ ازل سے متصف ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو بھی اسی صفت کلام کے ساتھ فرمائی جو ازلی صفت ہے لیکن چونکہ صفت ازلی کلام نفسی ہے جس کا سنا مخلوق کے لیے ممکن نہیں اس لیے اللہ نے اس کلام نفسی پر حروف، الفاظ اور آواز کا پردہ ڈالا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اس کلام کا سماع کر سکیں۔ تو صفت کلام ازلی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کا اظہار الفاظ و اصوات کی صورت میں اس وقت ہوا ہے جب موسیٰ علیہ السلام سے تکلم فرمایا ہے۔

مثال:

جس طرح ایک قاری قرآن جب خاموش ہو تب بھی قاری ہے البتہ جب قرآن کریم کی تلاوت شروع کرے تو اس کی صفت قرأت کا ظہور ہوتا ہے اور جب خاموش ہو تو صفت قرأت تب بھی موجود ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ صفت کا وجود اور ہے اور ظہور اور ہے۔

صفات باری تعالیٰ کا یکتا و بے مثال ہونا

وَصِفَاتُهُ كُلُّهَا بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ يَعْكَمُ لَا كَعِلْمِنَا وَيَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا وَيَزِي لَا كَرُؤُوسِنَا وَيَتَكَلَّمُ لَا كَكَلَامِنَا وَيَسْمَعُ لَا كَسَمْعِنَا وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْأَلَاةِ وَالْحُرُوفِ وَاللَّهُ تَعَالَى يَتَكَلَّمُ بِلَا أَلَةٍ وَلَا حُرُوفٍ وَالْحُرُوفُ مَخْلُوقَةٌ وَكَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى غَيْرُ مَخْلُوقٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے بالکل مماثلت نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہم جانتے ہیں، وہ قدرت رکھتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہمیں کسی کام پر قدرت حاصل ہوتی ہے، وہ دیکھتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہم دیکھتے ہیں، وہ سنتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہم سنتے ہیں۔ ہم بولنے میں اسباب (زبان، قوت گویائی، گلا وغیرہ) اور حروف کے محتاج ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بولنے میں ان اسباب اور حروف کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ حروف مخلوق ہیں اور اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

قَوْلُهُ: وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْأَلَاةِ وَالْحُرُوفِ

1: ”آلات“؛ آلة کی جمع ہے۔ آلة کا معنی اوزار اور ہتھیار ہے جس سے کوئی فعل سرانجام دیا جاسکے۔ مثلاً بولنے کا آلة زبان ہے۔ کانٹے کا آلة تلوار ہے۔ لکھنے کا آلة قلم ہے۔

2: ”حروف“؛ حرف کی جمع ہے۔ حرف اس کلمہ کو کہتے ہیں جس کے معانی دوسرے الفاظ کے ساتھ ملے بغیر سمجھ میں نہ آئیں جیسے من، الی وغیرہ۔ حروف کو جوڑنے سے الفاظ بنتے ہیں اور الفاظ کو ترکیب دینے سے جملے وجود میں آتے ہیں۔

3: اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بے مثال اور یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی

صفات کی طرح نہیں ہیں بلکہ وہ مخلوق سے بالکل جداگانہ صفات کا مالک ہے۔

4: اللہ تعالیٰ کی صفت علم ہے لیکن مخلوق کی طرح نہیں۔ مخلوق کا علم، تجربہ، مشاہدہ، حواس اور کسی واسطے سے حاصل ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی اور بلا واسطہ ہے۔

5: مخلوق کسی کام پر قدرت رکھتی ہے لیکن یہ قدرت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کی پابند ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس میں تاثیر پیدا فرمادے اور اگر چاہے تو تاثیر کو سلب کر دے جبکہ خود اللہ تعالیٰ کی قدرت کسی کے فیصلے اور چاہت کی پابند نہیں ہے۔

6: مخلوق دیکھتی ہے لیکن آنکھ اور بینائی کی محتاج ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ دیکھنے میں ان چیزوں کے محتاج نہیں ہیں۔

7: مخلوق سنتی ہے لیکن آلہ سماع (کان) کی محتاج ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ سنتے ہیں لیکن بغیر آلہ سماع کان کے۔ مخلوق کلام کرتی ہے لیکن مخلوق کا کلام کرنا آلات و اسباب کا محتاج ہے۔

8: اگر زبان نہ ہو یا قوت گویائی نہ ہو تو مخلوق تکلم نہیں کر سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ تکلم فرماتے ہیں لیکن حروف و آلات کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں بلکہ یہ اس کی صفت قدیمہ ہے جبکہ مخلوق کا کلام خود مخلوق کی طرح حادث اور ختم ہونے والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا جسم سے پاک ہونا

وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى الشَّيْءِ الثَّابِتُ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ
وَلَا حَدِّ لَهُ وَلَا ضِدِّ لَهُ وَلَا نِدِّ لَهُ وَلَا مِثْلَ لَهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بھی ایک شے ہے لیکن دیگر اشیاء کی طرح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو شے کہنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر جسم، جوہر اور عرض کے موجود ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حد ہے، نہ کوئی اس کا مخالف ہے، نہ کوئی مقابل ہے اور نہ ہی کوئی مثل ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ تجسیم کا رد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شے ہے یعنی وجود رکھتے ہیں لیکن جسم اور صفات جسم سے پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسم ہیں نہ جوہر، عرض رکھتے ہیں نہ کوئی حد، اللہ تعالیٰ کا کوئی مخالف و مقابل ہے نہ کوئی مثل۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کا معنی و مفہوم سمجھ لیا جائے۔

1: شے:

الشَّيْءُ؛ الثَّابِتُ الْمَتَحَقِّقُ عَلَى مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْمُحَقِّقُونَ مِنْ أَنَّ
الشَّيْءَ شَيْءٌ تَسَاوِقُ الوجودِ وَالثبوتِ وَالْعَدَمِ يُرَادُفُ النَّفْيَ.

شرح العقائد للتفتازانی: ص 391

ترجمہ: شے؛ ثابت متحقق کو کہتے ہیں جیسا کہ محققین کا موقف ہے کہ ”شیئت“ وجود اور ثبوت کا مرادف ہے اور ”عدم“ نفی کا مرادف ہے۔

2: جسم

الْمَرْكَبُ مِنْ جُزْئَيْنِ فَصَاعِدًا.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: دو یا دو سے زائد اجزاء سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسم ہونے سے پاک ہیں۔ اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو جسم مانیں تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کم از کم دو چیزوں سے مل کر بنے ہوں۔ مختلف اجزاء سے ترکیب وہ پاتا ہے جو پہلے بنا ہوا نہ ہو۔ تو یہ صفت تو حادث ہونے کی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ذات ہے۔ اس لیے جسم ہونے سے پاک ہے۔

3: جوہر

كُلُّ مُحْكِنٍ لَهُ قِيَامٌ بِذَاتِهِ أَيْ لَيْسَ تَحْيِيزُهُ تَابِعًا لِتَحْيِيزِ غَيْرِهِ.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: ہر وہ ممکن چیز جوہر کہلاتی ہے جس کا قیام ذاتی ہو یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع نہ ہو۔

جوہر کی تعریف میں بھی ”ممکن“ ہونے کی قید ملحوظ ہے۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کو جوہر مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کا ممکن ہونا لازم آئے گا۔ تمام ممکنات حادث ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم ذات ہے۔ اس لیے جوہر ہونے سے بھی پاک ہے۔

4: عرض

كُلُّ مُحْكِنٍ لَهُ قِيَامٌ بِالْغَيْرِ أَيْ يَكُونُ تَحْيِيزُهُ تَابِعًا لِتَحْيِيزِ الْغَيْرِ.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: ”عرض“ ہر اس ممکن چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو،

یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسرے چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع ہو۔
 اگر اللہ تعالیٰ کو عرض مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کسی
 دوسری چیز کے وجود کا تابع ہے کہ اگر دوسری چیز موجود ہو تب وجود باری تعالیٰ متحقق
 ہو گا۔ یہ دلیل احتیاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ صمد اور بے نیاز ذات ہے۔ علامہ حافظ الدین
 ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ (ت 710ھ) ”صمد“ کا معنی
 بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَا يَحْتَاجُ إِلَى أَحَدٍ وَيَحْتَاجُ إِلَيْهِ كُلُّ أَحَدٍ.

تفسیر المدارک للامام النسفی: ج 2 ص 842 تحت قوله تعالیٰ: الله الصمد

ترجمہ: صمد وہ ذات ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔
 اس لیے اللہ تعالیٰ عرض ہونے سے بھی پاک ہے۔

5: حد

الْكَيْفِيَّةُ هِيَ مَا بِهِ يَسِيرُ الشَّيْءُ ذُو الْكَيْفِيَّةِ إِلَى حَيْثُ لَا يُوجَدُ وَرَاءَهُ شَيْءٌ مِمَّنْهُ.

جواہر الفرائد شرح شرح العقائد: ص 197 مولانا مفتی محمد یوسف تاویلی استاذ دارالعلوم دیوبند

ترجمہ: کمیت والی چیز جب اس مقام تک پہنچ جائے کہ آگے اس کا وجود نہ ہو۔
 حد ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا جب کہ اللہ تعالیٰ
 کی ذات لا محدود ہے۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ حد سے پاک ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف عرش
 پر ماننا درست نہیں۔ اس لیے کہ عرش مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ مخلوق جتنی
 بھی بڑی ہو محدود ہی ہو گی جب کہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ذات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو

صرف عرش پر مانا جائے تو عرش محدود ہے تو اللہ تعالیٰ جو غیر محدود ذات ہے وہ محدود میں کیسے سمائے گا؟! میں کیسے سمائے گا؟!

تنبیہ:

اگر اللہ تعالیٰ کو محض عرش پر مانا جائے تو کئی سوالات پیدا ہوں گے۔
[1]: یہ عقیدہ ان تمام آیات کے خلاف ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا محض عرش پر ہونا ثابت نہیں ہو رہا بلکہ ان آیات سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جہت میں ہے، ہر ایک کے ساتھ ہے، آسمانوں اور زمین میں موجود ہے، معیت ذاتیہ کے ساتھ موجود ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

1: ﴿وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ (۱۹)

سورۃ البقرہ: 19

ترجمہ: اور اللہ کافروں کا احاطہ کرنے والے ہیں۔
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس میں دلیل ہے قول صوفیہ کی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کو ذاتاً محیط ہے بدون اتصال اور کسی کیفیت کے نہ محض علم ہی سے محیط ہے۔“

تفسیر بیان القرآن: ج 1 ص 22 تحت سورۃ البقرہ: 19

2: ﴿وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾

سورۃ البقرہ: 115

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اس کی تابع فرمان ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دے بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔“

آسان ترجمہ: ج 1 ص 90 تحت سورۃ البقرہ آیت 115

3: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾

سورۃ البقرہ: 186

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

فاضل دارالعلوم دیوبند مفسر قرآن مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ (ت 1424ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ وجود اور ذات کے اعتبار سے قریب ہے، علم اور قدرت کے اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ قریب ہے۔“

معالم العرفان فی دروس القرآن: ج 3 ص 200

4: ﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ﴾

سورۃ النساء: 108

ترجمہ: یہ لوگوں سے [اپنی دغا بازیاں] چھپا سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے! وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے مشورے کر رہے ہوتے ہیں۔

فاضل دارالعلوم دیوبند امام اہل السنۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

(ت 1430ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، ایسا نہیں ہے کہ عرش پر ہے اور ساتھ نہیں ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

تفسیر ذخیرۃ الجنان: ج 4 ص 239 تحت سورة النساء: 108

5: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (۴)

سورة الحديد: 4

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو، وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی رحمہ اللہ (ت 1224ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْإِحَاطَةِ الذَّاتِيَّةِ.

البحر المہدید: ج 7 ص 309 تحت سورة الحديد: 4

ترجمہ: {تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے} یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم، قدرت اور احاطہ ذاتی کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے۔

6: ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (۱۶)

سورة ق: 16

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

علامہ علی بن احمد بن ابراہیم المہابی المہندی رحمہ اللہ (ت 835ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ﴾ لَا بِالْمَكَانِ وَلَا بِالزَّمَانِ وَلَا بِالزُّبُنَةِ بَلْ بِالذَّاتِ مِنْ غَيْرِ اخْتِلَافٍ وَلَا حُلُولٍ وَلَا اتِّحَادٍ.

تفسیر تبصیر الرحمن: ج 2 ص 293

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} اللہ کا یہ قرب مکان، زمان اور رتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ ذات کے اعتبار سے ہے لیکن یہ قرب اختلاط، حلول اور اتحاد کے بغیر ہے۔

[2]: اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے، خالق ازل سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو

عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟

[3]: حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے۔

ج: عرش سے کم ہوں گے۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا، اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی یعنی تقسیم لازم آئے گی (اور تجزی یعنی تقسیم جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے) اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا لازم آئے گا، جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

[4]: اللہ تعالیٰ خالق ہے جو کہ غیر محدود ہے، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو غیر محدود کا محدود میں سما نا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

[5]: اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ہونا

لازم آئے گا کیونکہ حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

[6]: اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ہو گا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان اپنے مکین سے بڑا ہوتا ہے، اس عقیدے سے ”اللہ اکبر“ والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

[7]: اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ہو گا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے اور مکین محاط ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں، محاط نہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ [سورة النساء: 126] کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

[8]: اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہت فوق لازم آئے گی جبکہ اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہیں کیونکہ جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

[9]: اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہت فوق لازم آئے گی جبکہ اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہیں کیونکہ جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی محدود کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود ہیں۔

[10]: اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً فوق العرش مانا جائے تو عرش کو فی الوقت چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں جن کی تعداد بروز قیامت آٹھ ہو جائے گی۔ تو اس سے لازم آئے گا کہ مخلوق؛ ملائکہ نے خالق؛ اللہ تعالیٰ کو تھاما ہوا ہے جبکہ کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں کہ وہ خالق کو تھام سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ خود خالق نے مخلوق کو تھاما ہوا ہے کما قال تعالیٰ: **هو الٰہی القیوم۔ وہ زندہ ہے، ہر چیز کو تھامنے والا ہے۔**

اس لیے اللہ تعالیٰ کو صرف عرش پر ماننا درست نہیں۔

فائدہ: اس کی مزید تفصیل ہماری فائل ”توحید باری تعالیٰ“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

6:ضد

”ضد“ مخالف کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِضداد سے پاک ہے۔ کوئی اللہ کا مخالف نہیں۔

اشکال:

اللہ تعالیٰ کے ضد اور مخالف تو بہت ہیں جنہوں نے اللہ کی مخالفت کی ہے۔ تو یہ کہنا کیسے درست ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مخالف اور ضد کوئی نہیں؟

جواب:

اللہ تعالیٰ کی مخالفت تو کئی لوگوں نے کی ہے لیکن یہ لوگ مخالف بننے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ حقیقی مخالف وہ ہوتا ہے جس کی مخالفت کا دوسرے فریق پر اثر بھی ہو اور اس کے پاس طاقت اور حیثیت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والوں کے پاس نہ طاقت ہے نہ حیثیت، اس لیے وہ لاشیء کے درجے میں ہیں۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (٤)

سورۃ الاخلاص: 4

ترجمہ: اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

7:ند

”ند“ شریک کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شریک سے بھی پاک ہے۔

اشکال: لوگوں نے تو اللہ تعالیٰ کے کئی شریک بنائے ہوئے ہیں۔ کسی کو عبادت میں، کسی کو اولاد دینے میں، کسی کو رزق دینے میں شریک ٹھہرایا ہوا ہے۔ تو یہ کہنا کیسے درست ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں؟

جواب: ”اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں“ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کا شریک بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ شراکت کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو محتاج ہو اور اپنے افعال اکیلا سرانجام نہ دے سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی کی محتاج نہیں اس لیے اسے شرکاء کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

8: مثل

کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مثل بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (۱۱)﴾

سورۃ الشوریٰ: 11

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

شبہ: اس آیت "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں لیکن قرآن کریم کی دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل ہے:

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۚ﴾

سورۃ النور: 35

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو۔

تو بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال موجود نہیں ہے اور "مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ" اللہ تعالیٰ کے نور کو سمجھانے کے لیے کہا گیا

ہے۔ حقیقتاً مثل نہ ہونا اور ہے اور سمجھانے کے لیے مثال دینا اور ہے۔ لہذا دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں۔

صفات متشابہات کے بارے میں موقف

وَلَهُ يَدٌ وَوَجْهٌُ وَنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ فَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالُ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْإِعْتِزَالِ وَلَكِنْ يَدُهُ صِفَتُهُ بِلَا كَيْفٍ وَغَضَبُهُ وَرِضَاُهُ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ تَعَالَى بِلَا كَيْفٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا يد، وجہ اور نفس ہے جیسا کہ اس نے خود قرآن میں ذکر فرمایا ہے لیکن اس نے قرآن میں جو وجہ، يد اور نفس کا ذکر فرمایا ہے تو یہ اس کی صفات بلا کیف ہیں۔ یوں نہیں کہنا چاہیے کہ ”يد“ سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے جو کہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ”يد“ اس کی صفت بلا کیف ہے۔ اسی طرح اللہ کا غضب اور رضا بھی اس کی منجملہ صفات میں سے دو صفتیں ہیں جو بلا کیف ہیں۔

صفات متشابہات:

صفات متشابہات وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے يد، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

صفات متشابہات کی دو اقسام ہیں:

- 1: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات۔ ان صفات متشابہات کو ”متشابہات من کل الوجوه“ بھی کہتے ہیں۔
- 2: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے استواء علی العرش اور ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ جو کلمات اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ان صفات متشابہات کو ”متشابہات من وجہ“ بھی کہتے ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں چند ایک الفاظ (وجہ، ید، نفس) ذکر فرمائے ہیں جو مخلوق کے لیے اعضاء کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جبکہ یہی الفاظ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوں تو ان سے صفات متشابہات مراد ہوتی ہیں۔

صفات متشابہات کے بارے میں چار موقف ہیں:

- 1: موقف اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین
- 2: موقف اہل السنۃ والجماعۃ متاخرین
- 3: موقف معتزلہ
- 4: موقف غیر مقلدین

موقف نمبر 1: اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین

الَّتَفْوِيْضُ مَعَ تَنْزِيْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَنْ مُّشَابَهَةِ الْمَخْلُوْاَتِ.

ان الفاظ کے معانی کو اس اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہیں۔

تنقیحات متکلم اسلام

امام زین الدین قاسم بن قُطْلُوْبغا السودونی الجمالی الخفی رحمہ اللہ (ت 879ھ)

لکھتے ہیں:

وَقَالَ سَلَفُنَا فِي جُمْلَةِ الْمُتَشَابِهَةِ: نُوْمِنُ بِهِ وَنُفَوِّضُ تَأْوِيلَهُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مَعَ تَنْزِيهِهِ عَمَّا يُوجِبُ التَّشْبِيهَ وَالْحُدُوثَ.

حاشیہ علی المسایرة للقطوبغا: ص 45

ترجمہ: ہمارے سلف حضرات تمام متشابہات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان تمام امور سے پاک ہے جن سے تشبیہ اور حدوث ثابت ہوتا ہو۔ علامہ عبدالعزیز پرہاروی الخفی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَعُلَمَاءُ السُّنَّةِ بَعْدَ إِجْمَاعِهِمْ عَلَى أَنَّ مَعَانِيَهَا الظَّاهِرَةَ غَيْرُ مُرَادَةٍ ذَهَبُوا مَذْهَبَيْنِ: أَحَدُهُمَا مَذْهَبُ السَّلَفِ وَهُوَ الْإِيمَانُ بِمَا أَرَادَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَفْوِيضُ عَلَيْهِمَا إِلَيْهِ تَعَالَى مَعَ تَنْزِيهِهِ عَنِ التَّجَسُّمِ وَالتَّشْبِيهِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 120

ترجمہ: علمائے اہل السنۃ اس بات پر اجماع کرنے کے بعد کہ ان الفاظ کا ظاہری معنی مراد نہیں، دو موقف رکھتے ہیں۔ ایک موقف علمائے سلف کا ہے کہ ان صفات سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہو ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ جسم رکھنے اور مشابہ ہونے سے پاک ہے۔

معتقدین اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کا خلاصہ چھ باتیں ہیں:

- 1: ان کلمات سے مراد اعضائے جسم نہیں۔
- 2: یہ کلمات؛ صفات ہیں۔
- 3: یہ کلمات؛ صفات متشابہات ہیں۔
- 4: ان کلمات متشابہات کے حقیقی معانی ہمیں معلوم نہیں۔

- 5: ہم ان کلمات کے معانی اور مفہیم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔
 6: ان کلمات کے جو معانی بھی ہوں وہ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔

موقف نمبر 2: اہل السنۃ والجماعۃ متاخرین

یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ہم ان کے معانی میں مناسب تاویل درجہ ظن میں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کلمات کا معنی ”قدرت“ عین کا معنی ”حفاظت“ اور وجہ کا معنی ”ذات“۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) لکھتے ہیں:
 يَأْوُلُ بِتَأْوِيلَاتٍ صَحِيحَةٍ عَلَى مَا اخْتَارَهُ الْمُتَأَخِّرُونَ دَفْعًا لِمَطَاعِنِ
 الْجَاهِلِينَ وَجَذْبًا لِلصَّبِيحِ الْقَاصِرِينَ.

شرح العقائد النسفية: ص 169

ترجمہ: متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ جہلاء کے اعتراضات کے جوابات دینے اور ضعیف العقیدۃ مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کے لئے صفات متشابہات میں مناسب تاویلات کی جائے گی۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری الحنفی المعروف ابن الہمام رحمہ اللہ (ت 861ھ) فرماتے ہیں:

هَذَا التَّأْوِيلُ لِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَوِّفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ
 الْحُسْبِيَّةِ وَهُوَ يُمَكِّنُ أَنْ يُرَادَ وَلَا يُجْزَمُ بِإِلَادَتِهِ.

المسيرة مع المسامرة لابن الہمام ص 48 الاصل الثامن

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے، عوام کی فہم کو ”عقیدۃ جسمیت“ سے بچانے کے لیے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

علامہ عبد العزیز پر ہاڑوی الخفی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ الْخَلْفِ تَفْسِيرُهَا بِمَا يَلِيقُ بِهِ تَعَالَى لَا شَيْهَارِ الْمَذَاهِبِ الْقَائِدَةِ فِي زَمَانِهِمْ وَتَذَلِيلِ الْمُشَبَّهَةِ عَوَامِ الْمُسْلِمِينَ فَفَعَلُوا ذَلِكَ حِفْظًا لِلدِّينِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 120

ترجمہ: علمائے خلف (از اہل السنۃ والجماعۃ) کا موقف یہ ہے کہ ان صفات کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو کیونکہ خلف کے زمانے میں غلط نظریات عام ہو رہے تھے اور فرقہ مشبہ عامۃ المسلمین کو گمراہ کر رہا تھا، تو خلف حضرات نے صفات کی تاویل اس لیے کی تاکہ لوگوں کے اعتقادات کو فاسد ہونے سے بچایا جاسکے۔

فائدہ نمبر 1:

منتقدین اور متاخرین کے درمیان حد فاصل سن 300 ہجری ہے۔ چنانچہ سن 300 ہجری کے آخر تک کے محققین علماء ”سلف“ کہلائیں گے اور بعد کے ”خلف“۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ (ت 748ھ) فرماتے ہیں:

”فَالْحَدُّ الْقَاصِلُ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَأَخِّرِ هُوَ رَأْسُ سَنَةِ ثَلَاثِ مِائَةٍ“

میزان الاعتدال للذہبی: ج 1 ص 48، مقدمۃ المصنف

ترجمہ: منتقدین و متاخرین کے درمیان حد فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے۔

فائدہ نمبر 2:

یہاں یہ سمجھیں کہ متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ کس طرح فرقہ مجسمہ کے فتنہ سے عوام الناس کو بچاتے تھے۔ دراصل مجسمہ: اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، آنکھ، چہرہ وغیرہ

ثابت کرتے تھے۔ یہ لوگ دلیل یوں دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ید، وجہ، عین وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں جن کا معنی ہاتھ، آنکھ، چہرہ ہے۔ جب انہیں کہا جاتا کہ ہاتھ، آنکھ، چہرہ تو جسم کا ہوتا ہے اور جسم حادث ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، آنکھ، چہرہ ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آتا ہے تو مجسمہ جواباً کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، آنکھ، چہرہ ہے لیکن کما یلیق بشانہ۔ یہ جواب دے کر مجسمہ اس اعتراض سے بچنے کی کوشش کرتے اور عوام الناس کے عقیدہ کو فاسد کرتے رہتے۔

فرقہ مجسمہ کے اس فاسد موقف کو رد کرنے کے لیے جب عوام الناس کو یہ کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، آنکھ، چہرہ نہیں ہے تو فرقہ مجسمہ اعتراض کرتے کہ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ید، وجہ، عین کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو آپ کیسے کہتے ہیں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت نہیں ہیں۔ اس لیے متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ید ہے لیکن مراد ہاتھ نہیں بلکہ ”قدرت“ ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے عین ہے لیکن مراد آنکھ نہیں بلکہ ”حفاظت“ ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے وجہ ہے لیکن مراد چہرہ نہیں بلکہ ”ذات“ ہے۔ یوں مجسمہ کا اعتراض بھی ختم ہوا اور عوام الناس ان مجسمہ کے فتنے سے بھی محفوظ ہوئے۔

فائدہ نمبر 3:

متقدمین اور متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ کے مابین یہ نزاع لفظی ہے۔ اس کی

دو وجہیں ہیں:

(1): متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مؤول کو درجہ یقین میں قبول

نہیں کرتے جبکہ متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ معنی مؤول کو درجہ ظن میں قبول کرتے ہیں۔

(2): بوقتِ ضرورتِ تشابہات میں تاویل کرنا متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ سے بھی منقول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ درجہ ظن میں تاویل کرنا ان کے موقف، تفویض کے خلاف نہیں۔

بطور مثال چند متقدمین کی عبارات درج ذیل ہیں:

1: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ)

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا السَّاقُ فَجَاءَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ قَالَ: عَنْ شِدَّةٍ مِنَ الْأُمْرِ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 13 ص 524، باب قول اللہ وجوہ یومئذناضرة

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ" کہ جس دن ساق کھول دی جائے گی میں لفظ "ساق" کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ جس دن سخت معاملہ رونما ہوگا۔

2: امام مجاہد بن جبر المکی رحمہ اللہ (ت 103ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ "اسْتَوَى" عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اسْتَوَى" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہوا۔

3: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے

ہیں:

وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طُولِ الْمَسَافَةِ وَقَصَرِهَا
وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

4: امام ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن یحییٰ اللغوی النحوی رحمہ اللہ (ت 237ھ) لکھتے ہیں:

﴿الْعَرْشُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ اسْتَوَى: اسْتَوَى.

غریب القرآن وتفسیرہ: ص 243

ترجمہ: ”اللہ عرش پر مستوی ہوا“ کا معنی ہے کہ عرش کا مالک بنا۔

موقف نمبر 3: معتزلہ

فرقہ معتزلہ ان کلمات کا حتمی معنی بیان کرتا ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی صفات ازیلہ نہیں مانتا۔ پھر حتمی معنی بیان کر کے ان کو مخلوق مانتا ہے۔

فرقہ معتزلہ کی دلیل:

اگر ان کلمات سے مراد صفات ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہوں تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اسی طرح ان صفات کو بھی قدیم ماننا پڑے گا۔ اس سے تعدد قدماء لازم آئے گا جو توحید کے منافی ہے اور شرک ہے۔

جواب:

توحید کے منافی ہونا اور شرک ہونا اس وقت لازم آتا ہے جب ہم اللہ تعالیٰ

کے علاوہ کسی اور ذات کو قدیم مانیں جو لائق عبادت ہو (تو اس وقت یہ شرک فی الذات ہو گا)، یا اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور کے لیے ایسی صفات کو قدیم مانیں جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ کی طرح ہوں (تو اس وقت یہ شرک فی الصفات ہو گا) جبکہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اور اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کو قدیم مانتے ہیں۔ تو یہاں نہ شرک فی الذات لازم آ رہا ہے نہ شرک فی الصفات کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور ذات کو قدیم نہیں مان رہے کہ تعدد ذاتِ قدماء لازم آئے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور ذات کے لیے صفاتِ خاصہ کو ثابت کر رہے ہیں کہ صفاتِ خاصہ کا کسی اور کے لیے اثبات لازم آئے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ
بَلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ
أَهْلِ الْقُدْرِ وَالْإِعْزَالِ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو وجہ، ید اور نفس کا ذکر فرمایا ہے تو یہ اس کی صفات بلا کیف ہیں۔ یوں نہیں کہنا چاہیے کہ ”ید“ سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے جو کہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے۔

اشکال:

”ید“ کا معنی ”قدرت“ کریں تو اس سے ابطالِ صفت کیسے لازم آتا ہے؟
کیونکہ قدرت تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

جواب:

”ید“ کا معنی ”قدرت“ کرنے سے ابطالِ صفت یوں لازم آتا ہے کہ
 ✽ ”ید“ صفتِ محکمہ بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صفتِ محکمہ تب ہوگی جب اس کا
 معنی بالکل واضح ہو اور جو معنی واضح ہے وہ ”ہاتھ“ ہے جو کہ عضو ہے، صفت نہیں۔ تو یہ
 صفتِ محکمہ نہ ہوئی۔

✽ یہ صفت متشابہ کی پہلی قسم غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد بھی نہیں ہو سکتی
 کیونکہ ”ید“ کا لغوی معنی معلوم ہے جو کہ ہاتھ یعنی عضو ہے۔

✽ یہ صفت متشابہ کی دوسری قسم معلوم المعنی غیر معلوم المراد بھی نہیں ہو سکتی
 کیونکہ اس کا معنی ”قدرت“ کرنے کی صورت میں مراد شرعی بھی تو معلوم ہو گئی۔

تو ”ید“ کا معنی ”قدرت“ کرنے سے یہ صفت کی کوئی قسم بھی نہیں بن پاتی۔
 ہاں ”ید“ صفت اس وقت بنے گی جب اس کا لغوی معنی تو معلوم ہو لیکن مراد معلوم نہ
 ہو۔

تو امام اعظم رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر ”ید“ کا معنی ”قدرت“ کریں
 گے تو صفت ہی باطل ہو جائے گی اور یہی معتزلہ کا موقف ہے۔

موقف نمبر 4: غیر مقلدین

ید، عین، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ چند عبارات ملاحظہ ہوں:
 (۱): محمد یحییٰ گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔

عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی؛ ص 177

اللہ تعالیٰ کے دوہاتھ ہیں۔

عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی؛ ص 179

(۲) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن صالح بن محمد بن سلیمان بن عبد الرحمن العثیمین

(ت 2001ء) آیت ﴿فَأَيْنِمَا تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”الصَّحِيحُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْوَجْهِ هُنَا وَجْهُ اللَّهِ الْحَقِيقِيُّ أَيْ إِلَى أَيْ جِهَةٍ

تَتَوَجَّهُونَ فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى

شرح عقیدہ واسطیہ: ص 156

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ یہاں ”وجہ“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی چہرہ ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہو گا کہ جس جہت کی طرف تم رخ کرو اسی طرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا چہرہ ہے۔

(۳) شیخ ڈاکٹر محمد بن خلیل ہراس (ت 1975ء) لکھتے ہیں:

”تَضَمَّنَتْ هَاتَانِ الْآيَتَانِ إِنْشَاءً لِلْيَدَيْنِ صِفَةً حَقِيقِيَّةً لَهُ سُبْحَانَهُ

عَلَى مَا يَلِيْقُ بِهِ.

شرح عقیدہ واسطیہ تحلیل ہراس: ص 61

ترجمہ: یہ دو آیتیں (یعنی ”مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ“ (سورۃ ص: 75) اور ”بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ“ (سورۃ المائدہ: 64) اللہ تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کو صفت حقیقی کے طور پر ثابت کرتی ہیں جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

دلیل نمبر 1:

﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

صمد کہتے ہیں: ”[الَّذِي لَا يَخْتَلِجُ إِلَى أَحَدٍ وَيَخْتَلِجُ إِلَيْهِ كُلُّ أَحَدٍ]“

تفسیر المدارک للامام النسفی: ج 2 ص 842 تحت قوله تعالى: الله الصمد

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ جسم اور اعضائے جسم سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر 2:

اللہ تعالیٰ چونکہ جسم سے پاک ہے لہذا اعضاء سے بھی پاک ہیں اس لیے کہ اعضاء ہمیشہ جسم کے ہوتے ہیں تو جب جسم ہی نہیں ہے تو اعضاء بھی نہیں ہیں۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ اس پر چند دلائل ملاحظہ ہوں:

(1): جسم ہمیشہ دو یا دو سے زائد چیزوں سے مرکب ہوتا ہے اور مرکب وہ ہوتا ہے کہ پہلے دو مفرد ہوں، پھر ملیں تو مرکب بن جائے۔ تو مرکب پہلے نہیں ہوتا بعد میں بنتا ہے۔ جو پہلے نہ ہو اور بعد میں بنے اسے حادث کہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تو قدیم ہے، حادث نہیں ہے۔ اس لیے جسم سے پاک ہے۔

(2): جسم جتنا بھی بڑا ہو وہ ایک جگہ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اس کی حد ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے لہذا جسم سے پاک ہے۔

(3): جسم کو خاص مکان چاہیے جبکہ اللہ تعالیٰ خاص مکان سے پاک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

(4): جسم کی ایک خاص جہت ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ جہات سے پاک ہے تو جسم سے بھی پاک ہے۔

دلیل نمبر 3:

اگر ان کلمات ید، عین، وجہ، ساق وغیرہ کے لیے کیفیات ثابت کر دی جائیں اگرچہ مجہول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم لازم آئے گا کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔

چنانچہ امام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری اللاکائی رحمہ اللہ (ت 418ھ) اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ (ت 189ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

اَتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ عَلَى الْإِيمَانِ بِالْقُرْآنِ
وَالْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَ بِهَا الثِّقَاتُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صِفَةِ
الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ غَيْرِ تَغْيِيرٍ وَلَا وَصْفٍ وَلَا تَشْبِيهِ فَمَنْ فَسَّرَ الْيَوْمَ شَيْئًا مِنْ
ذَلِكَ فَقَدْ خَرَجَ مِمَّا كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ
فَإِنَّهُمْ لَمْ يَصِفُوا وَلَمْ يُفَسِّرُوا وَاللَّيْنِ أَفْتَتُوا إِمَامِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ ثُمَّ سَكَتُوا.

شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ لللاکائی: ج 1 ص 354، 355 رقم الفقرة 740

ترجمہ: مشرق سے لے کر مغرب تک تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق قرآن کریم اور ثقہ راویوں سے مروی احادیث مبارکہ میں جو نصوص آئی ہیں ان پر بغیر کسی تبدیلی، بغیر کیفیت بیان کئے اور بغیر تشبیہ کے ایمان لانا ضروری ہے۔ جس شخص نے ان صفات کا (حتی) معنی بیان کیا تو وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت سے ہٹ گیا اور سواِ اعظم سے الگ ہو گیا، اس لئے کہ اسلاف نہ تو ان صفات کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی تفسیر کرتے ہیں بلکہ جو کچھ قرآن اور

سنت میں ہے اسی کو بیان کر کے (ان کی تشریح کے بارے) خاموش ہو جاتے ہیں۔
 امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ اللیہتی رحمہ اللہ (ت 458ھ)
 فرماتے ہیں:

”فَإِنَّ الذِّمِّيَّ يَجِبُ عَلَيْنَا وَعَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَعْلَمَهُ أَنَّ رَبَّنَا لَيْسَ
 بِذِي صُورَةٍ وَلَا هَيْئَةٍ فَإِنَّ الصُّورَةَ تَقْتَضِي الْكَيْفِيَّةَ وَهِيَ عَنِ اللَّهِ وَعَنْ صِفَاتِهِ
 مَنفِيَّةٌ.“

کتاب الاسماء والصفات للیہتی: ج 2 ص 21، باب ما ذکر فی الصورة

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت
 والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور
 اس کی صفات کیفیات سے پاک ہیں۔

امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی الحنفی رحمہ اللہ
 (ت 537ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا مُتَنَاهٍ وَلَا يُوصَفُ بِالْمَاهِيَةِ وَلَا بِالْكَيفِيَّةِ.

متن العقيدة النسفية

ترجمہ: اللہ تعالیٰ متناہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ماہیت کے ساتھ متصف نہیں (کوئی اس کا ہم
 جنس نہیں) اور نہ ہی کیفیت کے ساتھ متصف ہے۔

دلیل نمبر 4:

معنی جنس؛ نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ ”ید“ جو کہ اسم جنس ہے، کا معنی
 ”جارحہ“ ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے۔ اگر ”ید اللہ“ سے بھی یہی معنی مراد ہو تو ”ید“
 جو کہ صفت باری ہے، کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ ”ید اللہ“ جو کہ صفت باری
 ہے، قدیم ہے۔

دلیل نمبر 5:

ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجہول الکیفیہ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجہول الکیفیہ نہیں بلکہ معلوم الکیفیہ ہیں۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔

دلیل نمبر 6:

متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

۱: غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات اَلَمْ، اَمَّ، ن وغیرہ۔

۲: معلوم المعنی غیر معلوم المراد جیسے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ﴾

اگر ہم ان کلمات ید، عین وغیرہ سے اعضاء مجہول الکیفیہ مراد لیں تو متشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجہول الکیفیت لازم آئے گی جبکہ متشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزم باطل بھی باطل ہوتا ہے۔

اشکال:

اگر متشابہ کی تیسری قسم مان لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ متشابہ کی پہلی دو قسمیں بھی تو منصوص نہیں۔ اگر تیسری کو مانا جائے تو کسی نص کی مخالفت تو لازم نہیں آتی!

جواب:

تیسری قسم ”معلوم المعنی، معلوم المراد اور مجہول الکیفیت“ ہے۔ اگر اس کو بھی ثابت مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے کیفیات کا اثبات لازم آئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیفیات کا ثابت کرنا باطل ہے، اس لیے تیسری قسم کا ہونا بھی باطل ہے۔

فائدہ نمبر 1:

صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے ”عین“ کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو ”غیر“ کہتے ہیں۔ صفاتِ باری تعالیٰ عین ذاتِ باری اس لیے نہیں کہ صفت؛ ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لیے نہیں کہ صفت؛ تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے اور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور ذاتِ باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا صفاتِ کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ بلکہ یہ صفات لازم ذات ہیں۔

اشکال: علی بن علی بن محمد بن ابی العزالد مشقی (ت 792ھ) نقل کرتے ہیں کہ:

قَالَ الْإِمَامُ مَالِكٌ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - لَبَّأَسْئَلُ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾ كَيْفَ اسْتَوَى؟ فَقَالَ: الْإِسْتَوَاءُ مَعْلُومٌ وَالْكَيفُ مَجْهُولٌ وَالْإِيْمَانُ بِهِ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ.

شرح العقیدہ الطحاوی لابن ابی العز: ج 1 ص 188

ترجمہ: امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے جب یہ پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾ میں استواء کی کیفیت کیا ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا: استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے استواء ثابت کر کے مجہول الکیفیت قرار دیا ہے۔ لہذا صفاتِ باری کے حقیقی معنی مراد لے کر مجہول الکیفیت قرار دینا درست ہے۔

جواب: یہ مقولہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں۔

چنانچہ شیخ عماد الدین احمد حیدر؛ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”الاسماء والصفات“ پر اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَا يُرْوَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: "الْإِسْتَوَاءُ مَعْلُومٌ وَالْكِيفِيَّةُ فَجْهُولَةٌ" فَهَذَا لَمْ يَثْبُتْ عَنْ مَالِكٍ وَلَا غَيْرِهِ مِنَ الْأَئِمَّةِ.

التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات: ج 2 ص 151

ترجمہ: یہ بات جو بیان کی جاتی ہے کہ ”استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے“ یہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ بلکہ کسی بھی امام سے ثابت نہیں۔

فائدہ:

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی رحمہ اللہ (ت 458ھ) نے ”کتاب الاسماء والصفات“ میں اور حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 852ھ) نے ”فتح الباری شرح صحیح البخاری“ میں بسند جید امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول نقل کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهَبٍ، يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ! ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ كَيْفَ اسْتَوَاؤُهُ؟ قَالَ: فَاطْرَقَ مَالِكٌ وَأَخَذَتْهُ الرُّحَصَاءُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ، وَلَا يُقَالُ: كَيْفَ، وَكَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوعٌ، وَأَنْتَ رَجُلٌ سُوءٌ صَاحِبٌ بِدْعَةٍ، أَخْرِجُوهُ. قَالَ: فَأَخْرِجَ الرَّجُلَ.

کتاب الاسماء والصفات: ج 2 ص 150، فتح الباری: ج 13 ص 498 باب وكان عرشه على الماء

ترجمہ: امام عبد اللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے امام مالک سے کہا: اے ابو

عبداللہ! رحمن عرش پر مستوی ہے، اس کا استواء کیسے ہے؟ ابن وہب فرماتے ہیں کہ امام مالک نے سر جھکا لیا اور آپ کو پسینہ آگیا۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: رحمن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے، یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ (یعنی کیفیت کی نفی کی جائے) اور اللہ تعالیٰ سے کیفیت مرفوع ہے (یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا) اور تو بر اور بدعتی آدمی ہے۔ پھر حاضرین سے فرمایا: اسے نکال دو۔ چنانچہ اسے باہر نکال دیا گیا۔

اسی طرح امام ابو بکر بیہقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہما اللہ نے ولید بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے:

عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاللَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَتْ فِي التَّشْبِيهِ فَقَالُوا: أَمَرُواهَا كَمَا جَاءَتْ بِلاَ كَيْفِيَّةٍ.

کتاب الاسماء والصفات: ج 2 ص 198، فتح الباری: ج 13 ص 498 باب دکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: ولید بن مسلم فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام لیث بن سعد رحمہم اللہ سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ احادیث جیسے منقول ہیں ویسے ہی کیفیت کے بغیر بیان کرو۔

تو امام مالک رحمہ اللہ سے مروی درج بالا روایات میں ”کیف“ کی باقاعدہ نفی ہے۔

فائدہ نمبر 2:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں علمائے راہنہ کا طرز یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ صفات متشابہات میں کھود کرید نہیں کرتے۔ ان میں ایسی تاویلات نہیں کرتے جن سے ان کی مراد ہی باطل ہو جائے بلکہ ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں۔

راسخین فی العلم اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے بارے میں تشبیہ، تعطیل یا تکلیف کے قائل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (٧)﴾

سورۃ آل عمران: 7

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے، اس میں کچھ آیات محکمات ہیں جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ فتنے کی تلاش میں ان متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کی تاویلات کرنے میں لگے رہتے ہیں حالانکہ ان آیتوں کا صحیح صحیح مطلب اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ لوگ جو علم میں پختہ کار ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

اشکال:

راسخین فی العلم کا وظیفہ صفات متشابہات میں تاویل نہ کرنا ہے جبکہ متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ تو صفات متشابہات میں تاویل کرتے ہیں۔ تو کیا متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ راسخین فی العلم نہیں؟

جواب:

قرآن کریم میں راسخین فی العلم کی جو صفت بیان ہوئی کہ وہ تاویلات میں

نہیں پڑتے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ صفات متشابہات کی ایسی تاویلات نہیں کرتے جن سے صفات کی مراد ہی باطل ہو جائے اور امت اس اعتقاد کی وجہ سے گمراہ ہو جائے جبکہ متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ جو صفات متشابہات کی تاویل کرتے ہیں وہ امت کو گمراہی سے بچانے کے لیے درجہ ظن میں کرتے ہیں۔ اس تاویل سے ان صفات کی مراد باطل نہیں ہوتی۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری الحنفی المعروف ابن الہمام رحمہ اللہ (ت 861ھ) فرماتے ہیں:

هَذَا التَّأْوِيلُ لِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَوِّفٍ فَهُمْ الْعَامَّةُ عَنِ الْجَسَمِيَّةِ وَهُوَ يُمَكِّنُ أَنْ يُرَادَ وَلَا يُجْزَمُ بِإِرَادَتِهِ.

المسيرة مع المسامرة لابن الہمام ص 48 الاصل الثامن

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے عوام کی فہم کو ”عقیدہ جسمیت“ سے بچانے کے لیے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

علامہ عبد العزیز پرہاروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ الْخَلْفِ تَفْسِيرُهَا بِمَا يَلِيقُ بِهِ تَعَالَى لَا شَتَهَارَ الْمَذَاهِبِ الْفَاسِدَةِ فِي زَمَانِهِمْ وَتَذْلِيلِ الْمُشَبَّهَةِ عَوَامِ الْمُسْلِمِينَ فَفَعَلُوا ذَلِكَ حِفْظًا لِلدِّينِ.

النبراس شرح العقائد: ص 120

ترجمہ: علمائے خلف (از اہل السنۃ) کا موقف یہ ہے کہ ان صفات کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو کیونکہ خلف کے زمانے میں غلط نظریات عام ہو رہے تھے اور فرقہ مشبہ عامۃ المسلمین کو گمراہ کر رہا تھا، تو خلف حضرات نے صفات کی تاویل اس لیے کی تاکہ لوگوں کے اعتقادات کو فاسد ہونے سے بچایا جاسکے۔

اشکال:

متشابہات میں بحث کرنے کو اللہ تعالیٰ نے کج رُو لوگوں کا مشغلہ قرار دیا ہے تو اہل السنۃ والجماعۃ ان میں بحث کیوں کرتے ہیں؟ مثلاً استواء علی العرش، ید، عین، وجہ پر بحث کرتے ہیں۔

جواب:

یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں:

1: صفات متشابہات میں بحث کرنا

2: ان صفات میں بحث کرنے والوں کو جواب دینا

اہل السنۃ والجماعۃ صفات متشابہات کی بحث میں نہیں پڑتے بلکہ اہل باطل جو متشابہات کی بحث میں پڑ کر امت کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کو جواب دینے کے لیے بحث کرتے ہیں۔ اول مذموم ہے جبکہ ثانی محمود ہے۔

اشکال:

جب اللہ تعالیٰ مشابہات مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن و حدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کیے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں؟

جواب:

امام ابو الفرج عبد الرحمن بن ابی الحسن علی بن محمد متمی المعروف ابن الجوزی رحمہ اللہ (ت 597ھ) ”دَفْعُ شُبُهَةِ التَّشْبِيهِ“ میں لکھتے ہیں:

إِنَّ الْخَلْقَ غَلَبَ عَلَيْهِمُ الْحُسُّ فَلَا يَكَادُونَ يَعْرِفُونَ غَيْبَهُ وَسَبَبَهُ الْمَجَانَسَةُ لَهُمْ فِي الْحَدِيثِ فَعَبَدَ قَوْمُ النُّجُومِ وَأَصْأَفُوا إِلَيْهَا الْمَنَافِعَ وَالْمَضَارَّ

وَعَبَدَ قَوْمٌ النُّورَ وَأَصَافُوا إِلَيْهِ الْحَيَّرَ وَأَصَافُوا الشَّرَّ إِلَى الظُّلْمَةِ وَعَبَدَ قَوْمٌ
الْبَلَائِكَ وَ قَوْمٌ الشَّمْسَ وَ قَوْمٌ عَيْسَى وَ قَوْمٌ عَزِيزَ وَعَبَدَ قَوْمٌ الْبَقَرَ
وَالْأَكْثَرُونَ الْأَضَنَامَ فَأَنَسَتْ نُفُوسُهُمْ بِالْحَيِّسِ الْمَقْطُوعِ بِوُجُودِهِ وَلِذَلِكَ قَالَ
قَوْمٌ سَيِّدِنَا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ! "اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا" فَلَمَّا جَاءَتِ الشَّرَائِعُ
بِالْتَّنْزِيهِ الْمَحْضِ جَاءَتْ بِمَا يُطَائِبُ النَّفْسَ فَلَمَّا قَالُوا: صِفْ لَنَا رَبَّكَ! نَزَلَتْ! "قُلْ
هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" وَلَوْ قَالَ لَهُمْ: لَيْسَ بِجَسَمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرِضٍ وَلَا طَوِيلٍ
وَلَا عَرِيزٍ وَلَا يَشْغُلُ الْأَمْكِنَةُ وَلَا يَحْوِيهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنْ الْجِهَاتِ السَّبْتِ
وَلَيْسَ بِمُتَحَرِّكٍ وَلَا سَاكِنٍ وَلَا يُدْرِكُهُ الْإِحْسَاسُ لَقَالُوا: حَدِّ لَنَا النَّفْسَ بِأَنْ
تَمَيِّزَ مَا تَدْعُونَا إِلَى عِبَادَتِهِ عَنِ النَّفْسِ وَالْأَفْأَنْتَ تَدْعُو إِلَى عَدَمِهِ.

دَفْعُ شُبُهَةِ التَّشْبِيهِ لَابْنِ الْجَوَازِي: ص 11

ترجمہ: انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے
بغیر (اللہ کو) سمجھ ہی نہ پاتے تھے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان کی گفتگو میں اللہ کا
تذکرہ محسوسات کی بنا پر ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے ستاروں کی پرستش کی اور
انہیں نفع و نقصان کا مالک قرار دیا۔ کچھ لوگوں نے نور کی پرستش کی اور اسے خیر کا مالک
جبکہ ظلمت کو شر کا مالک قرار دیا۔ کسی نے فرشتوں کی، کسی نے سورج کی، کسی نے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی، کسی نے حضرت عزیر علیہ السلام کی، کسی نے گائے کی اور
کئی لوگوں نے توتوں کی پرستش کی۔ اس لیے طبائع انسانی حسی اللہ کے وجود کے ساتھ
ہی مانوس ہو کر رہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے (ان
سے) کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنائیے جس طرح ان لوگوں کے معبود ہیں۔
اگر شریعت میں اللہ کے خواص کو تنزیہ محض کی صورت میں بیان کیا جاتا تو صفات کو
نافیہ ہی لایا جاتا۔ چنانچہ جب مشرکین نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ

آپ اپنے رب کی صفات بیان کیجیے (کہ وہ کیسا ہے؟) تو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" نازل ہوئی کہ کہہ دیجیے اللہ ایک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ (صفاتِ نافیہ ذکر کرتے ہوئے) یہ فرما دیتے کہ ”وہ نہ جسم ہے، نہ جوہر، نہ طویل، نہ عریض، نہ اکمنہ میں اتر کر ان کو بھرتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لیے جہاتِ ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ حواس کے ذریعے اس کی حقیقت کا ادراک کیا جاسکتا ہے“ تو مشرکین کہہ اٹھتے کہ آپ اس ”نہ ہونے والی ذات“ (مطلب کہ یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں، تو وہ نہ ہونے والی ذات ہے کیا؟) کی تعریف تو کریں تاکہ آپ صفاتِ منفیہ بیان کر کے جس ذات کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں وہ واضح تو ہو ورنہ یہ تو ایسا ہے کہ آپ ہمیں معدوم کی عبادت کی طرف بلارہے ہیں۔

فائدہ: صفاتِ متشابہات کی مزید تفصیل کے لیے بندہ کی مرتب کردہ فائل ”توحید باری تعالیٰ“ ملاحظہ فرمائیں۔

تقدیرِ الہی کا بیان

خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی الْاَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ وَكَانَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَالِمًا فِي الْاَزَلِ بِالْاَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِي قَدَّرَ الْاَشْيَاءَ وَقَضَاهَا وَلَا يَكُونُ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ شَيْءٌ اِلَّا بِمَشِيئَتِهِ وَعَلَيْهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرُهُ وَكَتَبَهُ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ وَلَكِنْ كَتَبَهُ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو مادہ کے بغیر پیدا فرمایا۔ اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان کا علم تھا۔ اس نے تمام مخلوق کے لیے کچھ چیزیں مقرر کیں اور ان میں اپنا حکم جاری فرمایا۔ دنیا و آخرت میں جو چیز بھی وقوع پذیر ہوگی وہ اس کی مشیت، علم، فیصلہ، تقدیر اور لوحِ محفوظ کے نوشتہ کے مطابق

ہی ہوگی البتہ لوح محفوظ میں اس کو باعتبار وصف کے تحریر فرمایا نہ کہ باعتبار حکم کے۔

قَوْلُهُ: خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو کسی مادہ کے بغیر پیدا فرمایا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں بدیع، مُبدی، فاطر اور مُنشئ جیسی صفات کا مفہوم بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا لیکن اسے کسی مادے کی ضرورت نہیں پڑی کہ پہلے وہ مادہ موجود ہو تب عالم کو تخلیق کریں بلکہ تمام مخلوقات کو بغیر مادے کے عدم سے وجود بخشا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

فلاسفہ اس بات کے قائل ہیں کہ خالق نے جب موجودات کو وجود بخشا تو انہیں ایک مادہ سے پیدا کیا۔ مادہ موجودات کے وجود سے پہلے موجود تھا۔ اسے فلسفہ کی زبان میں ”ہیولی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ”ہیولی“ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ”اصل“ اور ”مادہ“ ہے۔

لیکن ان کا یہ قول چند وجوہات کی بنا پر غلط ہے:

نمبر 1: اس پر کوئی نص صریح یا نقل صحیح موجود نہیں، محض وہم کی بناء پر عقائد ثابت نہیں ہوتے۔

نمبر 2: اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح ”مادہ“ بھی قدیم ہو۔ یوں تعدد قدام لازم آئے گا اور یہ عقیدہ توحید کے منافی ہے۔

نمبر 3: اگر مادے کو موجودات پر مقدم مانا جائے تو ایک موجد اور خالق عالم میں فرق باقی نہ رہے گا۔ موجد بھی موجود اشیاء کو اپنی کاریگری سے ایک نیا وجود عطا کرتا

ہے۔ تو اگر خالق عالم کے لیے بھی یہی معاملہ تسلیم کر لیا جائے تو خالق عالم اور موجد میں سوائے مخصوص صنعت اور کاریگری کے کوئی اور فرق باقی نہ رہے گا جبکہ خالق کا مخلوق کے مشابہ نہ ہونا ایک طے شدہ بات ہے۔

نمبر 4: اس نظریے سے خالق کی احتیاج لازم آتی ہے کہ موجودات کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے وہ ”مادہ“ کے محتاج تھے۔ محتاج ہونا اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت کے خلاف ہے۔

فائدہ نمبر 2:

کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ”تخلیق“ اور موجود کو نئی شکل دینا ”ایجاد“ کہلاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بغیر مادہ کے اشیاء کو پیدا فرماتے ہیں تو ان کو ”خالق“ کہتے ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل سے نئی شکل دیتا ہے تو اسے ”موجد“ کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى عَالِمًا فِي الْأَزَلِ بِأَلْأَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِي قَدَّرَ الْأَشْيَاءَ وَقَضَاهَا

ترجمہ: اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان کا علم تھا۔ اس نے تمام مخلوق کے لیے کچھ چیزیں مقرر کیں اور ان میں اپنا حکم جاری فرمایا۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ازلی ذات ہے اسی طرح اس کا علم بھی ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ موجودات کو وجود عطا کرنے سے پہلے ہی ان کے متعلق جانتے تھے کہ جب انہیں وجود عطا ہو گا تو وہ کس طرح ہوں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کے لیے کچھ چیزیں مقرر کیں۔ مثلاً انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی جسمانی ساخت سر، دھڑ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ کو پیدا فرمایا۔ اسی طرح اس کا رزق، عزت، ذلت،

بلندی، پستی وغیرہ جیسی چیزوں کو بھی مقرر فرمایا۔ مخلوق کو جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ بھی پیدا فرمائیں اور کتنی مقدار میں ضرورت پڑتی ہے اتنی مقدار میں پیدا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا مخلوقات کو پیدا فرما کر ان کے لیے ضروری اشیاء کو مقرر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی تخلیق سے پہلے انہیں جانتے تھے تب ہی تو ان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ آئندہ پیش آنے والی چیزوں کو بھی متعین فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (۴۹)﴾

سورۃ النمر: 49

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کر پیدا فرمایا ہے۔

﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾

سورۃ التوبہ: 78

ترجمہ: کیا ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ اللہ ان کی پوشیدہ اور ظاہری سب باتوں کو جانتے ہیں اور اللہ تمام غیب کی باتوں کا علم رکھتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَا يَكُونُ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيئَتِهِ وَعَلَيْهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ وَكَتَبِهِ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ وَلَكِنْ كَتَبَهُ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ

ترجمہ: دنیا و آخرت میں جو چیز بھی وقوع پذیر ہوگی وہ اس کی مشیت، علم، فیصلہ، تقدیر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہی ہوگی البتہ لوح محفوظ میں اس کو باعتبار وصف کے تحریر فرمایا نہ کہ باعتبار حکم کے۔

اس عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں، پہلے ان کا معنی سمجھ لیا جائے:

مشیتِ الہی:

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں بندوں کو نیکی اور برائی دونوں کا اختیار دوں۔ اب

بندے کی مرضی کہ نیکی والا اختیار استعمال کر کے نیک کام کرے یا برائی والا اختیار استعمال کر کے گناہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی چاہت سے بندے کو نیکی یا برائی کا اختیار دینا ”مشیت“ ہے۔

علم الہی:

دنیا میں جو کچھ ہو گا وہ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے اپنے اختیار سے اطاعت والے کام کرنے ہیں یا نافرمانی کا ارتکاب کرنا ہے، یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اسی کا نام ”علم باری تعالیٰ“ ہے۔

قضاء الہی:

بندہ جب کسی کام کے لیے اسبابِ خیر یا اسبابِ شر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے ہونے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں۔

قدر الہی (تقدیر):

تقدیر: علم الہی اور امر الہی کے مجموعے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ بندے کو اختیار دیں گے تو بندہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا یہ علم الہی ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ بندہ یہ کام کرے گا یہ امر الہی ہوا۔ اب علم الہی؛ امر الہی کے خلاف ہو یا امر الہی؛ علم الہی کے خلاف ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو تقدیر صرف ”علم الہی“ کا نام نہیں بلکہ تقدیر علم الہی اور امر الہی کے مجموعے کا نام ہے۔

اب عبارت کا مفہوم سمجھیں!

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں جو واقعات و حادثات رونما ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، قضاء، تقدیر اور لوح

محفوظ کے لکھے ہوئے کے بالکل مطابق ہوں گے۔ مثلاً عمران کے قرآن کریم حفظ کرنے کا واقعہ رونما ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ”مثبت“ کے موافق ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ میں عمران کو اختیار دوں گا اور یہ اپنے اختیار سے حفظ کرے گا۔ عمران کا حفظ قرآن اللہ تعالیٰ کے ”علم“ کے مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ عمران یہ عمل کرے گا۔ عمران کا یہ عمل اللہ کی ”قضا اور فیصلہ“ کے بھی مطابق ہے کیونکہ عمران نے حفظ قرآن کے اسباب اختیار کیے، قاری صاحب کے پاس گیا، یاد کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حفظ کرنے کا فیصلہ بھی فرمادیا۔ یہ حفظ ”تقدیر الہی“ کے بھی مطابق ہے کیونکہ علم الہی اور امر الہی دونوں کے موافق ہے۔ یہ ”لوح محفوظ کے لکھے ہوئے“ کے بھی موافق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کی بنا پر لوح محفوظ میں لکھو ادیا تھا۔ تو دنیا اور آخرت میں واقعات کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور مثبت سے باہر نہیں۔ ہاں البتہ یہ ملحوظ رہے کہ لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا گیا ہے کہ یہ ہو گا تو یہ ”ہونا“ وصف کے اعتبار سے ہے، نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔ مثلاً شکیل نے نبیل کو قتل کرنا تھا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اللہ تعالیٰ؛ شکیل کو اختیار دیں گے اور شکیل اپنے اختیار سے نبیل کو قتل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوح محفوظ میں لکھ لیا۔ اب لکھنے کا معنی حکم نہیں کہ ”شکیل نبیل کو قتل کرے“، بلکہ لکھا جانا وصف کے اعتبار سے ہے کہ ”شکیل نبیل کو قتل کرے گا۔“

فائدہ:

لوح محفوظ میں امور کا لکھا جانا وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔ اگر یہ نکتہ سمجھ میں آجائے تو فرقہ جبریہ کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ فرقہ جبریہ انسان کو مجبور محض مانتا ہے۔ اس کا یہ کہنا ہے کہ انسان سے جن کاموں کا صدور ہوا ہے

یہ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کی وجہ سے ہوا ہے، اس میں انسان کا ذاتی کوئی اختیار نہیں، اس لیے انسان مجبور محض ہے۔

جبریہ کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ موقف اس وقت درست ہو گا جب یہ لکھا جانا ”حکم“ کے اعتبار سے ہو لیکن ایسا نہیں، لوح محفوظ میں امور کا لکھا جانا ”وصف“ کے اعتبار سے ہے، اس لیے بندہ مجبور محض نہیں!

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الیہی رحمہ اللہ (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ شَيْءٍ الْقَلَمَ فَقَالَ: اكْتُبْ. قَالَ: يَا رَبِّ وَمَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبِ الْقَدَرَ. قَالَ: فَجَرَى بِمَا هُوَ كَائِنٌ مِنْ ذَلِكَ الْيَوْمِ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ.

السنن الکبریٰ للبیہقی: ج 9 ص 3 رقم الحدیث 18157

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ قلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم فرمایا کہ لکھو! قلم نے عرض کیا: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تقدیر کو لکھو! تو قلم چلنا شروع ہوا اور اس دن سے لے کر قیامت تک جو ہونا ہے وہ سارا لکھ لیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو یہ حکم دیا کہ قیامت تک جو کچھ ہونا ہے وہ لکھو! یہ نہیں فرمایا کہ ”یہ لکھو کہ قیامت تک فلاں فلاں واقعہ رونما ہو!“ تو حدیث میں کتابت بالوصف کا ذکر ہے، نہ کہ کتابت بالحکم کا۔

قضاء، قدر اور مشیتِ الہیہ کا ازلی ہونا

وَالْقَضَاءُ وَالْقَدَرُ وَالْمَشِيئَةُ صِفَاتُهُ فِي الْأَزَلِ بَلَا كَيْفٍ يَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى الْمَعْدُومَ فِي حَالِ عَدَمِهِ مَعْدُومًا وَيَعْلَمُ أَنَّهُ كَيْفَ يَكُونُ إِذَا أَوْجَدَهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْمَوْجُودَ فِي حَالِ وُجُودِهِ مَوْجُودًا وَيَعْلَمُ أَنَّهُ كَيْفَ يَكُونُ فَنَأُوذُهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْقَائِمَ فِي حَالِ قِيَامِهِ قَائِمًا وَإِذَا قَعَدَ فَقَدْ عَلِمَهُ قَاعِدًا فِي حَالِ قُعُودِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَلَيْهِ أَوْ يَخْدُثَ لَهُ عِلْمٌ وَلَكِنْ التَّغْيِيرُ وَالْإِخْتِلَافُ يَخْدُثُ عِنْدَ الْمَخْلُوقِينَ.

ترجمہ: قضاء، قدر اور مشیت اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات ہیں جو بلا کیف ہیں۔ اللہ تعالیٰ معدوم چیز کو اس وقت بھی جانتا ہے جبکہ وہ ابھی حالت عدم میں ہو اور یہ بھی جانتا ہے کہ جب اسے (یعنی شے معدوم کو) وجود عطا کرے گا تو وہ کیسی ہوگی؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ موجود شے کو اس کی موجودہ حالت میں بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کب فنا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ ہر کھڑی ہونے والی چیز کو اس کے قیام کی حالت میں بھی جانتا ہے اور جب وہ چیز بیٹھے تو اس کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے۔ (ان تمام باتوں میں) نہ تو اس کے علم میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے علم میں کوئی نئی بات آتی ہے (کیونکہ ہر چیز وہ پہلے سے ہی جانتا ہے) ہاں تغیر اور تبدیلی جو پیدا ہوتی ہے تو وہ مخلوق کے اعتبار سے پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے جو ازل سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ دنیا میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو آئندہ ہو گا یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اگر مخلوق کے واقعات ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو ان واقعات کا علم ہونا تسلیم کیا جائے تو یہ نقص ہے کہ صفتِ علم اللہ

تعالیٰ میں پہلے نہ تھی، جب واقعہ رونما ہوا تو بعد میں اللہ تعالیٰ اس سے منصف ہو گیا۔ یہ دلیل نقص ہے اور اللہ تعالیٰ نقائص سے پاک ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو ان کی ہر حالت میں جاننا ثابت ہوا۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ اشیاء میں جب کوئی تغیر رونما ہوتا ہے مثلاً زید پیدا ہوا، اس نے علم حاصل کیا، بالآخر فوت ہو گیا۔ تو زید کے یہ احوال مختلف اوقات میں پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ یہ احوال جانتے ہیں لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر آیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے اس چیز کے احوال کا علم نہ تھا یا یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں اب آئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے ان احوال سے باخبر تھے۔ ہاں واقعات میں تغیر مخلوق کے اعتبار سے ہوتا ہے، خالق کے اعتبار سے نہیں۔

توضیح بالمثال:

ایک شخص کی قیام کی حالت کو لوگ اس وقت دیکھتے ہیں جب وہ شخص کھڑا ہوتا ہے۔ قیام کی حالت میں لوگ اس کے بیٹھنے کی حالت کو نہیں دیکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کے کھڑے ہونے کی حالت میں اس کے بیٹھنے کی حالت کو بھی جانتے ہیں گو یہ شخص ابھی بیٹھا نہ بھی ہو۔ تو بندے کے قیام کے وقت اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے قعود کی حالت بھی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن سمجھانے کے لیے مثال پیش کی جاتی ہے کہ جس طرح ایک آدمی قریب والے شخص کو تو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن دور والے شخص کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایک دوسرا آدمی دور بین لگا کر بیٹھا ہو تو اس کو دور والا شخص بھی اسی طرح نظر آتا ہے جس طرح قریب والا شخص نظر آتا ہے۔ یہ دور والا شخص دور بین کے بغیر دیکھنے والے آدمی کے لیے تو غائب ہے لیکن دور بین والے آدمی کے لیے وہ

شخص غائب نہیں بلکہ اس کے لیے قریب والا اور دور والا دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے قیام والے شخص کی حالتِ قعود ایسے ہی ہے جس طرح اس کی ابھی والی حالتِ قیام سامنے ہے۔

فطرتِ انسانی

خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْخَلْقَ سَلِيمًا مِنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ ثُمَّ خَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ وَنَهَاهُمْ فَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهِ وَإِنْكَارَ وَجُودِهِ الْحَقِّ بِخُذْلَانِ اللَّهِ تَعَالَى إِثْبَاةً وَأَمَنَ مَنْ آمَنَ بِفِعْلِهِ وَإِقْرَارَ وَتَصْدِيقِهِ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى إِثْبَاةً وَنَصْرَتِهِ لَهُ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو کفر و ایمان سے خالی پیدا فرمایا۔ پھر انہیں خطاب فرمایا اور کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیا اور کچھ سے منع فرمایا۔ پھر کسی نے باختیارِ خود (احکاماتِ خداوندی کا) انکار کیا اور (راہِ حق کی) مخالفت کی جس کی وجہ سے توفیقِ الہی اس کے شامل حال نہ رہی تو وہ کافر ہو گیا، اور کسی نے باختیارِ خود (احکاماتِ خداوندی کا) اقرار کیا اور تصدیق کی جس کی وجہ سے توفیق و نصرتِ الہی اس کے شامل حال ہوئی تو وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اسے کفر اور ایمان سے خالی پیدا فرمایا۔ البتہ ان میں یہ صلاحیت رکھ دی کہ کفر کو اختیار کرنا چاہے یا ایمان کو تو اختیار کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے جبراً کسی ایک جہت کا پابند نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّيْنَاهَا ۚ قَالَ لَهَا مُتَّبِعَةٌ فَجُوزَهَا وَتَقْوَاهَا ۖ﴾ (۸)

سورۃ الشمس: 7، 8

ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا (یعنی بنایا) اور اس

میں گناہ کرنے کا اور گناہ سے بچنے کا مادہ ودیعت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں گیارہ قسمیں کھا کر اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ”فَجُورَهَا“ گناہ کی طاقت اور ”تَقْوَاهَا“ اس کو کنٹرول کرنے کی طاقت دی ہے۔

کفر اور ایمان سے مبرا پیدا فرما کر انہیں اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی سے منع فرمایا۔ اب یہ انسانی فعل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کس جانب کو اختیار کرتا ہے اور کس جانب کو مسترد کرتا ہے۔ اسی پر انسان کی کامیابی کا مدار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا﴾

سورۃ الکہف: 29

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ حق تمہارے رب کی جانب سے (واضح ہو چکا) ہے اس لیے جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جس کا دل چاہے کفر اختیار کرے۔ ہم نے (انکار کرنے والے) ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے۔

جب کوئی شخص حق کا انکار کرے تو اس نے خود ہی قبول حق کی استعداد کو ختم کر دیا۔ ظاہر ہے اب خدا تعالیٰ کی طرف سے ناکامی اس کا مقدر بنے گی اور بالآخر یہ شخص جادۂ حق سے ہٹ کر گمراہ ہو جائے گا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذلان ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خداداد صلاحیت سے حق کی راہ پر چلتا ہے تو نتیجہً کامیابی اس کا مقدر بنے گی۔ یہی خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق کا ملنا ہے۔

اشکال:

”مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهِ وَإِنْكَارِهِ وَخُودِهِ الْحَقِّ يَحْذَرُ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِيَّاهُ وَأَمِنْ مَنْ أَمِنَ بِفِعْلِهِ وَإِقْرَارِهِ وَتَصْدِيقِهِ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَىٰ إِيَّاهُ وَنُصْرَتِهِ لَهُ“.... جب

اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو بندہ کیسے ایمان لائے؟ اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دینے کا فیصلہ فرمائے تو بندہ کیسے کفر کرے؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بندہ مجبورِ محض ہے۔

جواب:

یہ اشکال اس وقت ہوتا ہے جب ”يُخَذِّلَانِ اللّٰهُ تَعَالٰی“ اور ”يَتَوَفِّيكَ اللّٰهُ تَعَالٰی“ میں ”با“ تعلیل کا ہو لیکن یہاں ”با“ تعلیل کا نہیں بلکہ عاقبت اور نتیجہ کا ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں ہے:

﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ﴾ (۸)

سورة القصص: 8

ترجمہ: فرعون کے لوگوں نے اس (بچے) کو اٹھالیا تاکہ یہ بچہ ان کا دشمن اور غم کا ذریعہ بنے۔ بے شک فرعون، ہامان اور ان دونوں کے لشکر خطا پر تھے۔

یہاں بھی ”لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا“ میں ”لام“ عاقبت اور انجام کا ہے۔ یعنی انہوں نے اس بچے کو اس لیے نہیں اٹھایا تھا کہ ان کا دشمن بنے بلکہ اٹھایا تو اس لیے تھا کہ ان کا بیٹا بنے اور ان کے لیے خوشی کا سبب ہو لیکن نتیجہ یہ نکلا وہ بچہ ان کا دشمن بنا اور ان کے غم کا ذریعہ بنا۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾

سورة النساء: 35

ترجمہ: اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ خاوند اور بیوی کے درمیان تعلقات

خراب ہو جائیں گے تو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے منتخب کرو، اگر یہ دونوں صلح کروانا چاہیں تو اللہ دونوں میاں بیوی میں اتفاق پیدا فرمادے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ جب مخلص ہو کر کوئی کام کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسباب عطا فرمادیتے ہیں۔ اسی کا نام ”توفیق“ ہے۔

وعدۃ الست

أَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ مِنْ صُلْبِهِ فَجَعَلَهُمْ عُقَلَاءَ فَخَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَنَهَاَهُمْ عَنِ الْكُفْرِ فَأَقْرَأُوا آلَهُ بِالرَّبُّوبِيَّةِ فَكَانَ ذَلِكَ مِنْهُمْ إِيْمَانًا فَهُمْ يُؤَلَّدُونَ عَلَى تِلْكَ الْفِطْرَةِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ وَمَنْ آمَنَ وَصَدَّقَ فَقَدْ ثَبَّتَ عَلَيْهِ وَدَاوَمَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو پیدا فرمایا۔ پھر ان میں عقل کی دولت ودیعت فرمائی۔ پھر انہیں خطاب فرمایا اور ایمان لانے کا حکم دیا اور کفر سے منع فرمایا۔ (اس خطاب کے نتیجے میں) انہوں نے خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ یہ اقرار دراصل ان کی طرف سے ایمان کا اظہار تھا۔ اسی فطرت پر یہ لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جو شخص اس کے بعد کفر کرتا ہے تو وہ اپنی اس فطرت کو تبدیل کر ڈالتا ہے اور اس میں تغیر پیدا کر دیتا ہے اور جو ایمان لاتا اور تصدیق کرتا ہے تو وہ اسی فطرت کو اپناتے ہوئے اس پر ثابت قدم رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے اپنی ربوبیت کا جو اقرار کروایا تھا اسے ”وعدۃ الست“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح نکالا جو

قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، پھر ان میں ارواح ڈالیں اور ان سے عہد لے کر اپنے رب ہونے کا اعتراف کروایا۔ اس عہد لینے کا ذکر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا ۚ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝﴾ (۱۷۳)

سورۃ الاعراف: 172

ترجمہ: اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود انہی پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ (اور یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس بات کا پتا ہی نہیں تھا۔

امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَخَذَ اللَّهُ الْإِبْرَاهِيمَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بَنِعَمَانَ يَعْنِي عَرَفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَاهَا فَتَوَخَّوهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالَّذِثُّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قَبْلًا قَالَ "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا ۚ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ"

مسند احمد: ج 3 ص 118 رقم الحديث 2455

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میدان عرفہ کی وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی

اولاد سے عہد لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی (قیامت تک کی) ساری اولاد کو نکالا اور اپنے سامنے ایک جگہ اس طرح جمع فرمایا کہ وہ سب چیونٹیوں کے برابر جسم رکھتے تھے۔ پھر ان سے یہ عہد لیا اور فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ (یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس بات کا پتا ہی نہیں تھا۔

اشکال:

قرآن مجید کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی پشت سے ان کی نسل کو نکال کر ان سے عہد لیا گیا جبکہ مسند احمد کی حدیث کے مطابق خود حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی نسل کو نکال کر یہ عہد لیا گیا۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔

جواب:

حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان لوگوں کو نکالا گیا تھا جو براہ راست حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہونے لگے تھے اور اولادِ آدم کی پشت سے ان کو نکالا گیا جو اولادِ آدم کی پشت سے پیدا ہونے والے تھے۔ یعنی پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی براہ راست اولاد کو نکالا گیا پھر اس اولاد کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا گیا اور یوں تمام سے عہد لیا گیا۔ اب کوئی تعارض نہیں۔

فائدہ: یہ عہد اس وقت لیا گیا جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تھا۔ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

أَخَذَ اللَّهُ الْمِيثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بْنِ نَعْمَانَ يَعْنِي عَرَفَةَ.

مسند احمد: ج 3 ص 118 رقم الحديث 2455

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میدان عرفہ کی وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد لیا تھا۔

سوال:

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا جو اقرار لیا تھا اس کا کیا فائدہ ہوا؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار اس لیے لیا تھا تا کہ عقیدہ ربوبیت انسان کی فطرت میں شامل ہو سکے۔ انسانی فطرت آج اس بات پر متفق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عالم کارب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتی ہے یا انسان کے احوال اس کے موافق نہیں ہوتے تو اس میں طبعی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجحان ہونے لگتا ہے۔ یہ اسی ”وعدۃ الست“ کا اثر ہے۔

سوال:

یہ عہد کسی کو بھی یاد نہیں کہ اس نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ اس لیے عہد لیے جانے کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

جواب:

1: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں: ایک عمل اور دوسرا اس عمل کا اثر۔ عہد الست کا عمل اگرچہ یاد نہیں لیکن اس کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ آثار کا باقی رہنا بھی مفید ہے اس لیے عہد الست بے فائدہ نہ ہوا۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے جیسے

ایک جید عالم فاضل ہے جو ایک طویل عرصہ سے دینِ متین کی خدمت کر رہا ہے۔ اسے اپنے بچپن کے واقعات یاد نہیں ہوں گے جب وہ ابتدائی تعلیم حاصل کیا کرتا تھا۔ استاذِ کاکھنا سکھانا، قرأت کے لہجے سکھانا اسے یاد نہ ہو گا لیکن اس کے آثار موجود ہیں کہ عالم فاضل ہے اور اسی ابتدائی تعلیم و تربیت کی بنا پر اچھا خاصا پڑھ لکھ سکتا ہے۔ بعینہ اسی طرح گو عہدِ الست کا وہ ماحول اور واقعہ یاد نہ ہو لیکن اس کے آثار موجود ہیں کہ انسان کا طبعی میلان رب تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے۔ یہ اسی عہدِ الست کا اثر ہے۔

2: امت کے بعض افراد کو یہ وعدہ اب بھی یاد ہے۔ معروف مفسر علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الحنفی رحمہ اللہ (ت 1127ھ) لکھتے ہیں:

وَسُئِلَ ذُو النُّونِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ سَيِّدٍ مِيثَاقٍ مَقَامِهِ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
هَلْ تَذْكُرُهُ؟ فَقَالَ: كَأَنَّهُ الْآنَ فِي أُذُنِي.

روح البیان: ج 3 ص 209 تحت قولہ تعالیٰ ”وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ“، الاعراف: 172
ترجمہ: حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو وعدہ الست یاد ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: (جلی کی) آواز تو اب بھی میری کانوں میں گونج رہی ہے۔

فائدہ: ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

آپ کا نام ثوبان بن ابراہیم، کنیت ابو الفیض اور لقب ذوالنون ہے۔ سن 179ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ صوفیاء کے حلقہ میں بلند مقام کے مالک تھے۔ علم و فضل میں اپنی مثال آپ تھے۔ کئی کتب تالیف کیں جن میں معروف کتاب ”حل الرموز“ ہے۔

آپ کے بارے میں مشائخِ طریقت رطب اللسان ہیں۔ شیخ فرید الدین عطار

رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ”سلطان معرفت و توحید“ اور ”قطب وقت“ کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ عبد الرحمن بن احمد بن محمد المعروف نور الدین جامی نے آپ کو ”امام تصوف“ قرار دیا۔ ملا جامی فرمایا کرتے تھے کہ صوفیاء کرام کسی نہ کسی جہت سے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ نظر آتے ہیں۔

آپ کے حکمت بھرے اقوال علماء اور صوفیاء کے حلقوں میں معروف ہیں۔ سن 245ھ میں فوت ہوئے۔

سوال:

”وَأَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَمَنْهَاهُمْ عَنِ الْكُفْرِ“ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کا حکم فرمایا اور کفر سے روکا۔ اس امر و نہی کی رو سے تمام لوگ ایمان لاتے اور کوئی بھی کافر نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۸۲)

سورۃ یسین: 82

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لے تو صرف اتنا ہی کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

جبکہ کئی لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ انہوں نے کفر اختیار کیا۔

جواب:

اس آیت ”إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ“ میں امر و نہی سے مراد امر و نہی تکوینی ہے، تشریعی نہیں۔ کیونکہ امر و نہی تکوینی میں دوسری جہت کا اختیار ہی نہیں ہوتا جبکہ امر و نہی تشریعی میں اللہ تعالیٰ ایک چیز کا حکم فرماتے ہیں اور دوسری چیز کا اختیار بھی ہوتا ہے۔

فائدہ:

قَوْلُهُ ”وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ“

اس عبارت میں دو الفاظ ”تبدیل“ اور ”تغییر“ کا معنی سمجھ لیں۔

تبدیل اور تغیر میں فرق:

تبدیل: ایک چیز کو واپس کر کے دوسری لے آنا۔ تغیر: ایک چیز کا رکھ لینا اور دوسری بھی لے آنا۔

جیسے ایک شخص اپنے والد صاحب کے لیے کپڑے لایا۔ کپڑے والد صاحب کو پسند نہ ہوں اور وہ شخص یہ کپڑے دکان پر واپس کر کے دوسرے لے آئے تو اسے ”تبدیلِ ثوب“ کہیں گے۔ اور اگر اس نے یہ کپڑے خود رکھ لے اور والد صاحب کے لیے دوسرے لے آئے تو اسے ”تغیرِ ثوب“ کہیں گے۔

قرآن کریم میں اس کی مثال موجود ہے۔

﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۚ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّا بُرْهَانٌ غَيْرٌ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تَلْقَائِي نَفْسِي ۚ إِنْ أَتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (۱۵)

سورۃ یونس: 15

ترجمہ: جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں تبدیلی کرو۔ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں کفار کی طرف سے تغیر یا تبدیل کے مطالبے کے جواب میں ”تبدیل قرآن“ کی نفی ہے اور درج ذیل آیت میں ”تغیر قرآن“ کی نفی ہے:

﴿وَإِنْ كَادُوا لَيُبْتَلُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَةً ۖ وَإِذَا لَا تَأْخُذُوكَ خَلِيلًا﴾ (۷۳)

سورۃ الاسراء: 73

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔
تبدیل اور تغیر کے مذکورہ بالا معنی کی روشنی میں امام اعظم رحمہ اللہ کی عبارت کو سمجھیں!

”فَقَدْ بَدَّلَ“ کا معنی یہ ہے کہ انسان نے وعدۃ الست میں ربوبیت کا اقرار کیا تھا لیکن اب اسے چھوڑ دیا یعنی دہریہ ہو گیا۔ ”وَعَيَّرَ“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار بھی کرتا ہے لیکن غیر اللہ کو بھی رب مانتا ہے یعنی مشرک ہو گیا۔
تنقیحات متکلم اسلام

ایمان اور فطرتِ انسانی

وَلَمْ يُجِبْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهِ عَلَى الْكُفْرِ وَلَا عَلَى الْإِيمَانِ وَلَا خَلَقَهُمْ مُؤْمِنًا وَلَا كَافِرًا وَلَكِنْ خَلَقَهُمْ أَشْخَاصًا وَالْإِيمَانُ وَالْكَفَرُ فِعْلُ الْعِبَادِ وَيَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ يَكْفُرُ فِي حَالِ كُفْرِهِ كَافِرًا فَإِذَا آمَنَ بَعْدَ ذَلِكَ عَلَيْهِ مُؤْمِنًا فِي حَالِ إِيْمَانِهِ وَأَحَبَّهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَلَيْهِ وَصِفَتُهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کفر یا ایمان پر مجبور نہیں کیا اور نہ ہی انہیں (جبراً) مؤمن یا کافر بنایا ہے بلکہ انہیں صرف اشخاص (و افراد) کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ ایمان اور کفر بندوں کا اختیاری فعل ہے۔ جب کوئی بندہ کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کفر کا (پہلے سے ہی) علم ہوتا ہے اور جب وہ بندہ بعد میں ایمان لاتا ہے تو اس کی حالت ایمان کا بھی اللہ تعالیٰ کو (پہلے سے) علم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس (کے ایمان لانے) کو پسند فرماتے ہیں (کفر اختیار کرنے کو پسند نہیں فرماتے) لیکن اس سے نہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی صفت میں کوئی تغیر واقع ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَمْ يُجِبْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهِ عَلَى الْكُفْرِ وَلَا عَلَى الْإِيمَانِ الْخ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کفر یا ایمان پر مجبور نہیں کیا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا (۷) فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (۸)﴾

سورۃ الشمس: 7، 8

ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا (یعنی بنایا) اور اس میں گناہ کرنے کا اور گناہ سے بچنے کا مادہ ودیعت فرمایا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ کسی شخص کو زور زبردستی ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ بندے کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جس راہ کو اختیار کرنا چاہے اختیار کرے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے راہ حق پر چلنے کو پسند فرماتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَيَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ يَكْفُرُ فِي حَالِ كُفْرِهِ كَافِرًا اِلٰخ

ترجمہ: جب کوئی بندہ کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کفر کا (پہلے سے ہی) علم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل کی بنا پر مخلوق کے احوال سے باخبر ہیں۔ مخلوق جس حال میں جو کام کرے اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے کفر اختیار کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم ہے۔ اگر کسی نے کفر کو چھوڑ کر ایمان قبول کرنا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے لیکن ان معلومات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔

افعال عباد کا بیان

وَجَمِيعُ أَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْحَرَكَةِ وَالسُّكُونِ كَسْبُهُمْ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَاللَّهُ تَعَالَى خَالِقُهَا وَهِيَ كُلُّهَا بِمَشِيئَتِهِ وَعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ

ترجمہ: انسانوں کے تمام افعال خواہ وہ حرکات ہوں یا سکونات حقیقہ خود انہی کے کیے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ ان تمام کاموں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز یہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، فیصلہ اور تقدیر کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس طرح بندوں کے خالق ہیں اسی طرح بندوں کے افعال کے بھی خالق ہیں۔ انسان کا ایمان لانا، کفر اختیار کرنا، اطاعت کرنا، نافرمانی کرنا، سکون کرنا،

حرکت کرنا، غرض تمام افعال کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں البتہ کاسب خود بندہ ہے۔ چنانچہ بندہ افعال کا کاسب کرتا ہے لیکن اس کے یہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، قضاء اور قدر کے مطابق ہی سرانجام پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اعمال کا خالق ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (۹۶)

سورۃ الصافات: 96

ترجمہ: اللہ نے تمہیں اور تمہارے تمام اعمال کو پیدا فرمایا ہے۔

انسان اعمال کا کاسب ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان اور اس کے تمام اعمال و افعال کی تخلیق کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے اور کسب کو انسان کی طرف۔

﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۸۱)

سورۃ البقرۃ: 81

ترجمہ: واقعی جن لوگوں نے برائی اختیار کی اور اس کے گناہوں نے اس کو ہر جانب سے گھیر لیا تو یہی لوگ جہنمی ہیں، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں صراحتاً انسان کی طرف کسب اعمال کی نسبت کی گئی ہے۔

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا أَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (۴۱)

سورۃ الروم: 41

ترجمہ: بروبحر میں انسانوں کے ان اعمال کی وجہ سے فساد برپا ہو گیا ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کمائے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کچھ اعمال کا مزہ (اسی دنیا میں ہی) پکھادے جو انہوں نے کیے ہیں۔

﴿وَمَا آصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾

سورۃ الشوریٰ: 30

ترجمہ: تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہی پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ تو تمہاری کئی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

بندوں سے سرزد ہونے والے افعال (خواہ چھوٹے سے چھوٹا فعل ہو یا بڑے سے بڑا فعل ہو) دو قسم کے ہیں:

☀ افعالِ اختیاریہ جیسے کھانا، پینا، چلنا، رکنا، ایمان لانا، کفر کرنا، اطاعت کرنا، نافرمانی کرنا

☀ افعالِ غیر اختیاریہ جیسے پیدا ہونا، وفات پانا

جو افعالِ غیر اختیاریہ ہیں ان میں انسان کی مرضی نہیں چلتی۔ ہاں افعالِ اختیاریہ انسان اپنی مرضی اور ارادہ سے کرتا ہے اور انہی افعال پر اس کی جزاء اور سزا کا مدار ہے۔

فائدہ نمبر 2:

افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یا بندہ خود ہے؟ اس بارے میں تین موقف ہیں:

[۱]: فرقہ جبریہ

ان کا موقف یہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام افعال اسی کے حکم، ارادہ اور تقدیر کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ بندے اپنے افعال کے کاسب نہیں، اس لیے افعال کے سرزد ہونے میں بندوں کا بالکل اختیار نہیں۔ بندے ان افعال کو کرنے پر مجبور ہیں۔ باقی بندوں کی طرف افعال کرنے کی جو نسبت کی جاتی ہے وہ نسبت مجازی ہے۔ جو افعال اللہ تعالیٰ ان سے کروانا چاہے بندے کرنے پر مجبور ہیں اور جن افعال سے روکنا چاہے بندے ان سے باز رہنے پر مجبور ہیں۔

[۲]: فرقہ قدریہ

ان کا موقف یہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق بھی ہیں اور کاسب بھی۔ ان کے افعال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت، تقدیر اور ارادے کو دخل نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر فرقہ قدریہ تقدیر کا منکر ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں تقدیر علم الہی اور امر الہی دونوں کے مجموعے کا نام ہے جبکہ قدریہ کے ہاں بندے اپنے افعال سرانجام دینے میں تقدیر الہی کے پابند نہیں اور تقدیر کو ان کے اعمال میں دخل نہیں۔ بندے نے جو اعمال کرنے ہیں وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ تھے، جب بندے نے افعال کیے تب وہ علم الہی میں آئے۔

[۳]: اہل السنۃ والجماعۃ

اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف ان دونوں فرقوں سے یکسر مختلف ہے۔ فرقہ قدریہ افراط اور فرقہ جبریہ تفریط کا شکار ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف اعتدال پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کے خالق ہیں اور بندہ ان کا کاسب ہے۔ بندوں

کے افعال میں دو چیزیں مؤثر ہوتی ہیں:

ایک... اللہ تعالیٰ کا ان افعال کو پیدا کرنا

دوسرا... بندوں کا ان افعال کو اختیار کرنا

افعالِ عباد میں اگر صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو ہی ملحوظ رکھا جائے اور بندے کا اختیار بالکل نہ مانا جائے تو یہ ”جبر“ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی جہت سے صرف نظر کرتے ہوئے محض بندے کے کسب کو ہی مؤثر مانا جائے تو یہ ”انکارِ تقدیر“ ہے۔ اس لیے اعتدال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خلق بھی مانا جائے تاکہ تقدیر پر ایمان برقرار رہے اور بندے کا کسب بھی مانا جائے تاکہ بندہ مجبور محض نہ قرار پائے اور اس کا جزاء و سزا پانا درست سمجھا جائے۔

فائدہ نمبر 3:

افعالِ عباد میں بندوں کے کسب کو دخل تو حاصل ہے لیکن یہ قصد و اختیار ایسا نہیں کہ افعال کو پیدا بھی کر سکے۔ اس کی بدیہی دلیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ انسان کسی کام کے تمام آلات اور اسباب جمع کر لیتا ہے جن پر اس کام کے کرنے کا مدار ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ کام وقوع پذیر نہیں ہو پاتا۔ امت کے کئی افراد حتیٰ کہ خود انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے کئی واقعات اس پر شاہد ہیں۔ کسبِ عباد کے ہونے کے باوجود فعل کا نہ ہو پانا اس بات کی دلیل ہے کہ بندے کا کسب اور کاوش کافی نہیں بلکہ افعال کے موجود ہونے کے لیے کوئی دوسری چیز بھی ضروری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا خلق ہے۔ یعنی تقدیر الہی اس میں مؤثر ہوگی تب یہ فعل وقوع پذیر ہوگا۔

اسی طرح بعض اوقات انسان کسی فعل کے تمام اسباب اختیار نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود وہ فعل وقوع پذیر ہو جاتا ہے جیسا کہ عام طور پر خارقِ عادت

چیزوں میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ افعال صادر ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دخل ہے۔ اگر بندہ خود ہی اپنے افعال کا خالق ہوتا تو اسباب کی کمی کی وجہ سے یہ فعل ہرگز واقع نہ ہوتا۔

فائدہ نمبر 4:

برے فعل کو پیدا کرنا برا نہیں لیکن اسے کرنا برا ہے۔ جیسے ایک طبیب زہر بھی تیار کرتا ہے اور خمیرہ بھی لیکن زہر سے بچنے اور خمیرہ کھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ کوئی شخص زہر کھالے اور الزام طبیب کو دے کہ اس کا قصور ہے کہ اس سے زہر بنایا ہے، اگر یہ زہر نہ بناتا تو میں کیسے کھاتا؟! تو اس شخص کا یہ الزام دینا غلط ہو گا۔ اس لیے کہ طبیب کا زہر تیار کرنا کسی حکمت کے پیش نظر ہے نہ اس لیے کہ یہ شخص اسے کھائے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کے خالق ہیں۔ افعالِ سیئہ کی تخلیق بھی کسی حکمت (امتحان و آزمائش وغیرہ) کے پیش نظر ہے۔

طاعات پسندیدہ اور معاصی ناپسند

وَالطَّاعَاتُ كُلُّهَا مَا كَانَتْ وَاجِبَةً بِأَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى وَبِمَحَبَّتِهِ وَبِرِضَائِهِ وَعِلْمِهِ
وَبِمَشِئَتِهِ وَقَضَائِهِ وَتَقْدِيرِهِ وَالْمَعَاصِي كُلُّهَا بِعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَتَقْدِيرِهِ
وَبِمَشِئَتِهِ لَا بِمَحَبَّتِهِ وَلَا بِرِضَائِهِ وَلَا بِأَمْرِهِ

ترجمہ: ہر قسم کی طاعات (یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والے کام) اللہ کے حکم، محبت، رضامندی، علم، مشیت، فیصلے اور تقدیر کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں جبکہ ہر قسم کے معاصی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کام) اللہ تعالیٰ کے علم، فیصلے، تقدیر اور مشیت کے مطابق تو ہوتے ہیں لیکن ان میں اللہ تعالیٰ کی محبت، رضا مندی اور حکم شامل حال نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ان کاموں پر راضی ہوتے ہیں اور انہیں پسند بھی فرماتے ہیں جو اس کی رضا مندی کے لیے سرانجام دیے جائیں اور ان کاموں پر ناراض ہوتے ہیں اور ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرماتے ہیں جو اس کی نافرمانی کرتے ہوئے کیے جائیں۔ لیکن رضامندی یا ناراضگی والے دونوں قسم کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا علم، فیصلہ، تقدیر اور مشیت ضرور شامل ہوتی ہے

یہ بات واضح رہے کہ طاعات اور معاصی میں بلاشبہ تقدیر اور مشیت شامل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضامندی ان کاموں میں ہوتی ہے جو طاعت کی قبیل سے ہوں۔ جو کام معصیت پر مشتمل ہوں اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضامندی ان میں شامل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ ان کاموں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾

ترجمہ: وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا۔

سوال:

جب انسان کوئی معصیت کرتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (۲۹)﴾

سورۃ التکویر: 29

ترجمہ: اور تمہارے چاہنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا جب تک اللہ کی چاہت شامل نہ ہو جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

تو بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ چاہتے ہیں تو معصیت کرنے پر بندے کا مؤاخذہ کیوں ہوتا ہے؟

جواب:

یہ سوال مشیت کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ مشیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندے کو اختیار دیں اور بندہ اپنے اختیار سے جو چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ایک اختیار دیا گناہ کرنے اور ایک اختیار دیا نیکی کرنے کا۔ اب بندہ گناہ کرتا ہے تو اپنے ارادے سے کرتا ہے اور یہ مشیت بھی اللہ ہی کی ہے لیکن مشیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے چاہا کہ میں اس بندے کو اختیار دوں۔

لہذا مشیت کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ گناہ کرے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے چاہا کہ اس جہت کا بھی بندے کو اختیار دوں۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان

وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنْزَهُونَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ
وَالْكُفْرِ وَالْقَبَائِحِ وَقَدْ كَانَتْ مِنْهُمْ زَلَّاتٌ وَخَطَايَا.

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام صغیرہ و کبیرہ گناہوں اور کفر و بے ہودہ کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ بعض اوقات ان سے زلات اور اجتہادی خطا کا صدور ممکن ہے۔

فائدہ نمبر 1:

یہاں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چھ الفاظ بیان فرمائے ہیں۔ ہر ایک کا معنی ملاحظہ فرمائیں:

1: کفر کا معنی:

کفر کا لغوی معنی:

علامہ محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین المناوی رحمہ اللہ (ت 1031ھ) لکھتے ہیں:

الْكُفْرُ: تَغْطِيَةُ مَا حَقُّهُ الْإِظْهَارُ.

التعاريف: فصل الفاء

ترجمہ: جس چیز کو ظاہر کرنا چاہیے اسے چھپالینا ”کفر“ کہلاتا ہے۔

کفر کا اصطلاحی معنی:

الْكُفْرُ هُوَ التَّكْذِيبُ بِمَا عَلِمَ حُجِّيُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِ ضُرُورَةً.

تنقیحات متکلم اسلام

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں بدیہی طور پر ثابت ہیں ان کا انکار کرنا کفر کہلاتا ہے۔

کفر کی اقسام

1: کفر انکار

2: کفر نفاق

3: کفر ارتداد

4: کفر شرک

5: کفر کتابی

6: کفر دہری

7: کفر معطلی

8: کفر زندقہ

9: کفر جود

10: کفر عناد

11: کفر مفادی

”کفر“ کی مزید تفصیل بندہ کی مرتب کردہ فائل ”اصول عقائد“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

2: کبیرہ گناہ کا معنی:

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ (ت 1270ھ) نے شیخ الاسلام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبد الرحیم ابن البارزی الشافعی رحمہ اللہ (ت 738ھ) کے حوالے سے یہ تعریف لکھی ہے:

وَقَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ الْبَارِزِيُّ: التَّحْقِيقُ أَنَّ الْكَبِيرَةَ كُلَّ ذَنْبٍ قَرَنَ بِهِ وَعَيْدٌ أَوْ حَدٌّ أَوْ لَعْنٌ بِنَصِّ كِتَابٍ أَوْ سُنَّةٍ، أَوْ عِلْمٍ أَنَّ مَفْسَدَتَهُ كَمَفْسَدَةِ مَا قُرِنَ بِهِ وَعَيْدٌ أَوْ حَدٌّ أَوْ لَعْنٌ أَوْ أَكْثَرُ مِنْ مَفْسَدَتِهِ، أَوْ أَشْعَرُ بِتَهَاوُنٍ مُرْتَكِبِهِ فِي دِينِهِ.

تفسیر روح المعانی: ج 5 ص 17 تحت قوله تعالى إِنَّ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ النساء: 31 ترجمہ: شیخ الاسلام بارزی فرماتے ہیں: تحقیقی بات یہ ہے کہ ”کبیرہ“ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں (۱) جس کے کرنے والے پر قرآن و سنت میں وعید کی گئی ہو یا (۲) اس پر حد مقرر کی گئی ہو یا (۳) اس کے مرتکب پر لعنت کی گئی ہو یا (۴) اس گناہ میں مفسدہ کسی ایسے گناہ کے مفسدہ کے برابر یا زیادہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہو یا (۵) وہ کام بطور تہاؤن فی الدین کیا جائے (یعنی اس انداز سے کیا جائے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس شخص کے دل میں دین کی کوئی عظمت نہیں ہے)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) نے اس تعریف کو پسند فرما کر بیان القرآن میں ذکر کیا اور اسے جامع تعریف قرار دیا۔ لکھتے ہیں:

”گناہ کبیرہ کی تعریف میں بہت اقوال ہیں۔ جامع قول وہ ہے جس کو روح المعانی میں شیخ الاسلام بارزی سے نقل کیا ہے الخ“

بیان القرآن: ج 1 ص 352 إِنَّ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ النساء: 31

چند کبیرہ گناہ:

1: ناحق قتل کرنا

2: زنا کرنا

3: شراب پینا

4: جھوٹی قسم کھانا

3: صغیرہ گناہ کا معنی:

وَهِيَ الَّتِي لَمْ يَرِدْ عَلَى اَرْتِكَابِهَا وَعَيْدٌ كَمَا وَرَدَ عَلَى الْكَبِيرَةِ.

تنقیحات متکلم اسلام

جس گناہ پر ایسی وعید نہ ہو جو کبیرہ گناہ پر آئی ہے۔

چند صغیرہ گناہ:

- 1: غیر محرم عورت کی طرف یوں دیکھنا کہ احتیاط نہ ہو۔
- 2: وہ جھوٹ بولنا جس میں کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔
- 3: بالا خانہ وغیرہ پر بلا ضرورت چڑھنا جس سے لوگوں کے مکانات سامنے نظر آتے ہوں۔

4: بلا ضرورت کسی فاسق کے پاس اٹھنا بیٹھنا۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی مزید تفصیل علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت 970ھ) کی کتاب ”صغائر وکبائر“ اور علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی المکی الشافعی رحمہ اللہ (ت 973ھ) کی کتاب ”الزواجر عن اقتراف الکبائر“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

توبہ کی شرائط:

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهُ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ إِذَا كَانَتْ بِشُرِّ وَطْهَاءِ الْمَصْحَحَةِ لَهَا، وَهِيَ أَرْبَعَةٌ:

جب توبہ میں شرائطِ صحت پائی جائیں تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، وہ شرائط

چار ہیں:

[1]: التَّدْمُ بِالْقَلْبِ،

گناہوں پر دل سے ندامت ہو،

[2]: وَتَزُكُّ الْمَعْصِيَةِ فِي الْحَالِ،

فوری طور پر اس گناہ کو چھوڑ دیا جائے،

[3]: وَالْعَزْمُ عَلَى الْإِيْعُودِ إِلَى مِثْلِهَا،

مستقبل میں اس جیسا گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کیا جائے،

[4]: وَأَنْ يَكُونَ ذَلِكَ حَيَاءً مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لَا مِنْ غَيْرِهِ.

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے حیا کی وجہ سے ہو غیر اللہ سے حیا کی بنا پر نہ ہو۔

الجامع لاحکام القرآن: ج 1 ص 831 تحت قوله تعالیٰ ”وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

السَّيِّئَاتِ“ سورة النساء: 18

4: قبائح کا معنی:

قبائح یہ ”قبيحة“ کی جمع ہے۔

الْقَبِيحُ هُوَ قَوْلٌ وَفِعْلٌ هَذَا لَيْسَ بِمَعْصِيَةٍ وَلَكِنْ يُقْبَحُ ارْتِكَابُهُ وَلَا يُسْتَحْسَنُ ذِكْرُهُ لَدَى عَامَّةِ النَّاسِ أَوْ فِي عُرْفِ الْمُجْتَمَعِ كَاخْبَارِ الرَّجُلِ أَصْدِقَاءَهُ عَنْ أُمُورِ الْخُلُوةِ مَعَ زَوْجَتِهِ.

نتیج سے مراد ایسا قول و عمل ہے جو نافرمانی تو نہ ہو البتہ عام ماحول اور معاشرے میں اس کا ارتکاب کرنا یا اس کا ذکر کرنا ناپسندیدہ ہو۔ جیسے اپنی بیوی کے خلوت کے تعلق کو اپنے دوستوں میں بیان کرنا۔

تنقیحات متکلم اسلام

5: زلات کا معنی:

یہ ”زَلَّةٌ“ کی جمع ہے۔ ”زَلَّةٌ“ اس غلطی کو کہا جاتا ہے جو بغیر قصد و ارادہ کے

ہو۔

امام ابو القاسم حسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی رحمہ اللہ (ت 502ھ) لکھتے ہیں:
الزَّلَّةُ فِي الْأَصْلِ: اسْتَوَسَّأَ الرَّجُلُ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ.

المفردات فی غریب القرآن: ص 214

ترجمہ: ”زلة“ کا لغت میں معنی ہے آدمی کا بغیر قصد و ارادہ کے پھسل جانا۔

6: خطا کا معنی:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں ”خطا“ سے مراد ”اجتہادی خطا“ ہے یعنی نبی سے اجتہادی خطا کا صدور ممکن ہے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو رہے ہیں اور عمرہ ادا فرما رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال عمرہ کے لیے سفر فرمایا۔ مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام حدیبیہ پہ روک دیا۔ فریقین کے درمیان چند شرائط پر صلح ہوئی جسے ”صلح حدیبیہ“ کہتے ہیں۔ اس میں یہ طے پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال عمرہ نہ کریں بلکہ واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کھول دیا اور اگلے سال آکر اس عمرہ کی قضا فرمائی۔ تو یہاں اس خواب کی تعبیر کا وقت متعین کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہادی خطا ہو گئی تھی کہ عمرہ اسی سال کرنا ہے یا اگلے سال۔

معروف مفسر علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف

الخانزادہ رحمہ اللہ (ت 741ھ) آیت ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّعْيَا بِالْحَقِّ﴾

[الفح: 27] کا شانِ نزول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سَبَبُ نُزُولِ هَذِهِ الْآيَةِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي الْمَنَامِ وَهُوَ بِالْمَدِينَةِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْحُدَيْبِيَّةِ أَنَّهُ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ آمِنِينَ وَيَخْلُقُوا رُؤُوسَهُمْ فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ أَصْحَابُهُ فَقَرِحُوا وَحَسِبُوا أَنَّهُمْ دَاخِلُوا مَكَّةَ عَامَهُمْ ذَلِكَ، فَلَمَّا انْصَرَفُوا وَلَمْ يَدْخُلُوا شَقِيَ عَلَيْهِمْ ذَلِكَ وَقَالَ الْمُنَافِقُونَ: أَيْنَ رُؤْيَاكَ النَّبِيُّ رَأَاهَا؟ فَأَنْزَلَ اللَّهُ هَذِهِ الْآيَةَ وَدَخَلُوا فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ.

تفسیر الخازن: ج 4 ص 173

ترجمہ: اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی طرف جانے سے پہلے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ امن و سکون سے مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں اور اپنے سر منڈوا رہے ہیں (یعنی عمرہ کی ادائیگی کر رہے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے یہی سمجھا کہ اسی سال ہم مکہ جائیں گے (اور عمرہ ادا کریں گے)۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمرہ کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے لیکن مشرکین نے حدیبیہ کے مقام پر روک لیا۔ چند شرائط کے ساتھ صلح کر کے) جب یہ لوگ واپس آئے تو یہ بات ان پر شاق گزری۔ اس وقت منافقین نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب دیکھا اس کا کیا بنا؟ (یعنی منافق لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں شک کرنے لگے) تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کو سچ کر دیا ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوں گے، اپنے سر منڈوائیں گے، قصر

کروائیں گے یعنی عمرہ کی ادائیگی کریں گے) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگلے سال مکہ میں داخل ہوئے (اور عمرہ کی ادائیگی کی)

فائدہ نمبر 2:

عصمت انبیاء علیہم السلام پر چند دلائل پیش ہیں:

دلیل نمبر 1:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

سورۃ الاحزاب: 21

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

ف 1: اسوہ حسنہ اس وقت بن سکتے ہیں جب خود گناہوں سے پاک ہوں

ف 2: ”نَکْمُ“ میں خطاب حضرات و خواتین دونوں کو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جو حضرات کے لیے ہیں وہ ان کے لیے اسوہ حسنہ ہیں اور جو اقوال و افعال خواتین کے لیے ہیں وہ ان کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔

دلیل نمبر 2:

﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۚ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا انْتِزِعْ بِغُرَابٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي ۚ إِنِّي أَخَتَبُ إِلَّا مَا يُؤْتِي ۚ﴾

سورۃ یونس: 15

ترجمہ: جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری واضح

آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے کر آیا اس میں تبدیلی کرو۔ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

ف: اس دلیل کو سمجھنے سے پہلے ”تغییر“ اور ”تبدیل“ کا معنی سمجھ لیں۔

تغییر؛ ایک چیز کا رکھ لینا اور دوسری بھی لے آنا۔ تبدیل؛ ایک چیز کو واپس کر کے دوسری لے آنا۔

جیسے ایک شخص اپنے والد کے لیے کپڑے لایا۔ والد صاحب کو پسند نہ ہوں اور وہ شخص یہ کپڑے خود رکھ لے اور والد صاحب کے لیے دوسرے لائے تو اسے ”تغییر ثوب“ کہیں گے۔ اور اگر وہ کپڑے دکان پر واپس کر کے دوسرے لے آئے تو اسے ”تبدیل ثوب“ کہیں گے۔

اس آیت میں ”تبدیل قرآن“ کی نفی ہے اور درج ذیل آیت میں ”تغییر قرآن“ کی نفی ہے:

﴿وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُوكَ عَنِ الذِّمِّيِّ أَوْ حِينَا إِلَيْكَ لِيُفْتَرَىٰ عَلَيْنَا غَيْرُكَ ۖ وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا (۷۳)﴾

سورۃ الاسراء: 73

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جب پیغمبر حکم شرعی کو بدل نہیں سکتے تو اس کی

خلاف ورزی کیسے کر سکتے ہیں؟

دلیل نمبر 3:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (۳) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (۴)﴾

سورۃ النجم 3، 4

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

ف: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات جب وحی کے مطابق ہے تو اس میں غلطی اور گناہ کا احتمال نہیں ہوگا۔

اشکال:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی باتوں کو اللہ رب العزت نے ختم فرمادیا جیسے تحریم عسل۔ آپ کی ہر بات وحی کے مطابق ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس بات پر تنبیہ کیوں فرمائی؟

جواب:

یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت منسوخ ہو جائے۔ جس طرح آیت کے منسوخ ہونے سے اس کا غلط ہونا لازم نہیں آتا اسی طرح اجتہاد کے ختم کرنے سے اس کا محصیت ہونا لازم نہیں آتا۔

ف: نبی اور امتی کے اجتہاد میں فرق

نبی اجتہاد کرتا ہے اور بسا اوقات ان کے اجتہاد میں خطا پائی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خطا پر باقی رہنے نہیں دیتے بلکہ وحی نازل کر کے تنبیہ اور اصلاح کر دی جاتی ہے۔ امتی مجتہد بھی اجتہاد کرتا ہے لیکن چونکہ وحی کا دروازہ بند ہے اس لیے

اگر امتی مجتہد کے اجتہاد میں خطا پائی جائے تو بسا اوقات وہ اپنی اجتہادی خطا پر آخر تک برقرار رہتا ہے، وحی کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اسے تنبیہ اور اصلاح نہیں ہو پاتی۔

دلیل نمبر 4:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

سورۃ الاحقر:7

ترجمہ: رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

ف ۱: اس آیت میں امر و نہی میں امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا پابند کیا گیا ہے اور یہ تب ہو سکتا ہے جب آپ کا ہر امر و نہی معصیت سے پاک ہو۔

ف ۲: ”الئی“ بمعنی ”أَمَرَ“ ہے قرینہ مقابلہ میں ”نہی“ ہے۔ یہاں ”الئی“ کا لفظ لائے تاکہ مال فنی کا حکم اور عام اصول دونوں کو شامل ہو جائے۔

ف ۳: امر و نہی جس درجہ میں ہو اسی درجہ میں اطاعت کی جائے گی، کبھی وجوب کے درجہ میں اور کبھی استحب کے درجہ میں۔

سوال: اطاعت صحابہ رضی اللہ عنہم و مجتہد کیوں کرتے ہو؟

جواب: اس لیے کہ اطاعت صحابہ رضی اللہ عنہم اور اطاعت مجتہد بھی اطاعت رسول ہی ہے کیونکہ ان کی اطاعت کرنے کا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

دلیل نمبر 5:

﴿أَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ﴾

سورۃ البقرۃ:44

ترجمہ: کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول

جاتے ہو؟!

ف ۱: حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام قوم کو نیکی کا درس دینا ہے۔ اگر خود نافرمان ہو جائیں۔ معاذ اللہ۔ تو پھر مقصد رسالت کو ختم کر کے آیت بالا کا مصداق بن جائیں گے۔

ف ۲: واعظ بے عمل نہ ہو، یہ نہیں کہ بے عمل وعظ ہی نہ کرے۔

ف ۳: ایک گناہ کی وجہ سے دوسرا نیک کام نہیں چھوڑنا چاہیے۔

دلیل نمبر 6:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:
عَنِ الْمُعِيزَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ كَذِبًا عَلَى لَيْسَ كَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ. مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَبِدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1291

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص مجھ پر جھوٹ بولتا ہے تو اس کا گناہ ایسے نہیں جس طرح کسی عام شخص پر جھوٹ بولا جائے تو اس کا گناہ ہوتا ہے بلکہ جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

ف: جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی طرف جھوٹ کی نسبت کو گناہ قرار دے رہے ہیں تو خود اس گناہ کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہیں؟

دلیل نمبر 7:

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ)

روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
"مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ يَعُصِنِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ".

صحیح مسلم: رقم الحدیث 1835

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

ف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تب قرار دی جاسکتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود معصیت یعنی نافرمانی سے پاک ہوں۔

دلیل نمبر 8:

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ (ت 275ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ
أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ فَتَهْتَبُنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوا:
أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي
الْغَضَبِ وَالرِّضَا؟ فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْمَأَ بِإِصْبَعِهِ إِلَى فِيهِ فَقَالَ: "أَكْتُبُ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا
يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 3646

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے محفوظ کروں۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہنے لگے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہر بات لکھ لیتے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انسان ہیں، خوشی اور غمی میں کلام کرتے ہیں۔ تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ علیہ السلام نے اپنی انگلی کا اشارہ اپنے منہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: تم لکھا کرو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

ف: سب سے زیادہ گناہ عام طور پر زبان سے صادر ہوتے ہیں، اس لیے حدیث پاک میں بطور خاص زبان کا ذکر فرمایا ہے وگرنہ پیغمبر کے کسی عضو سے بھی پیغمبر کی نافرمانی نہیں ہوتی۔

دلیل نمبر 9:

امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی رحمہ اللہ (ت 211ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الرَّهْرِيِّ، أَوْ قَتَادَةَ، أَوْ كُلَيْهِمَا: أَنَّ يَهُودِيًّا جَاءَ يَتَقَاظَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَدْ قَضَيْتُكَ"، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: "بَيْتُكَ؟"، قَالَ: "فَجَاءَ خَزِيمَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: أَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ قَضَاكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَمَا يُدْرِيكَ؟"، قَالَ: "إِنِّي أُصَدِّقُكَ بِأَعْظَمَ مِنْ ذَلِكَ، أُصَدِّقُكَ بِخَبَرِ السَّمَاءِ، فَأَجَازَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ."

مصنف عبد الرزاق: ج 10 ص 228 کتاب الجامع باب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: امام زہری یا امام قتادہ یا دونوں حضرات سے روایت ہے کہ ایک یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر رقم کا تقاضا کرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: میں نے تو رقم ادا کر دی ہے۔ یہودی کہنے لگا: اس پر کوئی گواہ بھی ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ آگئے اور فرمانے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رقم ادا کر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کو فرمایا: آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں نے رقم ادا کر دی ہے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ میں تو اس سے بھی بڑی باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، آپ جو آسمان سے آئی ہوئی باتیں بتاتے ہیں میں ان کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

ف: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہ ہوتے تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ اتنے بڑے دعویٰ کی کبھی بھی تصدیق نہ کرتے۔

دلیل نمبر 10:

انسان جسم اور روح سے بنا ہے، جسم مٹی سے بنا ہے تو اس کی غذا اور دوا بھی مٹی سے ہی ہے اور روح آسمان سے آتی ہے تو اس کی غذا بھی آسمان سے آتی ہے۔ جسم بیمار ہو تو اس کو طبیب چاہیے اور جسم کے طبیب کو ڈاکٹر کہتے ہیں، روح بیمار ہو تو اس کو بھی طبیب چاہیے اور اس کے طبیب کو نبی اور رسول کہتے ہیں اور یہ ضابطہ عقلی ہے کہ طبیب جس مرض کا معالج ہو خود اس کا اس مرض میں مبتلا ہونا یہ اس طبیب کا عیب ہے۔ روح کی بیماری گناہ ہے تو خود روح کے طبیب کا گناہ میں مبتلا ہونا اس کا عیب ہے۔ اس لیے طبیب روحانی کا اس عیب سے پاک ہونا ضروری ہے۔

دلیل نمبر 11:

حضرات انبیاء علیہم السلام اطاعت خدا کروانے میں انسانوں کے لیے مقتدا ہیں تو اگر خود خدا کے نافرمان ہوں تو لوگوں کو اطاعت کا کیا درس دیں گے؟

دلیل نمبر 12:

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمہ اللہ (ت 604ھ) فرماتے ہیں:

أَنَّ الرَّسُولَ أَفْضَلَ مِنَ الْمَلِكِ فَوَجَبَ أَنْ لَا يَصُدَّ الذَّنْبُ مِنَ الرَّسُولِ، وَإِنَّمَا قُلْنَا إِنَّهُ أَفْضَلُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ [سورة آل عمران: 33]، وَوَجْهُ الاستِدْلَالِ بِهِ قَدْ تَقَدَّمَ فِي مَسْأَلَةِ فَضْلِ الْمَلِكِ عَلَى الْبَشَرِ، وَإِنَّمَا قُلْنَا إِنَّهُ لَمَّا كَانَ كَذَلِكَ وَجَبَ أَنْ لَا يَصُدَّ الذَّنْبُ عَنِ الرَّسُولِ لِأَنَّهُ تَعَالَى وَصَفَ الْمَلَائِكَةَ بِتَرْكِ الذَّنْبِ فَقَالَ: لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ [سورة الانبياء: 27]، وَقَالَ: لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ [سورة التحريم: 6]، فَلَوْ صَدَرَتِ الْبَعْصِيَّةُ عَنِ الرَّسُولِ لَأَمْتَنَعَ كَوْنُهُ أَفْضَلَ مِنَ الْمَلِكِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ [سورة ص: 28].

التفسير الكبير للرازي ج 3 ص 9 تحت قوله تعالى "فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا" سورة البقرة: 36

ترجمہ: رسول؛ فرشتے سے افضل ہے تو ضروری ہے کہ رسول سے گناہ صادر نہ ہو۔ یہ جو ہم نے کہا کہ رسول فرشتے سے افضل ہے اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: "إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ" کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں سے پسند کیا۔ وجہ

استدلال ماقبل میں انسان کی فرشتے پر افضلیت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ اور یہ جو ہم نے بات کی کہ جب رسول فرشتے سے افضل ہے تو ضروری ہے کہ رسول سے گناہ سرزد نہ ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ گناہ نہیں کرتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ" کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے۔ نیز ارشاد باری ہے: "لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ" کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے بلکہ جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ تو اگر رسول سے گناہ سرزد ہوتا تو رسول فرشتے سے افضل شمار نہ ہوتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ" کہ کیا ہم ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے لوگوں کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد مچاتے ہیں یا یہ کہ ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟

اجماعِ اُمت اور اکابرین امت کا موقف:

1: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (ت 60ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری رحمہ اللہ (ت 310ھ) نقل کرتے

ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مَعْصُومًا.

تاریخ الطبری: ج 4 ص 321 ثم دخلت سنة ثلاث و ثلاثين

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معصوم (عن الخطاء) تھے۔

2: قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض مالکی رحمہ اللہ (ت 544ھ)

علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) قاضی عیاض رحمۃ

اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

الْإِجْمَاعُ عَلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الْكِبَائِرِ بِلَا قَيْدٍ عَمْدًا وَسَهْوًا.

النہراس شرح شرح العقائد: ص 283

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، نہ عمدہ کرتے ہیں نہ سہو، اسی پر اجماع ہے۔

3: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمہ اللہ (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

ذَهَبَ الْجُمْهُورُ فِي أَنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَّوْا اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْخَطَا وَالْغَلَطِ فِي اجْتِهَادِهِمْ.

الجامع لاحکام القرآن: ج 2 ص 2058 تحت قولہ تعالیٰ ”فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ“، سورة الانبياء: 79

ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف یہ ہے کہ تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم اپنے اجتہاد میں خطا اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

فائدہ: ”حضرات انبیاء علیہم السلام اجتہادی خطا اور اجتہادی غلطی سے معصوم ہوتے ہیں“ کا معنی یہ ہے کہ ان سے اجتہاد میں خطا تو ہو جاتی ہے لیکن وہ اپنی اس خطا پر برقرار نہیں رہتے بلکہ وحی کے ذریعے اس خطا کو ختم کروادیا جاتا ہے۔

4: ملا علی بن سلطان القاری الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں:

اجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى الثَّابِتِ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَسَائِرِ أَحْوَالِهِ حَتَّى فِي كُلِّ حَالٍ لَا تَبْدِيلَ مِنْ غَيْرِ حُجَّتٍ وَلَا تَفَكُّرٍ بَلْ يُجَزَّدُ عَلَيْهِمْ أَوْ ظَهَرَتْ بِصُدُورِ ذَلِكَ عَنْهُ دَلِيلٌ قَاطِعٌ عَلَى إِجْمَاعِهِمْ عَلَى عِصْمَتِهِ وَتَرْكُوهُ عَنْ أَنْ يَجْعَلَ عَلَى ظَاهِرِهِ أَوْ بَاطِنِهِ شَيْءٌ لَا يُتَأَلَّسَى بِهِ فِيهِ مَحَالٌ يَقُومُ دَلِيلٌ عَلَى اخْتِصَاصِهِ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 1 ص 220 باب الاعتصام بالکتاب والسنة

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تمام

احوال میں بغیر کسی بحث و تفکر کے محض یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے آپ کی اتباع پر متفق ہو جانا واضح دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی عصمت پر اجماع ہے اور اس پر بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہراً و باطناً ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہو سکتی جس کی اتباع نہ کی جاسکتی ہو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

5: علامہ عبد العزیز پر ہاڑوی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ (ت 544ھ) کے حوالے سے محققین فقہاء و متکلمین کا موقف نقل کرتے ہیں:

قَالَ الْقَاضِي عِيَّاضٌ: ذَهَبَ طَائِفَةٌ مِنْ مُحَقِّقِي الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ إِلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الصَّغَائِرِ كَالْعِصْمَةِ فِي الْكِبَائِرِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 283

ترجمہ: قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ محقق فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔

6: مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ (ت 1396ھ) فرماتے ہیں:

”انبیاء علیہم السلام کا گناہوں سے معصوم ہونا تو ایک مسلمہ عقیدہ ہے جس پر تمام امت کا اجماع ہے۔“

معارف القرآن: ج 4 ص 750 قَوْلُ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ أَمْنَتْ فَكَفَعَهَا آيَاتُهَا آسُورَةَ يُونُسَ: 98

فائدہ:

نبی معصوم، صحابی محفوظ اور مجتہد ماجور ہوتا ہے۔
نبی معصوم... یعنی اللہ تعالیٰ نبی سے گناہ ہونے نہیں دیتے۔
صحابی محفوظ... یعنی صحابی سے گناہ ہو جاتا ہے لیکن اللہ نامہ اعمال میں رہنے نہیں دیتے۔

مجتہد ماجور... یعنی مجتہد سے خطا ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی اجر ملتا ہے۔

تنقیحات متکلم اسلام

نوٹ: مزید تفصیل بندہ کی فائل ”عصمت انبیاء علیہم السلام“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

وَمُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَبِيبُهُ وَعَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَنَبِيِّهُ وَصَفِيُّهُ
وَمُنْتَقَاهُ وَلَمْ يَعْبُدِ الصَّنَمَ وَلَمْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ تَعَالَى ظَرْفَةً عَيْنٍ قَطُّ وَلَمْ
يَزْكَبْ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً قَطُّ

ترجمہ: حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے اور منتخب کردہ پیغمبر و رسول ہیں۔ آپ علیہ السلام نے پلک جھپکنے کے برابر بھی کسی بت کی پرستش کی، نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اور نہ ہی کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت اور گناہوں سے پاک ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوق میں سے چنا اور مقام و مرتبہ سے نوازا۔ آپ کو تمام امت کے لیے نمونہ عمل بنایا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی پاکیزہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بت کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کبیرہ گناہ کا صدور ہوا اور نہ صغیرہ گناہ کا حتیٰ کہ لمحہ بھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہوئی۔ اتنی پاکیزہ زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ ہے۔

فائدہ نمبر 1:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبدیت بہت نمایاں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ایک اعلیٰ وصف ہے۔ سفرِ اسراء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز ہے اور اعزاز کے موقع پر اعلیٰ اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس موقع کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا﴾

سورۃ الاسراء: 1

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی۔

لفظ ”عبد“ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصفِ عبدیت تمام کمالات میں اعلیٰ و ارفع شان کا حامل ہے۔

فائدہ نمبر 2:

تمام القابات میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ ”عبد“ بہت پسند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا تَطْرُقُونِي كَمَا أَطْرُقِي عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَقُولُوا عِبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6830

ترجمہ: تم لوگ مجھے ایسے بڑھا چڑھا کر بیان نہ کیا کرو جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو نصاریٰ نے بڑھایا تھا بلکہ تم میرے بارے میں یوں کہا کرو: (کہ میں)

اللہ کا بندہ اور اس کا رسول (ہوں)۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدائی صفات اور خدائی اختیارات ثابت کرنا جائز نہیں۔

فائدہ نمبر 3:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی بت کو سجدہ نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلیم الفطرت ہونے کا یہ عالم تھا کہ نبوت ملنے سے قبل بھی آپ کو بتوں سے سخت نفرت رہی۔ سیرت ابن ہشام میں نبوت ملنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شام کے سفر کا ذکر ہے۔

مورخ امام ابو محمد جمال الدین عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری رحمہ اللہ (ت 213ھ) لکھتے ہیں:

حَتَّىٰ إِذَا فَرَغَ الْقَوْمُ مِنْ طَعَامِهِمْ وَتَفَرَّقُوا قَامَ إِلَيْهِ بِحِيرَىٰ فَقَالَ لَهُ: يَا غُلَامُ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ إِلَّا مَا أَخْبَرْتَنِي عَمَّا أَسْأَلُكَ عَنْهُ، وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ بِحِيرَىٰ ذَلِكَ لِأَنَّهُ سَمِعَ قَوْمَهُ يَخْلِفُونَ بِهِمَا فَرَعَمُوا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: لَا تَسْأَلْنِي بِاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ، فَوَ اللَّهُ مَا أَبْغَضْتُ شَيْئًا قَطُّ بُغْضُهَا.

سیرت ابن ہشام: ج 1 ص 321

ترجمہ: جب قافلے کے لوگ کھانے سے فارغ ہوئے اور ادھر ادھر بکھر گئے تو بحیری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے! میں تجھ سے لات و عزی کا واسطہ دے کر کچھ سوال کروں گا تو مجھے ان کے صحیح صحیح جواب دینا! بحیری نے لات اور عزی کا واسطہ اس لیے دیا تھا کہ اس نے قافلے کے لوگوں کو لات اور عزی کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا تھا۔ (تو اس نے یہ سوچا کہ شاید آپ بھی ان کی قسمیں کھاتے

ہوں گے) مورخین کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: مجھ سے لات وعزی کا واسطہ دے کر سوال نہ کرنا۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک ان دونوں سے زیادہ کوئی چیز قابل نفرت نہیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی افضلیت کا بیان

وَأَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْفَارُوقُ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ذُو النُّورَيْنِ ثُمَّ عَلِيٌّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ الْمُرْتَضَى رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمُ أَجْمَعِينَ عَابِدِينَ ثَابِتِينَ عَلَى الْحَقِّ وَمَعَ الْحَقِّ نَتَوَلَّاهُمْ بِجَمِيعٍ وَلَا نَذْكُرُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ إِلَّا بِخَيْرٍ

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں میں افضل ہستی حضرت ابو بکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر بن خطاب فاروق، پھر حضرت عثمان بن عفان ذو النورین اور پھر حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ یہ تمام ہستیاں خدا تعالیٰ کی عبادت گزار، حق پرست اور حق کا ساتھ دینے والی تھیں۔ ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ہر صحابی کا تذکرہ اچھے الفاظ ہی سے کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے القابات ”صدیق، فاروق، ذو النورین، مرتضیٰ“ ذکر کیے ہیں۔ ان کی مختصر وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

1: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب ”صدیق“ ہے۔ اس لیے کہ آپ رضی

اللہ عنہ صداقت میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے ممتاز ہیں۔

2: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا لقب ”فاروق“ ہے۔ اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ حق و باطل میں فرق کرنے میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں امتیازی شان کے حامل ہیں۔

3: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ”ذوالنورین“ ہے۔ ”النورین“ یہ ”نور“ کا تشبیہ ہے۔ نور سے مراد یہاں بیٹی اور لختِ جگر ہے کیونکہ اولاد کو بھی قرۃ العین یعنی آنکھوں کا نور کہہ دیتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا لقب ”ذوالنورین“ اس لیے ہے کہ تاریخِ انسانی میں آپ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن کے نکاح میں پیغمبر کی دو نورِ نظر یعنی بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئی ہیں۔

4: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب ”المرتضیٰ“ ہے۔ مرتضیٰ کا معنی ہے ”پسندیدہ اور چنی ہوئی شخصیت“۔ اس لقب کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ چند اہم مواقع پر آپ رضی اللہ عنہ کا خصوصیت سے انتخاب ہوا ہے مثلاً غزوہ خیبر کے موقع پر قلعہ قوص کو فتح کرنے کے لیے۔

فائدہ نمبر 2:

انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے افضل چار حضرات ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ ان چاروں کو ”خلفائے راشدین“ کہتے ہیں۔ اکابرین امت ان چاروں کو اسی ترتیب سے باقی امت سے افضل مانتے ہیں اور اسی پر اجماع ہے۔

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے

ہیں:

وَأَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُو بَكْرٍ
الصِّدِّيقُ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْفَارُوقُ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ذُو النُّورَيْنِ ثُمَّ عَلِيٌّ
بْنُ أَبِي طَالِبٍ الْمُرْتَضَى رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمُ أَجْمَعِينَ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں میں افضل ہستی حضرت ابو بکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر بن خطاب فاروق، پھر حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین اور پھر حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

2: امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (ت 204ھ)

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الیہتی رحمہ اللہ (ت 458ھ)

لکھتے ہیں:

عَنِ الرَّبِّيعِ عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ قَالَ: أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ، رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمُ.

کتاب مناقب الشافعی للبیہقی: ج 1 ص 433

ترجمہ: امام ربیع، امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر ہیں، پھر عثمان اور پھر علی رضوان اللہ علیہم۔

3: امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی رحمہ اللہ (ت 321ھ) فرماتے

ہیں:

وَوُثِّبَتْ الْخِلَافَةُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا لِأَبِي بَكْرٍ
الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَفْضِيلًا لَهُ وَتَقْدِيمًا عَلَى بَجَائِعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ
الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ

عَنْهُ.

العقيدة الطحاوية

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت مانتے ہیں کیونکہ آپ ہی پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے مانتے ہیں۔

4: امام ابو محمد حسن بن علی بن خلف البزّہاری الخلی رحمہ اللہ (ت 329ھ) امام ابو الفلاح عبدالحی بن احمد بن محمد العکری الخلی رحمہ اللہ (ت 1089ھ) نے اپنی کتاب ”شذرات الذهب“ میں امام البزّہاری الخلی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا اور ان کی ایک تصنیف ”شرح کتاب السنۃ“ سے چند اقتباسات نقل کیے۔ ان میں یہ عقیدہ بھی نقل کیا:

وَأَفْضَلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَالْأَمَمِ كُلِّهَا بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ:
أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ).

شذرات الذهب: ج 2 ص 321

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے بعد اس امت میں اور دیگر تمام امتوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم۔

5: امام استاذ ابو منصور عبد القاهر بن طاہر التیمی البغدادی رحمہ اللہ (ت 429ھ)

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ (ت 911ھ) امام ابو منصور البغدادی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ أَنَّ أَفْضَلَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ).

تاریخ الخلفاء: ص 34

ترجمہ: اہل السنۃ کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین 6: امام حسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی رحمہ اللہ (ت 510ھ) فرماتے ہیں:

فَهُؤُلَاءِ أَفْضَلُ الثَّلَاثِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَتَرْتِيبُهُمْ فِي الْفَضْلِ كَتَرْتِيبِهِمْ فِي الْخِلَافَةِ فَأَفْضَلُهُمْ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

شرح السنۃ: ج 1 ص 187 باب الاعتصام بالكتاب والسنة

ترجمہ: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں اور پھر ان چاروں میں افضلیت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت میں ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔

7: امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی الحنفی رحمہ اللہ (ت 537ھ) فرماتے ہیں:

وَأَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ نَبِيِّنَا أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ عُمَرُ الْفَارُوقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ عُمَانُ ذُو الثُّورَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ عَلِيٌّ الْمُرْتَضَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

العقيدة النسفية ص 7

ترجمہ: ہمارے نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد تمام مسلمانوں میں سب

سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد سب سے افضل حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد سب سے افضل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔

8: حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) فرماتے ہیں:

وَأَفْضَلُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بَلْ أَفْضَلُ الْخَلْقِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ: أَبُو بَكْرٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَانَ.... ثُمَّ مِنْ بَعْدِهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

اختصار علوم الحدیث: ج 1 ص 25

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل شخصیت بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل شخصیت حضرت ابو بکر عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، پھر ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، پھر ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

9: حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 852ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ تَرْتِيبَهُمْ فِي الْفَضْلِ كَتَرْتِيبِهِمْ فِي الْخِلَافَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 7 ص 34 باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذاً خلیلاً

ترجمہ: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب والی

10: علامہ عبدالعزیز پرہاروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الصُّوفِيَّةُ عَلَى تَقْدِيمِ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ عُمرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

النہر اس شرح العقائد: ص 303

ترجمہ: اہل تصوف کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

فائدہ نمبر 3:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہونا آپ رضی اللہ عنہ کے پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہونے کی وجہ سے ہے۔ افضل ہونے کی کئی ایک وجوہ ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

(1): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باقی تمام امت پر فضیلت کی وجہ ”صحابیت“ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر ہونا ہے۔ جس صحابی کو یہ صحبت جتنی زیادہ ملی ہوگی وہ اتنا افضل ہوگا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سب سے زیادہ نصیب ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے اور پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ساتھ رہے۔ اس لیے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہوئے۔

(2): آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ واحد صحابی ہیں جنہیں قرآن مجید نے ”صاحب“ (یعنی صحابی) کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ﴾

ترجمہ: اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) مدد نہیں کرو گے تو (ان) کا کچھ نقصان نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس وقت بھی کی ہے جب ان کو کافروں نے ایسے وقت (مکہ مکرمہ سے) نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی کو یہ کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل فرمایا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قرآن سے ثابت ہوا۔

(3): آپ رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کی چار پشتیں صحابی ہیں:

۱.... حضرت ابو قحافہ عثمان بن عمر رضی اللہ عنہ (والد)

۲.... حضرت ابو بکر عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما (خود)

۳.... حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما (بیٹا)

۴.... حضرت محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم (پوتا)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی رحمہ اللہ

(ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، قَالَ: لَا نَعْلَمُ أَرْبَعَةً أَذْرَكُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبْنَاؤُهُمْ، إِلَّا هَؤُلَاءِ الْأَرْبَعَةَ: أَبُو قُحَافَةَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، وَأَبُو عَتِيقٍ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَاسْمُ أَبِي عَتِيقٍ مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

المعجم الكبير للطبرانی: ج 1 ص 21 رقم الحديث 11

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن عقبہ (تابعی) رحمہ اللہ (ت 141ھ) فرماتے ہیں کہ

ہمارے علم کے مطابق باپ بیٹوں کی ایسی چار نسلیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو صرف یہ ہیں: ابو قحافہ، ابو بکر، عبد الرحمن بن ابی بکر اور ابو عتیق محمد بن

عبدالرحمن رضی اللہ عنہم۔

فائدہ نمبر 4:

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں مذکورہ ترتیب عقل کے بھی مطابق ہے۔ اس لیے کہ

1: حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرسریں اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما داماد ہیں۔ سرسریں کی طرح اور داماد بیٹے کی طرح ہوتا ہے۔ باپ کا مقام پہلے اور بیٹے کا مقام بعد میں ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم کا مقام پہلے ہے یعنی آپ پہلے خلیفہ ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام بعد میں ہے یعنی آپ دوسرے خلیفہ ہیں۔

2: پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دوسرے داماد ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اکہرے داماد ہیں۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام پہلے ہے یعنی وہ تیسرے خلیفہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام بعد میں ہے یعنی وہ چوتھے خلیفہ ہیں۔

فائدہ نمبر 5: صحابی کی تعریف

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا بِهِ وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ.

نزهة النظر شرح نخب الفکر لابن حجر العسقلانی: ص 117 تعریف الصحابی

ترجمہ: جس نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو

اور ایمان کی حالت میں ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

صحابی بننے کے لیے تین شرائط ہیں:

1: ایمان 2: لقاء نبی 3: وفات علی الایمان

اس لیے اس تعریف کی رو سے

1: اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایمان لانے کے ارادے سے آئے تو بھی صحابی ہے۔

2: اگر ایمان لانے کا قصد لے کر نہ آئے لیکن محفل میں آکر ایمان قبول کر لے تو بھی صحابی ہے۔

3: اسی طرح لقاء کے لیے زیادہ وقت درکار نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ایک لمحہ کے لیے بھی صحبت میسر ہو جائے تب بھی صحابی ہے۔

4: اگر کوئی شخص ایمان لانے کے لیے آئے لیکن کسی عذر (بینائی کا نہ ہونا) کی وجہ سے زیارت نہ ہو سکے تو بھی صحابی ہے۔

5: عورت ہونے کی بنا پر پردہ میں ہونے کی وجہ سے زیارت نہ ہو سکے تب بھی صحابی ہے۔

فائدہ نمبر 6:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں چند نظریات ذہن نشین فرمائیں:

(1): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین یکے سچے مومن ہیں۔ قرآن کریم میں

جہاں جہاں بھی اللہ پاک نے اہل ایمان کی صفات بیان فرمائی ہیں ان کا سب سے پہلا

مصدق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن حسین الرازی الشافعی رحمہ اللہ
(ت 606ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ الَّذِي وَصَفَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِأَنَّهُ عَلَى بَيْتَةٍ هُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَهُمْ أَصْحَابُ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

التفسير الكبير للرازي: ج 17 ص 161 تفسير سورة هود ”أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيْتَةٍ مِنْ رَبِّهِ“
ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن شخصیات کا یہ وصف بیان فرمایا کہ وہ (واضح)
دلیل پر قائم ہیں ان سے مراد مومنین ہیں اور (ان کا پہلا مصداق) نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

دلیل:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ
رِزْقٌ كَرِيمٌ﴾

سورة الانفال: 4

ترجمہ: یہی حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے اپنے رب کے ہاں بڑے درجات،
مغفرت اور بہترین رزق موجود ہے۔

(2): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان میں شریعت
کے متعلق گواہی دینے کی اہلیت موجود ہے اور ان کی بات کو سچی گواہی کے طور پر
تسلیم کیا جاتا ہے۔ دین اسلام کا مدار انہی کی روایات، مرویات اور شہادات پر ہے اور
ان کی روایات و شہادات کا انحصار ان کی ذات کے عادل ہونے پر ہے۔

امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر الاندلسی المالکی رحمہ

اللہ (ت 463ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمُ عُدُولٌ مَرْضِيُونَ.

الاستذکار لابن عبد البر: ج 3 ص 301 باب ماجاء فی الصیام فی السفر

ترجمہ: صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی الماکی رحمہ اللہ (ت 671ھ)

لکھتے ہیں:

فَالصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كُلُّهُمْ عُدُولٌ.

الجامع لاحکام القرآن: ج 2 ص 2863 تحت قوله تعالى مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ الْفَتْحُ:

ترجمہ: تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سارے کے سارے عادل ہیں۔

دلیل: اجماع امت:

1: امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر الاندلسی الماکی رحمہ

اللہ (ت 463ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمُ عُدُولٌ مَرْضِيُونَ وَهَذَا أَمْرٌ مُجْتَمِعٌ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ.

الاستذکار لابن عبد البر: ج 3 ص 301 باب ماجاء فی الصیام فی السفر

ترجمہ: صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے

اور یہ ایسی حقیقت ہے جس پر محدثین کا اجماع ہے۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی الماکی رحمہ اللہ (ت 671ھ)

لکھتے ہیں:

فَالصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كُلُّهُمْ عُدُولٌ، أَوْلِيَاءُ اللَّهِ تَعَالَى

وَأَصْفِيَاؤُهُ، وَخَيْرَتُهُ مِنْ خَلْقِهِ بَعْدَ أَنْبِيَائِهِ وَرُسُلِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ. هَذَا

مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَالَّذِي عَلَيْهِ الْجَمَاعَةُ مِنْ أُمَّةِ هَذِهِ الْأُمَّةِ.

الجامع لاحکام القرآن: ج 2 ص 2863 تفسیر سورۃ الفتح ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ“ الآیہ ترجمہ: تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں، اللہ تعالیٰ کے محبوب اور منتخب ہستیوں ہیں، انبیاء و رسل علیہم السلام کے بعد امت کی بہترین شخصیات ہیں۔ یہی اہل السنۃ کا مذہب ہے اور اسی پر امت کے اہل علم کی جماعت متفق ہے۔

(3): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا ایمان اور عمل قبول ہوتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان اور عمل کے عین مطابق ہو۔ اور اگر کسی کا ایمان اور عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان و عمل کے مطابق نہیں ہوگا تو وہ اللہ کے ہاں قبول بھی نہیں ہوگا۔ نہ تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ”مومن“ کہلائے جانے کا مستحق ہے اور نہ ”نیک“ کہلائے جانے کا حق دار۔

فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (ت 1416ھ) لکھتے

ہیں:

”صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معیارِ حق ہیں۔“

فتاویٰ محمودیہ: ج 2 ص 205 کتاب العقائد

مفتی عبدالرحیم لاچپوری رحمہ اللہ (ت 1422ھ) لکھتے ہیں:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیارِ حق ہیں۔ اس کا معنی و مطلب یہ

ہے کہ ان کے اقوال، افعال حق و باطل کی کسوٹی ہیں۔ ان حضرات نے جو فرمایا یا دینی کام کیا وہ ہمارے لیے مشعلِ راہ، حجت اور ذریعہ فلاح ہے۔“

فتاویٰ رحیمیہ: ج 3 ص 97

دلائل:

1: ﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا﴾

سورة البقرة: 137

ترجمہ: اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح آپ ایمان لائے ہیں تو یہ لوگ ہدایت یاب ہو جائیں گے۔

2: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

سورة التوبة: 100

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکوں کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔

اشکال:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا﴾

سورة البقرة: 137

ترجمہ: اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح آپ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) ایمان لائے ہیں تو یہ لوگ ہدایت یاب ہو جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ایمان لانا بعد کے لوگوں کے بس میں نہیں۔
 اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صحبت نبوت حاصل تھی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پردہ فرما گئے اور قیامت تک کوئی نیابی بھی نہیں آئے گا۔ اس لیے اب صحبت نبوت ممکن نہیں۔ لہذا اب صحابہ جیسا ایمان تو ممکن نہیں۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ایمان ہمارے اختیار میں ہی نہیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ اب ہمیں

ہدایت بھی نہیں مل سکتی۔ یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے یعنی انسان کو ایسی چیز کا مکلف بنایا جا رہا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

جواب:

مثل کی دو قسمیں ہیں: مثل بالکیف اور مثل بالکم۔

مثل بالکیف:

ایک چیز کیفیت میں دوسری چیز کے برابر ہو۔ مثلاً خون کا سرخ ہونا کیفیت میں پھول کی سرخی کی مثل ہے۔ دھوپ کی گرمائش کیفیت میں آگ کی گرمائش کی مثل ہے۔

مثل بالکم:

ایک چیز مقدار میں دوسری چیز کے برابر ہو۔ مثلاً ایک لٹر دودھ مقدار میں ایک لٹر پٹرول کی مثل ہوتا ہے۔ ایک کلو گھی مقدار میں ایک کلو گندم کی مثل ہوتا ہے۔ ایک درجن گائے مقدار میں ایک درجن بکریوں کی مثل ہیں۔

معارض کے ذہن میں مثل سے مراد مثل بالکیف ہے اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ایمان لانے کو محال سمجھ رہا ہے جبکہ قرآن کریم کی اس آیت میں مثل سے مراد مثل بالکیف نہیں بلکہ مثل بالکم ہے اور مراد ایمانیات ہیں۔

اب آیت کا معنی یہ ہو گا کہ اگر تمہاری ایمانی کمیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمانی کمیت جیسی ہو یعنی جن جن چیزوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائے ہیں ان ان چیزوں پر تم ایمان لاؤ گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی چھوڑ دو گے تو تمہارا ایمان قبول نہیں ہو گا۔ اب اس معنی پر کوئی اشکال نہیں۔

فائدہ:

قرآن کریم میں مثل بالکم کی یہ مثال موجود ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (۱۲)

سورة الطلاق: 12

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی مانند سات زمینیں بھی بنائیں، ان کے درمیان اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے (یہ بیان اس لیے کیا جا رہا ہے) تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے۔

(4): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنقید سے بالاتر ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تنقید سے بالاتر ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان کے کسی قول و فعل پر ایسا تبصرہ کرنا جس سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہو یا ان کی شان میں کمی ہوتی ہو؛ حرام ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَهَبَتْ شِرْذِمَةٌ لَا مَبَالَاةَ بِهِمْ إِلَى أَنَّ حَالَ الصَّحَابَةِ كَحَالِ غَيْرِهِمْ. فَيَلْزُمُ الْبَحْثُ عَنْ عَدَائِهِمْ. وَمِنْهُمْ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ حَالِهِمْ فِي بُدْءِ الْأَمْرِ فَقَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْعَدَالَةِ إِذْ ذَاكَ، ثُمَّ تَغَيَّرَتْ بِهِمُ الْأَحْوَالُ فَظَهَرَتْ فِيهِمُ الْحُرُوبُ وَسَفَكَ الدِّمَاءُ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَحْثِ. وَهَذَا مَرْدُودٌ.

الجامع لاحکام القرآن: ج 2 ص 2863 تفسیر سورة الفتح ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ“ الآية

ترجمہ: بعض لوگ جو کسی شمار و قطار میں نہیں، کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ باقی لوگوں کی طرح ہے اس لیے صحابہ کی عدالت کے متعلق بحث کی جائے گی۔ چنانچہ ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ابتدائی احوال کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ اس وقت صحابہ عادل تھے لیکن بعد میں جب ان کے احوال میں تبدیلی آئی اور آپس میں جنگیں ہوئیں اور (دونوں اطراف میں) شہادتیں واقع ہوئیں تو (اس وقت) ان کے احوال سے بحث کرنا ضروری ہے۔ (امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) ان لوگوں کی یہ بات مردود ہے۔

دلیل نمبر 1:

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ اللیبیقی رحمہ اللہ (ت 458ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ الْمَزْنِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللَّهُ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غُرَضًا مِنْ بَعْدِي، فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَيُحِبِّي أَحْبَبَهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَيَبْغِضِي أَبْغَضَهُمْ."

شعب الایمان للیبیقی: ج 2 ص 191 رقم الحديث 1511

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل مزنئی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو۔ ان کو میرے بعد طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا۔ جو شخص صحابہ کرام سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صراحتاً تنقید کا نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

دلیل نمبر 2:

تتقید کی دو ممکنہ صورتیں بن سکتی ہیں:

1: ایمان پر تتقید

2: اعمال پر تتقید

یہ دونوں ممنوع ہیں۔ اگر تتقید ایمان و عقیدہ کی وجہ سے ہو یعنی عقیدہ خراب ہو تو صحابی صحابی نہیں رہتا اور اگر تتقید عمل کی وجہ سے ہو تو صحابی عمل کی وجہ سے صحابی بنتا ہی نہیں ہے۔

(5): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محفوظ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی سے بشری تقاضوں کے مطابق کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے ذمے میں وہ گناہ باقی نہیں رہنے دیتے یعنی دنیا میں اس گناہ سے معافی عطا فرما دیتے ہیں اور اس گناہ کی وجہ سے ملنے والے اُخروی عذاب سے ان کو محفوظ فرما لیتے ہیں۔

1: امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشابوری رحمہ اللہ (ت 405ھ) لکھتے

ہیں:

لَقَدْ عَلِمَ الْمُحْفُوظُونَ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ ابْنَ
أُمِّ عَبْدٍ مِنْ أَقْرَبِهِمْ إِلَى اللَّهِ وَسِيلَةً "

المستدرک علی الصحیحین: ج 3 ص 37 کتاب التفسیر سورة المائدة یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و

ابتغوا الیہ الوسیلۃ

ترجمہ: بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محفوظ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بات جان لی ہے کہ ابن ام عبد (یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ

کے پاس پہنچنے کا قریب ترین ذریعہ ہیں۔

2: علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت 970ھ) فرماتے ہیں:

وَالْمَنْقُولُ فِي الْأَصُولِ أَنَّ الصَّحَابَةَ عُذُولٌ فَهُمْ مُحْفُوظُونَ مِنَ الْمَعَاصِي.

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ج 1 ص 80 کتاب الطہارۃ)

ترجمہ: اصول میں یہ بات منقول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں اور گناہوں سے محفوظ ہیں۔

3: حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ (ت 1403ھ) فرماتے ہیں:

علمائے دیوبند اُن [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم] کی غیر معمولی دینی عظمتوں کے پیش نظر انہیں سرتاجِ اولیاء مانتے ہیں، مگر ان کے معصوم ہونے کے قائل نہیں، البتہ انہیں محفوظ من اللہ مانتے ہیں جو ولایت کا انتہائی مقام ہے۔
(علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج: ص 122)

دلیل:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَزَّعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَاعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَكُم مَّا تَحِبُّونَ ۖ مِّنْكُمْ مَّن يُّرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّن يُّرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ ثُمَّ صَرَّفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱۵۲)

سورۃ آل عمران: 152

ترجمہ: اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اللہ کے حکم سے ان (کافروں) کو

قتل کرنے لگے یہاں تک کہ جب تم بے ہمت ہو گئے اور ایک معاملے میں (مورچے پر ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کے بارے) آپس میں جھگڑا بھی کیا اور تم اس بارے پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس کے بعد اللہ نے تمہیں وہ چیز (میدان جنگ میں فتح، دشمن پر غلبہ اور اس سے حاصل ہونے والا مال غنیمت) دکھادی جو تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا (کے اسباب یعنی مال غنیمت) کا ارادہ کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو آخرت (کے ثواب) کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے ان سے پھیر دیا (یعنی کچھ وقت کے لیے اپنی مدد موقوف کر دی) پکی بات ہے کہ اللہ نے تمہیں معاف فرمادیا ہے اور وہ اہل ایمان پر فضل فرمانے والا ہے۔

(6): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع معصوم ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ فرداً فرداً مومن، عادل، حجت، معیار حق، تنقید سے بالاتر اور گناہوں سے محفوظ ہیں لیکن جب کسی بات پر متفق ہو جائیں یعنی ان کا اجماع ہو جائے تو وہ اجماع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرح معصوم ہوتا ہے۔ امام ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطلال البکری القرطبی رحمہ اللہ (ت 449ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ أَجْمَاعَهُمْ مَّعْصُومٌ كَمَا أَجْمَعُوا عَلَى مُصْحَفِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْعُوا حِجَابَ عَدَاةٍ، فَانْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلَى ذَلِكَ وَلَزِمَتِ الْحُجَّةُ بِهِ.

شرح صحیح البخاری لابن بطلال: ج 8 ص 396 کتاب الحدود

ترجمہ: ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا اجماع معصوم ہے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ پر اجماع کیا اور اس کے علاوہ (دیگر مصاحف کو اپنانے) سے رک گئے۔ تو (اس طرح) اس پر اجماع منعقد ہو گیا اور یہ اجماع دلیل قرار پایا۔

دلیل:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (۱۱۵) ﴿

سورة النساء: 115

ترجمہ: اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستہ کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

استدلال:

مومنین کا پہلا طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس لیے ان کا اجماع بطریق اولیٰ حجت ہو گا۔

(7): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب جنتی ہیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی جہنم میں نہیں جائیں گے۔ ان تک تو جہنم کا دھواں بھی نہیں پہنچ سکتا، قیامت والے دن سیدھے جنت میں جائیں گے۔

1: علامہ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری رحمہ اللہ (ت 456ھ) لکھتے ہیں:

وَكُلُّهُمْ عُدُولٌ فَاضِلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

(الاحکام لابن حزم: ج 5 ص 86)

ترجمہ: صحابہ رضی اللہ عنہم سارے عادل، صاحب فضیلت جنتی ہیں۔

2: حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ
(ت 852ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ الْجَمِيعَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

الاصابة في تمييز الصحابة: ج 1 ص 10 مقدمة المؤلف

ترجمہ: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں۔

دلیل:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٍ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتْلُوا ۖ وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾

سورة الحديد: 10

ترجمہ: تم لوگوں میں سے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ ان لوگوں سے درجے میں زیادہ ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا اور جہاد کیا (لیکن) اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ ہر ایک سے کر رکھا ہے۔

(8): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اخروی عذاب سے محفوظ ہیں

کسی ایک صحابی کو بھی اخروی عذاب نہیں ہوگا، جس شخص کو ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوگئی اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ

(ت 852ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ مِنْهُمْ النَّارَ.

الاصابة في تمييز الصحابة: ج 1 ص 10 مقدمة المؤلف

ترجمہ: کوئی صحابی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

دلیل:

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ (۱۰۱)

سورۃ الانبیاء: 101

ترجمہ: جن لوگوں کے لیے ہماری جانب سے بھلائی کا وعدہ کیا جا چکا ہے وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے۔

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ تَعَالَى: "إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ" فَثَبَّتَ... أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ مِنْهُمْ النَّارَ.

الاصابة في تمييز الصحابة: ج 1 ص 10 مقدمة المؤلف

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”جن لوگوں کے لیے ہماری جانب سے بھلائی کا وعدہ کیا جا چکا ہے وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے“ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ.... کوئی صحابی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

(9): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کا افضل ترین طبقہ ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طبقہ امت کا سب سے بہترین اور افضل ترین طبقہ ہے۔ ان جیسے باکمال اور بے مثال لوگ نہ ان سے پہلے کسی امت میں پیدا ہوئے نہ ہی ان کے بعد قیامت تک پیدا ہوں گے۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

وَأَهُمُّ الْفَضْلِ وَالسَّبْقِ وَالْكَمَالِ الَّذِي لَا يَلْحَقُهُمْ فِيهِ أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ

الْأُمَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ.

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 5 ص 642 ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ“، سورة الفتح: 29
ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ فضیلت، بلندی مقام اور کمال حاصل ہے جو امت میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو اور ان کو راضی فرمائے۔

دلیل نمبر 1:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 2652

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین زمانہ میرا ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ ملے ہیں، پھر ان کا جو ان کے ساتھ ملے ہیں۔

دلیل نمبر 2:

امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ رحمہ اللہ (توفی بعد 740ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَنْ كَانَ مُسْتَتًّا فَلَيْسَتْ لَهُ يَمَنٌ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ. أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا أَفْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبْرَهَا قُلُوبًا وَأَعَمَّقَهَا عِلْمًا وَأَقْلَهَا تَكَلُّفًا.

مشکوٰۃ المصابیح: رقم الحدیث 193

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص اقتداء کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ان لوگوں کی اقتداء کرے جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ زندہ لوگ آزمائش سے مامون نہیں ہوتے۔ (جن کی اقتداء کی جائے) وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اس امت میں سب سے افضل تھے (کیونکہ یہ حضرات) امت میں سب سے پاکیزہ دل والے تھے، گہرے علم والے تھے، مزاج میں سب سے زیادہ بے تکلف تھے۔

(10): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدائی انتخاب ہیں

مقام صحابیت محض اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم الشان منصب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے نبوت و رسالت کے لیے انبیاء و رسل علیہم السلام کا انتخاب فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بھی خود منتخب فرمایا۔ رضی اللہ عنہم

علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی رحمہ اللہ (ت 807ھ) لکھتے ہیں:
أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْطَفَاهُمُ اللَّهُ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
مجمع الزوائد للہیثمی: ج 7 ص 199 رقم الحدیث 11249

ترجمہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

دلیل نمبر 1:

امام ابو داؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیلسی رحمہ اللہ (ت 204ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَ

مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَهُ بِرِسَالَاتِهِ وَانْتَعَبَهُ بِعَلِيهِ ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ النَّاسِ بَعْدَهُ فَاخْتَارَ لَهُ أَصْحَابَهُ فَجَعَلَهُمْ أَنْصَارَ دِينِهِ وَوُزَرَائِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

مسند ابی داؤد الطیالسی: ج 1 ص 130 رقم الحدیث 243

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا، آپ کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا اور آپ کو اپنے علم کے ساتھ منتخب کیا۔ پھر اس کے بعد لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اصحاب کو منتخب فرمایا، ان کو دین کے معاملے میں آپ کا مددگار اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو وزیر بنایا۔

دلیل نمبر 2:

امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت 463ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللَّهَ اخْتَارَنِي، وَاخْتَارَ لِي أَصْحَابًا، وَاخْتَارَ لِي مِنْهُمْ أَصْهَارًا وَأَنْصَارًا فَمَنْ حَفِظَنِي فِيهِمْ حَفِظَهُ اللَّهُ وَمَنْ آذَانِي فِيهِمْ آذَاكَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ".

تاریخ بغداد: ج 2 ص 99

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (رسالت کے لیے) میرا انتخاب کیا اور میرے لیے (جانشین) اصحاب (صحابہ) کا انتخاب کیا، انہی میں سے میرے سرال اور مددگار افراد

کا انتخاب کیا۔ جو شخص میرے صحابہ کے بارے میں مجھے امن میں رکھے گا (یعنی ان کا ادب و احترام بجالا کر مجھے سکون و اطمینان مہیا کرے گا) تو اللہ اس کی حفاظت کرے گا اور جو شخص میرے صحابہ کے بارے میں مجھے تکلیف دے گا (یعنی ان کے بارے میں نازیبا جملے کہہ کر میرا دل دکھائے گا) تو اللہ ایسے شخص کو تکلیف میں مبتلا کرے گا۔

(11): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم حرام ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نامناسب الفاظ سے یاد کرنا، برا بھلا کہنا، سب و شتم کرنا، گالم گلوچ کرنا اور لعن طعن کرنا حرام ہے اور خدا تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔

علامہ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ الحرانی الحنبلی رحمہ اللہ (ت 728ھ) نے امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) کے حوالے سے لکھا کہ وہ فرماتے ہیں:

لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَذْكُرَ شَيْئًا مِنْ مَسَاوِيهِمْ وَلَا يَطْعَنَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ بِعَيْبٍ وَلَا تَقْصِرَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ وَجَبَ تَأْدِيبُهُ وَعُقُوبَتُهُ.

الصارم السلول لابن تیمیہ: ص 475 فصل حکم من سب احد امن الصحابة

ترجمہ: کسی شخص کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی کوئی برائی بیان کرے اور نہ یہ جائز ہے کہ ان پر کسی عیب یا نقص کا الزام لگائے۔ جو شخص ایسا کرے تو اسے سبق سکھانا اور سزا دینا واجب ہے۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

فَيَا وَيْلٌ مَنْ أَبْغَضَهُمْ أَوْ سَبَّهُمْ أَوْ أَبْغَضَ أَوْ سَبَّ بَعْضَهُمْ، وَلَا يَسِيئًا سِيْدُ الصَّحَابَةِ بَعْدَ الرَّسُولِ وَخَيْرُهُمْ وَأَفْضَلُهُمْ، أَعْنَى الصِّدِّيقِ الْأَكْبَرِ

وَالْحَلِيفَةُ الْأَعْظَمُ أَبَا بَكْرٍ بْنُ أَبِي مُخَافَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

تفسیر ابن کثیر: ج 2 ص 550 سورة التوبة وَالسَّائِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
ترجمہ: سخت عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں یا ان کو برا بھلا کہتے ہیں؛ سب صحابہ کر یا بعض صحابہ کو خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کے سردار اور افضل ہستی حضرت صدیق اکبر و خلیفہ اعظم رضی اللہ عنہ کو۔

دلائل:

1: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ اللیبیقی رحمہ اللہ (ت 458ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ الْمَزْنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللَّهُ اللَّهُ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوا هُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِغْضِي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِغْضِي أَبْغَضَهُمْ."

شعب الایمان للیبیقی: ج 2 ص 191 رقم الحدیث 1511

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو۔ ان کو میرے بعد طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا۔ جو شخص صحابہ کرام سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔

2: امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت 463ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا

ظَهَرَتِ الْفِتْنُ أَوْ قَالَ: الْبِدْعُ وَسُبَّ أَصْحَابِي فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عَلَيْهِ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ
ذَلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لَهُ صَرْفًا وَلَا
عَدْلًا"

الجامع لا غلاق الراوی و آداب السامع: ج 2 ص 118 الملاء مناقب الصحابة و مناقبهم

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب فتنے یا بدعات ظاہر ہوں اور میرے اصحاب کو گالی دی جائے تو پھر عالم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہیے۔ جو شخص اس طرح نہ کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے نہ فرض کو قبول کریں گے اور نہ نفل کو۔

(12): حب صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی علامت ہے اور صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم دونوں سے بغض یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ محبت اور دوسرے کے ساتھ بغض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی علامت اور گمراہی ہے۔

دلائل:

1: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت کرتے

ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ: "آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ الْكُفْرِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 3784

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار صحابہ سے محبت کرنا ایمان کی نشانی ہے اور انصار صحابہ سے بغض رکھنا منافقت کی نشانی ہے۔

2: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ اللیبیقی رحمہ اللہ (ت 458ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ الْمُرَزِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللَّهُ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوا هُمْ غُرَضًا مِنْ بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحَبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبْغْضِي أَبْغَضَهُمْ."

شعب الایمان للیبیقی: ج 2 ص 191 رقم الحدیث 1511

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل مرزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو۔ ان کو میرے بعد طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا۔ جو شخص صحابہ کرام سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔

3: امام ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبہ اللہ المعروف بابن عساکر رحمہ اللہ (ت 571ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِكُلِّ بَنِي أَبِي عَصَبَةٍ يَنْتُمُونَ إِلَيْهَا إِلَّا وَلَدَ فَاطِمَةَ فَأَنَا وَلِيُّهُمْ وَأَنَا عَصَبَتُهُمْ وَهُمْ عَتَرَتِي خُلُقُوا مِنْ طِينَتِي وَيْلٌ لِلْمُكَذِّبِينَ بِفَضْلِهِمْ مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللَّهُ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللَّهُ.

تاریخ دمشق: ج 36 ص 313

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: ہر اولاد کا والد ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں سوائے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی اولاد کے کیونکہ میں ہی ان کا نسب ہوں اور میں ہی ان کا باپ ہوں۔ یہ میری اولاد ہیں جو میری مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو لوگ ان کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے ہلاکت ہے۔ جو ان سے محبت رکھتا ہے اس سے اللہ محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اللہ اس سے بغض رکھتا ہے۔

(13): اعدائے صحابہ سے براءت

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان، عدالت، حجت اور حفاظت کا منکر ہو یا صحابہ پہ طعن و تشنیع کرتا ہو ہم اس سے اعلان براءت کرتے ہیں۔ ہمارا اس شخص سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ پاک دنیا اور آخرت میں ہمیں ایسے لوگوں سے الگ رکھے۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی رحمہ اللہ (ت 321ھ) لکھتے ہیں:

وُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نُفَرِّطُ فِي حُبِّ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُهُمْ وَبَغَيْرِ الْخَيْرِ يَذْكُرُهُمْ وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ وَنَرَى حُبَّهُمْ دِينًا وَإِيمَانًا وَإِحْسَانًا وَبُغْضُهُمْ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَطُغْيَانًا.

العقيدة الطحاوية مع الشرح لتكلم الاسلام: ص 146

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں البتہ کسی کی محبت میں غلو کرتے ہیں نہ کسی سے براءت کرتے ہیں۔ ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے بغض رکھے اور برائی سے ان کا تذکرہ کرے۔ ہم جب بھی صحابہ کا تذکرہ کریں گے تو خیر ہی سے کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کو دین، ایمان اور احسان سمجھتے ہیں اور ان سے نفرت کرنے کو کفر، منافقت اور سرکشی سمجھتے ہیں۔

(14): ترتیبِ مراتب صحابہ رضی اللہ عنہم

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انسانوں میں سب سے اعلیٰ ترین درجہ اور مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے اور ان میں بھی باہمی مقام و مرتبہ کی ترتیب درج ذیل ہے:

- 1: خلفائے راشدین علی ترتیب الخلفاء
- 2: عشرہ مبشرہ
- 3: اصحاب بدر
- 4: اصحاب احد
- 5: اصحاب بیعت رضوان
- 6: شرکائے فتح مکہ
- 7: وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو مَنْصُورِ الْبَغْدَادِيُّ مِنْ أَكْبَارِ أُمَّةِ الشَّافِعِيَّةِ : أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلَى أَنَّ أَفْضَلَ الصَّحَابَةِ: أَبُو بَكْرٍ، فَعُمَرُ، فَعُثْمَانُ، فَعَلِيٌّ فَبَقِيَّةُ الْعَشْرَةِ الْمُبَشَّرَةِ بِالْجَنَّةِ، فَأَهْلُ بَدْرٍ، فَبَاقِي أَهْلِ أُحُدٍ فَبَاقِي أَهْلِ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ، فَبَاقِي الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

مُنْجِ الْأَرْوَاحِ الْأَزْهَرِ شرح الفقہ الاکبر: ص 344

ترجمہ: اکابرین شافعیہ میں سے امام ابو منصور البغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ، پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ان (خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم) کے علاوہ باقی عشرہ

مبشرہ رضی اللہ عنہم، پھر جنگِ بدر میں شامل ہونے والے صحابہ کرام، پھر ان (بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے علاوہ جنگِ احد میں شامل ہونے والے دیگر صحابہ، پھر ان (مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے علاوہ مقامِ حدیبیہ میں بیعت الرضوان میں شامل ہونے والے دیگر صحابہ کرام، پھر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(15): عشرہ مبشرہ

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم
امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 3747

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبد الرحمن بن عوف جنتی ہیں، سعد جنتی ہیں، سعید جنتی ہیں، ابو عبیدہ بن جراح جنتی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

(16): خلافت راشدہ و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

”خلافت راشدہ“ شریعت کی اصطلاح ہے جس سے مراد خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن ہے۔ یعنی قرآن کریم کی آیت استخلاف (سورۃ النور: 55) میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خلافت دینے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ چار ہی ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ ان چاروں کو ”خلفائے راشدین“ اور ان کے دورِ خلافت کو ”دورِ خلافت راشدہ“ کہتے ہیں۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی رحمہ اللہ (ت 321ھ) لکھتے ہیں:

وَنُشِبَتْ الْخِلَافَةُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا لِأَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَفْضِيلًا لَهُ وَتَقْدِيمًا عَلَى بَجَائِعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُمْ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ وَالْأُمَّةُ الْمُهْتَدُونَ الَّذِينَ قَضَوْا بِالْحَقِّ وَكَانُوا بِهِ يَعْدِلُونَ.

العقيدة الطحاوية مع الشرح لتكلم الاسلام: ص 148

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت مانتے ہیں کیونکہ آپ ہی پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے مانتے ہیں۔ یہی چار خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امام ہیں جنہوں نے حق و راستی سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور برحق فیصلے کیے۔

(17): خلافت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف اجتہادی تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تقریباً چھ ماہ خلافت کا نظم و نسق سنبھالا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

قَدْ ذَكَّرْنَا أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا ضَرَبَهُ ابْنُ مُلْجَمٍ قَالُوا لَهُ: اسْتَخْلِفْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! فَقَالَ: لَا وَلَكِنْ أَدْعُكُمْ كَمَا تَرَكُّكُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَعْنِي بِغَيْرِ اسْتِخْلَافٍ - فَإِنْ يُرِدِ اللَّهُ بِكُمْ خَيْرًا يَجْمَعُكُمْ عَلَى خَيْرِكُمْ كَمَا جَمَعَكُمْ عَلَى خَيْرِكُمْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَلَمَّا تُوُفِّيَ صَلَّى عَلَيْهِ ابْنُهُ الْحَسَنُ - لِأَنَّهُ أَكْبَرُ بَيْنَهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - وَدُفِنَ - كَمَا ذَكَّرْنَا - بِدَارِ الإِمَارَةِ عَلَى الصَّحِيحِ مِنْ أَقْوَالِ النَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ شَأْنِهِ كَانَ أَوَّلَ مَنْ تَقَدَّمَ إِلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ بِنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهُ: ابْسُطْ يَدَكَ أَبَايَعَكَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ، فَسَكَتَ الْحَسَنُ فَبَايَعَهُ ثُمَّ بَايَعَهُ النَّاسُ بَعْدَهُ. وَكَانَ ذَلِكَ يَوْمَ مَاتَ عَلِيٌّ.

البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ج 4 ص 402 خلافت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما

ترجمہ: ہم نے یہ بات پہلے بیان کی ہے کہ جب ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تلوار مار کر زخمی کیا تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: امیر المؤمنین! آپ اپنا خلیفہ نامزد کر دیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں تم کو اسی طرح چھوڑ کر جا رہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم امت کو چھوڑ کر گئے

تھے یعنی خلیفہ مقرر کیے بغیر۔ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہتری منظور ہوئی تو تم کو ایک بہترین آدمی پر جمع کرے گا جس طرح اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کو ایک بہترین آدمی پر جمع کیا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی کیوں کہ وہ آپ کے سب سے بڑے بیٹے تھے، اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق آپ کو دار الامارۃ میں دفن کر دیا گیا۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تدفین کے مراحل سے فارغ ہوئے تو سب پہلے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر آپ سے کہا: اپنا ہاتھ لائیے! میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت حسن خاموش رہے۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے سب سے پہلے بیعت کی، پھر باقی لوگوں نے بھی بیعت کی۔ یہ وہ دن تھا جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی۔

(18): خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اب بلا شرکت غیر؛ متفقہ طور پر امیر المومنین اور مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نظام خلافت کو انتہائی احسن انداز میں سنبھالا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت ”خلافت راشدہ“ تو نہیں ہاں البتہ ”خلافت عادلہ“ ضرور تھی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر شافعی رحمہ اللہ

(ت 774ھ) لکھتے ہیں:

وَلَمَّا رَأَى الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا تَفَرَّقَ جَيْشُهُ عَلَيْهِ مَقَاتِلُهُمْ
وَكَتَبَ عِنْدَ ذَلِكَ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ قَدْ رَكِبَ فِي
أَهْلِ الشَّامِ فَتَزَلَّ مَسْكِنٌ يُرَاوِضُهُ عَلَى الصُّلْحِ بَيْنَهُمَا، فَبَعَثَ إِلَيْهِ مُعَاوِيَةَ عَبْدَ
اللَّهِ بْنَ عَامِرٍ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سُمْرَةَ فَقَدِمَا عَلَيْهِ الْكُوفَةَ فَبَدَّلَا لَهُ مَا أَرَادَ مِنْ
الْأَمْوَالِ فَاشْتَرَطَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْكُوفَةِ خَمْسَةَ آلَافٍ أَلْفٍ دِرْهَمٍ، وَأَنْ
يَكُونَ خِرَاجَ دَارِ أَجْمَرٍ ذَلِكَ، وَأَنْ لَا يُسَبَّ عَلَى وَهُوَ يَسْمَعُ، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ تَزَلَّ عَنْ
الْإِمْرَةِ لِمُعَاوِيَةَ وَيَحْقِنُ الدِّمَاءَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ. فَاصْطَلَحُوا عَلَى ذَلِكَ
وَاجْتَمَعَتِ الْكَلِمَةُ عَلَى مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ج 4 ص 403 خلافت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما
ترجمہ: جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے لشکر میں افتراق و انتشار
دیکھا تو آپ ان پر سخت ناراض ہوئے۔ اس پر آپ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان
رضی اللہ عنہما کو ایک خط لکھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کے ساتھ سوار ہو
کر مقام ”مسکن“ پر ٹھہرے ہوئے تھے اور جانبین کے درمیان صلح کی کوشش فرما
رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عامر اور عبد الرحمن بن
سمرہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ میں بھیجا، جس قدر مال حضرت حسن
رضی اللہ عنہ نے چاہا ان دونوں نے وہ انہیں دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ
شرط بھی مقرر کی کہ کوفہ کے بیت المال سے آپ کو پچاس لاکھ درہم حاصل ہوں گے
اور دارِ اُجمَر کا خراج بھی آپ رضی اللہ عنہ کے لیے ہو گا اور ان کی موجودگی میں
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی ہتک آمیز کلام نہیں کیا جائے گا۔ جب وہ ایسا
کر لیں گے (یعنی ان شرائط کو قبول کر لیں گے) تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ
رضی اللہ عنہ کے حق میں امارت سے دستبردار ہو جائیں گے اور یوں مسلمان آپس کی

خونریزی سے بھی محفوظ ہو جائیں گے۔ چنانچہ یوں ان دونوں حضرات کے درمیان مصالحت ہوئی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر خلافت کے لیے نامزد ہو گئے۔

اشکال:

”خلفائے راشدین“ صرف چار نہیں بلکہ سات ہیں:

1. حضرت ابو بکر صدیق

2. حضرت عمر فاروق

3. حضرت عثمان ذوالنورین

4. حضرت علی المرتضیٰ

5. حضرت حسن بن علی

6. حضرت امیر معاویہ

7. حضرت عبداللہ بن زبیر [رضی اللہ عنہم]

ان میں سے ہر ایک ”خليفة“ بھی ہے کہ بارِ خلافت ان کے کندھوں پر آیا ہے اور ہر ایک ”راشد“ بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ”راشد“ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الرُّشْدُونَ﴾ (٧)

سورة الحجرات: 7

جواب:

جب ہم ”خلافت راشدہ“ اور ”خلفائے راشدین“ کہتے ہیں تو اس کا لغوی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ ”خلافت راشدہ“ اور ”خلفائے راشدین“ شریعت کی خاص

اصطلاحات ہیں۔ ”خلافتِ راشدہ“ کی اصطلاح سے مراد ”خلافتِ راشدہ موعودہ فی القرآن“ ہے یعنی ایسی خلافت جس کا وعدہ قرآن میں کیا گیا ہے۔ اس خلافت کا وعدہ صرف چار خلفاء کے ساتھ کیا گیا ہے، سب کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ”خلفائے راشدین“ سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کے بارے میں آیت استخلاف میں اللہ نے خلافت کا وعدہ کیا اور وہ سات نہیں بلکہ وہ چار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَ لِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ ۚ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (٥٥)﴾

سورۃ النور: 55

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے تو ایسے لوگ نافرمان شمار ہوں گے۔

اس آیت میں دو باتیں ملحوظ ہیں۔ ”آمَنُوا“ (صبغہ ماضی) اور ”مِنْكُمْ“

(ضمیر حاضر) یعنی جو ایمان لا چکے ہوں اور خطاب کے وقت موجود ہوں۔ معلوم ہوا کہ خلافت کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان بھی لا چکے تھے۔ خلفائے اربعہ؛ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن

خطاب، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہی وہ حضرات ہیں جن میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں کہ یہ چاروں نزول آیت کے وقت موجود تھے اور ایمان لا چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس وقت نابالغ تھے۔ اس لیے یہ حضرات خلفائے راشدین میں شامل نہیں ہوں گے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) کے افادات پر مشتمل تفسیر ”احکام القرآن“ میں اس آیت کے تحت ذکر کیے گئے فوائد میں فائدہ نمبر 2 کے تحت لکھا ہے:

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى صِحَّةِ إِمَامَةِ الْخُلَفَاءِ الْأَرْبَعَةِ أَيْضًا لِأَنَّ اللَّهَ اسْتَخْلَفَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَمَكَّنَ لَهُمْ كَمَا جَاءَ الْوَعْدُ وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمْ مُعَاوِيَةُ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مُؤْمِنًا فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ.

احکام القرآن: ج 16 ص 260

ترجمہ: یہ آیت خلفائے اربعہ کی امامت (و خلافت) کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس وعدہ کے مطابق انہی چار کو اللہ تعالیٰ نے خلافت و حکومت عطا فرمائی ہے۔ اس خلافت موعودہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شامل نہیں کیونکہ نزول آیت کے وقت وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ ”خلافت راشدہ“ اور ”خلفائے راشدین“ اصطلاحات ہیں اور مراد ان سے وہ خلفاء اور ان کی خلافت ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور وہ صرف چار حضرات اور ان کی خلافت ہی ہے۔

(19): حدیث خلافت تیس سال

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت

نقل کرتے ہیں:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمُهَانَ قَالَ حَدَّثَنِي سَفِينَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مَلِكٌ بَعْدَ ذَلِكَ." ثُمَّ قَالَ لِي سَفِينَةُ: أَمْسِكَ خِلَافَةَ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ قَالَ: وَخِلَافَةَ عُمَرَ وَخِلَافَةَ عُثْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: أَمْسِكَ خِلَافَةَ عَلِيٍّ، فَوَجَدْنَا هَا ثَلَاثِينَ سَنَةً.

(سنن الترمذی: رقم الحدیث 2226)

ترجمہ: سعید بن جُمہان کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خلافت میری امت میں تیس سال تک رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت آجائے گی۔“ پھر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا: حضرت ابو بکر کی خلافت کو گنو! اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافت کو گنو! پھر فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو گنو! پس ہم نے خلافت کو تیس سال پایا۔

اس روایت میں خلافت کی مدت تیس سال بیان کی گئی ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مدت خلافت کا اجمالی نقشہ یہ ہے:

نمبر شمار	نام خلیفہ راشد	مدت خلافت
1	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	2 سال، 3 ماہ، 10 دن
2	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	10 سال، 5 ماہ، 21 دن
3	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	12 سال، 11 دن
4	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	4 سال، 9 ماہ

سوال: یہ مدت خلافت تو انیس سال، چھ ماہ اور بارہ دن بنتی ہے، تیس سال تو مکمل نہیں ہوتی۔

جواب: ”ثَلَاثُونَ سَنَةً“ امر تقریبی ہے، امر تحقیقی نہیں۔ یعنی تقریباً تیس سال مراد ہیں۔

سوال: بعض لوگ تیس سال مکمل کرنے کے لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ کو شامل کرتے ہیں جو کہ 6 ماہ سے کچھ دن اوپر ہے۔

جواب: اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کو اس میں شامل کریں تو پھر مدت تیس سال سے بڑھ جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ مدت 30 سال اور 12 دن سے کچھ دن اوپر بنے گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس کو امر تقریبی پر محمول کر کے جمہور امت کے مسلک کو لیا جائے۔

(20): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات

”مشاجرات“ کا لغوی معنی ہوتا ہے ایک ہی درخت کی ٹہنیوں کا آپس میں ہوا کی وجہ سے ٹکرائنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کا معنی یہ ہے کہ یہ سب کے سب ایک ہی (ایمان والے) درخت کی شاخیں ہیں۔ (آزمائشوں اور خارجی سازشوں جیسی ناموافق) ہواؤں کی وجہ سے آپس میں ٹہنیوں کی طرح ٹکرا بھی گئے بلکہ بعض جنگی حالات بھی پیش آئے، جیسے جنگِ جمل اور جنگِ صفین۔

ان جنگوں اور مشاجرات کی وجہ سے دونوں فریقوں کا احترام، مقام و منصب اور جلالتِ شان کو ذہن میں رکھتے ہوئے صواب اور اس کے مقابلے میں خطا کا معتدل نظریہ اپنانے میں کوئی حرج اور ان کے مقام پر حرف نہیں آتا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ ان معاملات میں خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حق (درست اجتہاد) پر تھے اور ان کے مقابلے میں جو لوگ آئے وہ خطا پر تھے۔ ان کی خطا ”اجتہادی خطا“ تھی جسے کسی صورت ”باطل“ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ان واقعات کی

وجہ سے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کی بھی فضیلت میں کچھ کمی نہیں ہوئی، کسی ایک کا بھی مقام کم نہیں ہوا اور کوئی ایک بھی ایمان سے خالی نہیں ہوا۔ ان میں کسی ایک کو حق اور اس کے مقابلے میں دوسرے کو باطل قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ حدیث مبارک کی رو سے دونوں کو اللہ کی طرف سے اجر کا مستحق سمجھا جائے گا۔

✽ امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ)

امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 463ھ) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

لَا نَنْظُرُ بَيْنَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ وَنِكَلُ أَمْرَهُمْ إِلَى اللَّهِ. وَالْحُجَّةُ فِي ذَلِكَ حَدِيثُ حَاطِبٍ.

جامع بیان العلم وفضلہ: ج 2 ص 215

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے ہم ان میں بحث و مباحثہ نہیں کرتے بلکہ ہم یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ اس معاملے میں ہماری دلیل حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

✽ شیخ ابو محمد محی الدین عبد القادر بن ابی صالح عبد اللہ جیلانی رحمہ اللہ (ت 561ھ) لکھتے ہیں:

وَاتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلَى وَجُوبِ الْكَفِّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَالْإِمْسَالِ عَنْ مَسَائِرِهِمْ، وَإِظْهَارِ فَضَائِلِهِمْ وَمَحَاسِنِهِمْ، وَتَسْلِيمِهِمْ أَمْرَهُمْ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى مَا كَانَ وَجَرِي مِنْ اخْتِلَافٍ عَلَيْهِ وَطَلْعَةٍ وَالزُّبَيْرِ وَعَائِشَةَ وَمُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

غنیۃ الطالبین للجیلانی: ص 113

ترجمہ: اہل السنۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو نزاعات ہوئے ان میں خاموشی اختیار کرنا اور ان کی خامیاں بیان کرنے سے باز رہنا

واجب ہے۔ اسی طرح ان کے فضائل و مناقب اور خوبیاں بیان کرنا بھی واجب ہے اور جو اختلاف حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آئے انہیں اللہ کے سپرد کرنا بھی واجب ہے۔

✽ علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْحَقِّ إِحْسَانُ الظَّنِّ بِهِمْ وَالْإِمْسَاكُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ وَتَأْوِيلُ قِتَالِهِمْ وَأَتَمُّهُمْ مُجْتَهِدُونَ مُتَأَوِّلُونَ لَمْ يَقْصِدُوا مَعْصِيَةً وَلَا مَحْضَ الدُّنْيَا بَلِ اعْتَقَدَ كُلُّ فَرِيقٍ أَنَّهُ الْمَحْقُوقُ وَمُخَالَفُهُ بَاغٍ فَوَجَبَ عَلَيْهِ قِتَالُهُ لِيَرْجَعَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ وَكَانَ بَعْضُهُمْ مُصِيبًا وَبَعْضُهُمْ مُخْطِئًا مَعْذُورًا فِي الْخَطَا لِأَنَّهُ لَا جِبْتَهَادَ وَالْمُجْتَهِدُ إِذَا أَخْطَأَ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَكَانَ عَلَى رِضَى اللَّهِ عَنْهُ هُوَ الْمَحْقُوقُ الْمُصِيبُ فِي تِلْكَ الْحُرُوبِ. هَذَا مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ.

شرح صحیح مسلم للنووی: ج 2 ص 390 کتاب الفتن وشرائط الساعة

ترجمہ: اہل السنۃ اور اہل حق کا مذہب اور نظریہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے اور ان کے درمیان رونا ہونے والے اختلافات میں خاموشی اختیار کی جائے اور ان کی باہمی لڑائیوں کی تاویل کی جائے۔ بلاشبہ یہ حضرات مجتہد اور صاحب رائے تھے، ان کا مقصد نہ معصیت تھا اور نہ ہی دنیا طلبی تھی، بلکہ ان میں سے ہر فریق یہ سمجھتا تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا خطا پر ہے اور خطا پر ہونے والے فریق سے لڑائی کرنا ضروری ہے تاکہ وہ امر اللہ کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اس لیے ان لڑائیوں میں بعض صحابہ مصیب تھے اور بعض خطا پر تھے لیکن یہ حضرات بھی خطا پر ہونے کے باوجود معذور تھے کیونکہ اس کی بنیاد اجتہاد پر تھی اور مجتہد سے جب خطا اجتہادی ہو جائے تو وہ گنہگار نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان

جنگوں میں حق پر تھے اور مصیب تھے۔ یہی اہل السنۃ کا موقف ہے۔

(21): حق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے باہمی اختلاف میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور یزید کی حکومت نہ خلافت راشدہ تھی اور نہ خلافت عادلہ۔ نیز یزید کے اپنے عملی فسق سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بری ہیں۔

✽ قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (ت 1297ھ) لکھتے ہیں:

”جس وقت کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنایا تھا تو وہ علانیہ فاسق نہ تھا۔ اگر اس نے کچھ کیا ہو گا تو درپردہ کیا ہو گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں یزید کا حسن تدبیر جیسا کہ اس سے دیکھا گیا مشہور ہے... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو اگر اس سے افضل موجود ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے۔ اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر بالفرض افضل نہ بھی جانا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا جیسا کہ گزشتہ مقدمات میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب لیکن اتنی بات کہ باعث ترک افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جاسکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کرتے ہیں کہ افضل اور اولیٰ کو ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں!“

✽ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) لکھتے ہیں:

”حضرت حسین رضی اللہ عنہ (مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے۔ باقی یزید کو اس قتال میں اس لیے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کرتا تھا! خصوص جبکہ حضرت امام رضی اللہ عنہ آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کو تو عداوت ہی تھی۔“

امداد الفتاویٰ: ج 4 ص 765

فسق یزید:

یزید فاسق و فاجر تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا اور ولی عہد ہونے کی وجہ سے یزید کو صالح نہیں کہہ سکتے۔ اور یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض بھی نہیں کر سکتے۔

✽ قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (ت 1297ھ) لکھتے ہیں:

”ان (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے انتقال کے بعد یزید نے پرزے نکالنے شروع کیے اور دل کو خواہش نفس اور ہاتھ کو جام شراب پر لے گیا۔ فسق کھلم کھلا کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی۔“

مکتوبات قاسم العلوم: 175

✽ قطب الاقطاب فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (ت 1323ھ) فرماتے ہیں:

”کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں۔ یزید مومن تھا بسبب قتل کے فاسق ہوا، کفر کا حال دریافت نہیں، کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدہ قلب پر موقوف ہے۔“

فتاویٰ رشیدیہ: ص 49

✽ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ
(ت 1362ھ) فرماتے ہیں:

”یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔“

امداد الفتاویٰ: ج 4 ص 465

مر تکب کبیرہ کو کافر نہ کہا جائے جب تک وہ گناہ کو
حلال نہ سمجھے

وَلَا تُكْفِرُ مُسْلِمًا بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَتْ كَبِيرَةً إِذَا لَمْ يَسْتَحْلِلْهَا وَلَا
نُزِيلُ عَنْهُ اسْمُ الْإِيمَانِ وَنُسَبِيَّتُهُ مُؤْمِنًا حَقِيقَةً وَبِجَوِّزٍ أَنْ يَكُونَ مُؤْمِنًا
فَاسِقًا غَيْرَ كَافِرٍ

ترجمہ: ہم کسی مسلمان کو گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی
کیوں نہ ہو جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔ ہم اس سے ”ایمان“ کا لفظ ختم
نہیں کر سکتے بلکہ اسے حقیقی مؤمن ہی کہیں گے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص
مؤمن ہو اور فاسق ہو لیکن کافر نہ ہو۔

فائدہ:

گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ کی تعریف ماقبل میں گزر چکی ہے۔ وہیں ملاحظہ کر لی
جائے۔

مر تکب کبیرہ کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

اہل ایمان جنت میں ضرور بالضرور داخل ہوں گے۔ اگر کسی مؤمن نے

حالتِ ایمان میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لیا اور بغیر توبہ کے فوت ہو گیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو فضل و احسان کا معاملہ کرتے ہوئے اسے معاف فرما کر ابتداءً جنت میں داخل فرمادیں گے اور اگر چاہیں گے تو قانونِ عدل کے ساتھ اسے گناہ کی سزا دے کر بالآخر جنت میں داخل فرمادیں گے۔ سزا پانے کی صورت میں جب یہ بندہ مومن جہنم جائے گا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ اپنی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہو گا۔ سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمانا بھی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ فِيمَنْ ارْتَكَبَ الْكَبِيرَةَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
وَمَاتَ قَبْلَ التَّوْبَةِ فَالْمَذْهَبُ عِنْدَنَا عَدَمُ الْقَطْعِ بِالْعَفْوِ وَلَا بِالْعِقَابِ بَلْ
كِلَاهُمَا فِي مَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى لَكِنْ عَلَى تَقْدِيرِ التَّعْذِيبِ نَقْطَعُ بِأَنَّهُ لَا يُحْدِثُ فِي
النَّارِ بَلْ يَخْرُجُ الْبَشَّةُ لَا بِطَرِيقِ الْوُجُوبِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى بَلْ بِمُقْتَضَى مَا سَبَقَ
مِنَ الْوَعْدِ وَتَبَّتْ بِاللَّيْلِ كَتَخْلِيلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 229

ترجمہ: اہل اسلام کا مرتکب کبیرہ مومن کے بارے میں اختلاف ہے جو توبہ کرنے سے پہلے فوت ہو جائے۔ ہمارا (اہل السنۃ والجماعۃ کا) موقف یہ ہے کہ ہم صاحب کبیرہ کے لیے قطعی طور پر معافی کے قائل ہیں نہ سزا پانے کے بلکہ معافی اور سزا کو اللہ کی مشیت کے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اگر مرتکب کبیرہ کو سزا ہوئی تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ سزا پانے کے بعد جہنم سے ضرور نکلے گا۔ ہاں جہنم سے نکالنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی وجہ سے ہے (کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو جنت میں

ضرور داخل کرے گا) اور اس دلیل کی بناء پر ہے (کہ اہل ایمان ہمیشہ جہنم میں نہیں جائیں گے) جس طرح اہل جنت کا جنت میں ہمیشہ رہنا دلیل کی بنا پر ہے۔

دلائل اهل السنة والجماعة:

1: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِمَّا تَقُولُونَ مَآ لَا تَفْعَلُونَ (٢) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَآ لَا تَفْعَلُونَ (٣)﴾

سورة الصف: 2، 3

ترجمہ: اے ایمان والو! تم لوگ ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت قابل نفرت ہے کہ تم وہ باتیں کہو جو تم کرتے نہیں ہو۔

”مقت“ قابلِ نفرت بات اور گناہ کو کہتے ہیں عام ہے کہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو۔

”مقت“ [گناہِ صغیرہ یا کبیرہ] کے ارتکاب کے باوجود ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ سے خطاب کرنا دلیل ہے کہ گناہ کبیرہ سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

2: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضٌ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ
أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا
دَخَلَ الْجَنَّةَ. قُلْتُ: وَإِنْ زُنِيَ وَإِنْ سُرِقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زُنِيَ وَإِنْ سُرِقَ. قُلْتُ: وَإِنْ زُنِيَ
وَأَنْزِلْهُ إِلَى الْخَالِيقِ. قَالَ: وَإِنْ سُرِقَ. قُلْتُ: وَإِنْ زُنِيَ وَإِنْ سُرِقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زُنِيَ
وَأَنْزِلْهُ إِلَى الْخَالِيقِ. قَالَ: وَإِنْ سُرِقَ. قُلْتُ: وَإِنْ زُنِيَ وَإِنْ سُرِقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زُنِيَ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5827

ترجمہ: میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ایک سفید کپڑا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ (اس وقت میں واپس چلا آیا لیکن پھر) میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا (یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اقرار کیا) اور پھر وہ اسی حالت میں فوت ہوا تو ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے تیسری بار عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! خواہ ابوذر کو ناگوار گذرے۔

گناہ کے باوجود جنت میں جانے کی بشارت دی جا رہی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مرتکب کبیر مغلذ فی النار نہیں ہو گا۔

مرتکب کبیرہ کے بارے میں فرقہ معتزلہ کا موقف:

فرقہ معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ بندہ مؤمن جب گناہ کبیرہ کرے تو ایمان سے خارج ہو جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ ایمان اور کفر کے درمیان رہتا ہے۔ ان کی اصطلاح میں یہ مقام ”منزلۃ بین المنزلتین“ ہے۔ معتزلہ کے نزدیک آخرت میں ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا۔ اسے کسی قسم کی معافی نہ ہوگی۔

امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

وَعِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ الْقَطْعُ بِالْعَذَابِ الدَّائِمِ مِنْ غَيْرِ عَفْوٍ وَلَا إِخْرَاجٍ مِنَ النَّارِ
وَيُعَبَّرُ عَنْ هَذَا بِمَسْئَلَةِ "وَعِيدِ الْفَسَّاقِ وَعُقُوبَةُ الْعَصَاةِ".

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 229

ترجمہ: (مرتب کبیرہ مومن کے بارے میں) معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ مرتب کبیرہ ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کا مستحق قرار پائے گا اور اس کو معافی بھی نہیں ملے گی اور نہ ہی اسے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اس مسئلہ کو (ان لوگوں کے ہاں) وعید فُتات اور عقوبتِ عصاة کا نام دیا جاتا ہے (یعنی فاسق و گنہگار لوگوں کی سزا اور پکڑ کرنا)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

الْمُعْتَزِلَةُ ذَهَبُوا إِلَى أَنَّ مُرْتَكِبَ الْكَبِيرَةِ يَخْرُجُ عَنِ الْإِيمَانِ وَلَا يَدْخُلُ فِي الْكُفْرِ وَيُثَبِّتُونَ الْهَنْزِلَةَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ مَعَ اتِّفَاقِهِمْ لِلْخَوَارِجِ عَلَى أَنَّ صَاحِبَ الْكَبِيرَةِ مُخَلَّدٌ فِي النَّارِ.

منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر: ص 155

ترجمہ: معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ مرتب کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ لوگ کفر اور ایمان کے درمیان ایک مقام ثابت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود معتزلہ اور خوارج دونوں فرقے صاحب کبیرہ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جانے کے قائل ہیں۔

فرقہ معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات:

دلیل نمبر 1:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهَبُ مُهَبَّةً يَزْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارُهُمْ حِينَ يَنْتَهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 2475

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت بھی اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ چوری کرنے والا جب چوری کرتا ہے تو اس وقت بھی اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ چھینا چھٹی کرنے والا جب چھینتا ہے اور لوگ اس کو (کھلم کھلا) چھینتے ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف و دہشت کے مارے بے بس ہو جاتے ہیں اور چیخ و پکار کے علاوہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے) تو اس وقت بھی اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔

جوابات:

1: اس سے مراد کمالِ ایمان اور نورِ ایمان کی نفی ہے، نفسِ ایمان کی نفی نہیں۔ یعنی گناہ کرنے والا یہ شخص مؤمن تو ہوتا ہے لیکن کامل ایمان والا نہیں رہتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کا یہی مطلب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: يُنْزَعُ مِنْهُ نُورُ الْإِيمَانِ فِي الدُّنَا.

صحیح البخاری: کتاب الحد و دباب لا یُشرب الخمر

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زانی سے عینِ زنا کے وقت نورِ ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔

2: ”حیاء“ ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے۔ عینِ زنا کے وقت ایمان کا یہ اہم شعبہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو حیاء کے ختم ہو جانے کو ایمان کے ختم ہو جانے سے تعبیر کر دیا گیا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری اللہ ولی الخفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

وَأَصْحَابُنَا أَوَّلُوهُ بِأَنَّ الْمَرَادَ... مُؤْمِنٍ مُسْتَحٍ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى، لِأَنَّ الْحَيَاءَ

شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ، فَلَوْ اسْتَحْيَ مِنْهُ وَاعْتَقَدَ أَنَّهُ نَاطِرٌ لَمْ يَزْ تَكِبْ هَذَا الْفِعْلُ الشَّيْخَ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 1 ص 294

ترجمہ: ہمارے حضرات (اہل السنۃ والجماعۃ) نے اس حدیث کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ (زنا کے وقت) یہ شخص اللہ سے حیاء کرنے والا مؤمن نہیں رہتا کیونکہ حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ اگر یہ شخص اللہ سے حیاء کرتا اور اسے یہ یقین ہوتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے تو یہ کبھی بھی اس برے فعل کا ارتکاب نہ کرتا۔

فائدہ:

جن زنانِ مصر نے زلیخا کو طعنہ دیا تھا انہوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ایک جملہ کہا:

﴿مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ (۳۱)

ترجمہ: یہ شخص انسان نہیں ہے، یہ تو معزز فرشتہ ہے۔
”بشریت“ میں دو چیزیں ہوتی ہیں:

1: صفتِ ملکیت 2: صفتِ بہیمیت

زنانِ مصر کے جملہ میں ”بشریت“ کی نفی نہیں بلکہ بشریت کے ضمن میں بہیمیت کی نفی ہے۔ بالکل اسی طرح زنا کی وجہ سے نفسِ ایمان کی نفی نہیں بلکہ ایمان کے ضمن میں اس کے بہت بڑے شعبہ ”حیاء“ کی نفی ہے۔

دلیل نمبر 2:

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ (ت 275ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا رَأَى الرَّجُلُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ كَانَ عَلَيْهِ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا انْقَطَعَ رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4690

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ جب زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ بندہ اس گناہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

جوابات:

1: یہ خروج عارضی ہے، نہ کہ دائمی۔ کیونکہ بندہ جب اس گناہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف دوبارہ لوٹ آتا ہے جبکہ معزلہ خروج دائمی کے قائل ہیں۔ لہذا ان کا استدلال درست نہیں۔

2: زجر پر محمول ہے تاکہ بندہ اس کا ارتکاب نہ کرے۔

3: مراد یہ ہے کہ اس نے ان لوگوں جیسا کام کیا جن کے پاس ایمان کی دولت نہیں۔

دلیل نمبر 3:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جَهَارًا."

المعجم الاوسط للطبرانی: ج 3 ص 343 رقم الحدیث 3348

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تو اس نے کھلم کھلا کفر کا ارتکاب کیا۔

جوابات:

- 1: اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا۔
- 2: یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو نماز کا انکار کرے۔
- 3: یہ باعتبار انجام کے بتایا گیا ہے کہ جب انسان نماز کو چھوڑ دے گا تو بالآخر یہ کام اسے کفر تک لے جائے گا۔

4: یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے بارے میں کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

قُلْتُ: وَنَعَمْ الرَّأْيُ رَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ؛ إِذَا الْأَقْوَالُ بَاقِيَهَا ضَعِيفَةً، ثُمَّ مِنَ التَّأْوِيلَاتِ أَنْ يَكُونَ مُسْتَحِلًّا لِتَرْكِهَا، أَوْ تَرْكُهَا يُؤَدِّي إِلَى الْكُفْرِ، فَإِنَّ الْمَعْصِيَةَ بِرَيْدِ الْكُفْرِ، أَوْ يُخْشَى عَلَى تَارِكِهَا أَنْ يَمُوتَ كَاوِرًا، أَوْ فَعَلَهُ شَابَةً فَعَلَ الْكَافِرِ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج 3 ص 17

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ (اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں) سب سے اچھی رائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہے کیونکہ اس کے علاوہ باقی سارے اقوال ضعیف ہیں۔ پھر اس حدیث کی تاویلات میں سے (۱) ایک تاویل یہ ہے کہ نماز چھوڑنے کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ (۲) ایک تاویل یہ بھی ہے کہ نماز چھوڑنا کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ معصیت کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ (۳) یا یہ خدشہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر ہو کر مرے گا (۴) یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس نے نماز چھوڑ کر کافروں جیسا کام کیا ہے۔

5: معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا جبکہ زیرِ بحث روایت کا معنی اگر یہی ہو کہ تارکِ صلوٰۃ کافر ہے تو یہ روایت خود معتزلہ کے موقف کے خلاف ہوگی۔

تنبیہ:

امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمَا وَقَعَ فِي كَلَامِ الْبَعْضِ مِنْ أَنَّ صَاحِبَ الْكِبِيرَةِ عِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ لَيْسَ فِي الْجَنَّةِ وَلَا فِي النَّارِ فَعَلَّطَ نَشَأً مِنْ قَوْلِهِمْ أَنَّ لَهُ الْمَنْزِلَةَ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ أُنْجِي حَالَةً غَيْرَ الْإِيمَانِ وَالْكَفْرِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام لتفتازانی: ج 2 ص 229

ترجمہ: بعض احباب کے کلام میں جو یہ بات آئی ہے کہ معتزلہ کے ہاں مرتکبِ کبیرہ جنت جائے گا نہ جہنم تو یہ بات درست نہیں ہے۔ یہ غلطی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے معتزلہ کے اس موقف کو دیکھا کہ یہ مرتکبِ کبیرہ کے لیے حالتِ ایمان اور حالتِ کفر کے درمیان ایک مقام مانتے ہیں۔

موزوں پر مسح کا بیان

وَالْمَسْحُ عَلَى الْخَفَّيْنِ سُنَّةٌ

ترجمہ: موزوں پر مسح کرنا سنت ہے۔

وضو کے چار فرائض ہیں جو اس آیت مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَ

أَيِّدِيكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴿٦﴾

سورۃ المائدہ: 6

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔

وضو کے ان فرائض میں چوتھا فرض ”دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا“ ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ انسان نے موزے نہ پہنے ہوں۔ موزے پہننے کی صورت میں موزوں پر ہی مسح کیا جائے گا کیونکہ موزوں پر مسح کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے:

حدیث نمبر 1:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَّغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 203

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تو میں بھی پانی سے بھر ہوا برتن لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

حدیث نمبر 2:

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ هَمَّامٍ، قَالَ: بَالَ جَرِيرٌ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، فَقِيلَ: تَفْعَلُ هَذَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 272

ترجمہ: حضرت ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا، اس کے بعد وضو کیا پھر موزوں پر مسح کیا۔ تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ آپ موزوں پر مسح کرتے ہیں؟ تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔

اقوال ائمہ کرام رحمہم اللہ:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت 150ھ)

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت 970ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: مَا قُلْتُ بِالْمَسْحِ حَتَّى جَاءَنِي فِيهِ مِثْلُ ضَوْءِ النَّهَارِ.
البحر الرائق لابن نجيم: ج 1 ص 288 باب المسح على الخفين

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں موزوں پر مسح کا اس وقت تک قائل نہیں ہوا جب تک اس کے دلائل میرے پاس روز روشن کی طرح نہیں پہنچ گئے۔

2: حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ صَرَّحَ جَمْعٌ مِنَ الْخُفَّاطِ بِأَنَّ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ مُتَوَاتِرٌ وَجَمَعَ
بَعْضُهُمْ رُؤَاؤُهُ فَجَاوَزُوا الثَّمَانِينَ وَمِنْهُمْ الْعَشْرَةُ.

فتح الباری: ج 1 ص 399 باب المسح علی الخفین

ترجمہ: حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کا حکم متواتر ہے۔ بعض حضرات نے اس کے روایت کرنے والوں کی تعداد کو جمع کیا تو ان کی تعداد 80 سے بھی متجاوز ہو گئی جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

فائدہ نمبر 1: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا:

أَنَّ تَقْصِيلَ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبَّ الْخُفَّيْنِ وَتَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.
الحر الرائق: ج 1 ص 288 کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین

ترجمہ: شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا قائل ہونا، ختین (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنا اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا اہل السنۃ والجماعۃ کی علامت ہے۔

فائدہ نمبر 2: موزوں پر مسح کرنے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

- 1: موزہ کو مکمل طہارت کی حالت میں پہنا ہو۔
 - 2: موزہ اتنا اونچا ہو کہ ٹخنوں کو چھپالے۔
 - 3: موزہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر یا اس سے زیادہ پھٹا ہوا نہ ہو۔
- فائدہ نمبر 3:** اگر جرابیں ایسی ہوں جو صفات میں موزے کی طرح ہوں تو وہ

بھی موزے کے حکم میں ہوں گی اور ان پر مسح کرنا بھی درست ہو گا۔ وہ صفات یہ ہیں:

1: پنڈلی پر بغیر باندھے (مثلاً ربڑ وغیرہ سے) ہوئے قائم رہ سکیں اور یہ قائم رہنا کپڑے کی تنگی اور چستی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کی ضخامت اور موٹا ہونے کی وجہ سے ہو۔

2: ان میں پانی نہ چھنے یعنی ان پر پانی گرائیں تو پانی ان میں اتر کر پاؤں تک نہ پہنچ سکے۔

3: اس میں کم از کم تین میل (4.8 کلومیٹر) کی مسافت بغیر جوتے کے سفر کرنا ممکن ہو۔

مذکورہ شرائط اگر جرابوں میں پائی جائیں تو وہ کہنے میں تو جرابیں ہوں گی مگر دراصل موزے ہوں گے، اس لیے ان پر بھی مسح درست ہو گا۔

نوٹ: موجودہ مروجہ اونی سوتی جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ان پر مسح کر کے نماز پڑھی تو نماز نہیں ہو گی۔ مزید تفصیل کے لیے بندہ کی مرتب کردہ فائل ”موزوں پر مسح کرنے اور جرابوں پر مسح نہ کرنے کا مسئلہ“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

نماز تراویح کا بیان

وَالْتَّرَاوِیْحُ فِی لَیَالِیِ شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ

ترجمہ: رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح ادا کرنا سنت ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

عام طور پر یہ بات معروف ہے کہ بیس رکعات تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ واضح رہے کہ یہ بات درست نہیں۔ اس حوالے سے دو باتوں میں

فرق کرنا ضروری ہے:

- 1: نماز تراویح کا بیس رکعات ہونا۔
- 2: بیس رکعات تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنا۔

تراویح کی رکعات بیس ہیں اور یہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ پورا مہینہ تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ اس لیے کہ خلیفہ راشد کا ایسا اجتہاد جسے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم قبول فرمائیں وہ خلیفہ راشد کی ”سنت“ ہوتا ہے۔ اس پر عمل بھی اسی طرح دوام اور اہتمام سے کرنا ضروری ہے جس طرح نبی کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعُضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَخُدَّائِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُخَدَّئَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4607

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور دین میں نئی نئی باتیں (یعنی نئے عقیدے اور نئے عمل) پیدا کرنے سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ نماز تراویح کی رکعات کی یہ تعداد ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہے:

1: امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی رحمہ اللہ (ت 235ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ.

مصنف ابن ابی شیبہ: ج 5 ص 225 رقم الحدیث 7774

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

2: علامہ حافظ ابو القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی القرشی الجرجانی رحمہ اللہ (ت 428ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسَ أَرْبَعَةً وَعَشْرِينَ رَكْعَةً وَأَوْتَرِ بِثَلَاثَةٍ.

تاریخ جرجان: ص 317

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ایک رات تشریف لائے اور لوگوں کو چار (فرض) بیس رکعت (تراویح) اور تین وتر پڑھائے۔

3: حافظ احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصری الشافعی رحمہ اللہ (ت 840ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي بَكْرٍ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ، فَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ النَّهَارَ وَلَا يُحْسِنُونَ أَنْ يَقْرَءُوا، فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ عَلَيْهِمُ بِاللَّيْلِ! فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! هَذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ. فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ أَحْسَنُ فَصَلَّى بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً.

اتحاف الخيرة للحرة للبوصري: ج 2 ص 424 باب في قيام رمضان وماروى في عدد ركعاته

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو رات کے وقت نماز (تراویح) پڑھایا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اس لیے قرآن مجید اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے۔ اگر آپ رات کے وقت ان کو قرآن سنائیں (تو بہت اچھا ہے)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! یہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے نہیں ہوئی۔ فرمایا: مجھے معلوم ہے لیکن یہ بہت اچھی چیز ہے۔ چنانچہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعتیں (تراویح) پڑھائیں۔

4: امام ابو الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوهري البغدادی رحمہ اللہ (ت 230ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعَشْرِينَ رَكْعَةً وَإِنْ كَانُوا لَيَقْرَءُونَ بِالْبَيْتَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ.

مسند ابن الجعد: ص 413 رقم الحدیث 2825

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات رحمہم اللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف کے مہینے میں بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھتے تھے اور قرآن مجید کی سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے۔

5: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الیہتی رحمہ اللہ (ت 458ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعَشْرِينَ رَكْعَةً وَإِنْ كَانُوا لَيَقْرَءُونَ بِالْبَيْتَيْنِ

وَكَانُوا يَتَوَكَّلُونَ عَلَىٰ عَصِيهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ.

السنن الکبریٰ للبیہقی: ج 2 ص 496

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان شریف میں بیس رکعات نماز تراویح پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ قرآن مجید کی سو سو آیات والی سورتیں تلاوت کیا کرتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ لمبے قیام کی وجہ سے اپنی لٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

6: امام زید بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہم (ت 122ھ، شہید) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَمَرَ الَّذِي يُصَلِّي بِالنَّائِسِ صَلَاةَ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ عَشْرِينَ رُكْعَةً يُسَلِّمُ فِي كُلِّ رُكْعَتَيْنِ وَيُؤَيِّدُ أَحَدَ مَابَيْنَ كُلِّ أَرْبَعِ رُكْعَاتٍ فَيَرْجِعُ ذُو الْحَاجَةِ وَيَتَوَضَّأُ الرَّجُلُ وَأَنْ يُؤْتِيَ بِهِمْ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ حِينَ الْإِنْصِرَافِ.

مسند زید: ص 158

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو حکم دیا جو لوگوں کو رمضان شریف کے مہینے میں نماز تراویح پڑھاتا تھا کہ وہ ان کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھائے! ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرے اور ہر چار رکعتوں کے درمیان آرام کے لیے کچھ دیر وقفہ کرے تاکہ قضائے حاجت کے لیے جانے والا واپس آ سکے، وضو کرنے والا وضو کر سکے اور یہ بھی حکم فرماتے تھے کہ (تراویح کے اختتام کے وقت) واپسی پر ان کو وتر کی نماز بھی پڑھائے۔

7: امام ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ (ت 294ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُصَلِّي بِنَافِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ، قَالَ الْأَعْمَشُ: كَانَ يُصَلِّي عَشْرِينَ رَكْعَةً وَيُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ.

قیام اللیل للمروزی: ص 157

ترجمہ: حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں ہمیں تراویح پڑھاتے اور جب گھر کو لوٹتے تو رات ابھی باقی ہوتی تھی۔ (اس روایت کے راوی) امام اعش فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

تراویح کے بیس رکعت ہونے پر اجماع امت

1: ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى أَنَّ التَّارَويحَ عَشْرُونَ رَكْعَةً.

مرقاۃ المفاتیح: ج 3 ص 346

ترجمہ: تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت تراویح ہونے پر اجماع کیا ہے۔

2: علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی المعروف مرتضی الزبیدی رحمہ اللہ (ت 1205ھ) فرماتے ہیں:

وَبِإِلْجِمَاعِ الَّذِينَ وَقَعَ فِي زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخَذَ أَبُو حَنِيفَةَ وَالنَّوَوِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَالْجُمْهُورُ وَأَخْطَرُ أَهْلِ الْبَيْتِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ.

اتحاف السادة المتقين بشرح احياء علوم الدين: ج 3 ص 422

ترجمہ: اس اجماع کی وجہ سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا تھا، امام ابو حنیفہ، امام نووی، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور حضرات نے (بیس رکعت تراویح) کو اختیار کیا ہے اور یہی موقف علامہ ابن عبد البر نے بھی اختیار کیا ہے۔

نوٹ:

بعض لوگ بیس رکعت مسنون تراویح کے بجائے آٹھ رکعت پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اس موضوع پر بندہ کی مرتب کردہ فائل ”بیس رکعت تراویح“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

نماز کس کے پیچھے پڑھی جائے

وَالصَّلَاةُ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ جَائِزَةٌ

ترجمہ: نماز ہر نیک اور برے مؤمن کے پیچھے جائز ہے۔

فائدہ نمبر 1: فاجر کی تعریف:

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت 970ھ) فرماتے ہیں:

الْفَاجِرُ هُوَ الْفَاسِقُ مِّنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ.

البحر الرائق: ج 8 ص 207

ترجمہ: ایسا شخص جو مسلمان ہو اور گناہ کرتا ہو اسے ”فاجر“ کہتے ہیں۔

مسئلہ:

ہر صحیح العقیدہ امام (خواہ وہ فاسق ہو یا فاجر ہو) کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

دلیل:

امام ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدار قطنی رحمہ اللہ
(ت 385ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلُّوا
خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَصَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَجَاهِدُوا مَعَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ".

سنن الدار قطنی: رقم الحدیث 1768

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: ہر نیک و گنہگار شخص کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو! ہر نیک و گنہگار میت کی
نماز جنازہ پڑھ لیا کرو اور ہر نیک و گنہگار شخص (یعنی امیر) کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرو!

فائدہ نمبر 2:

”فاجر“ سے مراد وہ شخص ہے جس کے عقائد تو درست ہوں لیکن اعمال میں
فسق آچکا ہو۔ اگر امام ایسا شخص ہو کہ اس کا فسق حد کفر تک جا پہنچا ہو تو ایسے شخص کے
پیچھے نماز جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر امام کا عقیدہ خراب ہے اگرچہ اعمال میں بظاہر
اچھا ہو تو بھی اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی۔

1: علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحاوی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1231ھ) مراقی
الفلاح کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ: الْفَاسِقُ بِالْجَارِ حَتَّى لَا بِالْعَقِيدَةِ.

حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح: ص 204

ترجمہ: ”فاسق“ سے مراد اعمال کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت سے نکلنے والا شخص
ہے نہ کہ عقیدہ کے اعتبار سے۔

2: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) فرماتے ہیں:

”غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اس لیے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم“

امداد الفتاویٰ: ج 1 ص 304 باب الامامۃ والجماعۃ

3: مولانا مفتی عبدالرحیم لاچپوری رحمہ اللہ (ت 1422ھ) فرماتے ہیں:

”مقلدین وغیر مقلدین میں بہت سے اصولی و فروعی اختلاف ہیں مثلاً یہ لوگ صحابہ کو معیار حق نہیں مانتے۔ ائمہ اربعہ پر سب و شتم کرتے ہیں اور ان کی تقلید کو جس کے وجوب پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اس کو بدعت بلکہ بعض تو شرک تک کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح بہت سے اجماعی مسائل کے منکر ہیں، بیس رکعت تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں۔ وقوع طلاق ثلاثہ کو قرآن و حدیث کے خلاف کہتے ہیں۔ جمعہ کی اذان اول کو بدعت عثمانی کہتے ہیں۔ اور بعض تو چار سے زائد عورتوں سے نکاح کو جائز کہتے ہیں، متعہ کے جواز کے قائل ہیں اس لیے ہمارے اکابرین فرماتے ہیں کہ حتیٰ الوسع ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نماز جیسی اہم عبادت کو مشتبہ طور پر ادا کرنا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی تو احتیاطاً بعد میں اعادہ کر لے۔“

فتاویٰ رحیمیہ: ج 4 ص 183 باب الامامۃ والجماعۃ

4: مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ (ت 1422ھ) فرماتے ہیں:

”آج کل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذہب کا خیال نہیں رکھتی بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے، اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے اور اس کو ثواب سمجھتی ہے اس لیے ان کی اقتداء سے حتیٰ الامکان احتراز لازم ہے.... یہ

تفصیل اس وقت ہے جب امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو مشرک جانتا ہے اور سب سلف کرتا ہے [یعنی اکابرین امت کو گالیاں دیتا ہے] تو اس کی امامت بہر حال مکروہ تحریمی ہے۔“

احسن الفتاویٰ: ج 3 ص 282 باب الامامۃ والجماعۃ

5: دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ (Fatwa ID: 395-318/D=4/1435-U)

میں لکھا ہے:

”اگر غیر مقلد امام سوتی موزے پر مسح کرتا ہے یا تقلید کو شرک کہتا ہے یا ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند“

6: دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ (N=10/1433/798-787) میں لکھا ہے:

”جو غیر مقلد تقلید کو شرک، خلفائے راشدین کی جاری کردہ سنن کو بدعات اور ائمہ مجتہدین وغیرہم کے متعلق زبان درازیاں کرتا ہو وہ فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اور آج کل کے اکثر غیر مقلدین ایسے ہی ہوتے ہیں اس لیے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیے.... واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند“

7: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فتویٰ (نمبر

144202200404) میں لکھا ہے:

”بدعتی کی اقتدا میں نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کسی صحیح العقیدہ، متقی، پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے.... اگر کوئی شخص ایسی بدعات میں مبتلا ہو جو حد کفر و شرک تک پہنچی ہوئی ہوں اور اس میں تاویل معتبر نہ ہو، یا یقینی طور پر اس کے عقائد کا شرکیہ ہونا معلوم ہو تو ایسے بدعتی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہوگا۔“

اهل السنۃ والجماعۃ کے بعض عقائد کا بیان

وَلَا نَقُولُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَصُورُهُ الذُّنُوبُ وَلَا نَقُولُ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ النَّارَ وَلَا

نَقُولُ إِنَّهُ يَخْلُدُ فِيهَا وَإِنْ كَانَ فَاسِقًا بَعْدَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا

ترجمہ: ہمارا نظریہ یہ نہیں کہ گناہ کرنے سے مؤمن کو نقصان نہیں پہنچتا اور ہمارا نظریہ یہ بھی نہیں کہ مؤمن جہنم میں نہیں جائے گا اور یہ بھی نظریہ نہیں کہ مؤمن ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اگرچہ وہ فاسق ہو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دنیا سے حالت ایمان میں رخصت ہوا ہو۔

اهل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ مسلمان اگر گناہوں کا ارتکاب کرے تو سزا کا مستحق قرار پاتا ہے اور اپنے گناہوں کی بدولت جہنم میں جانا اس کا مقدر ٹھہرتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اپنا فضل و کرم فرماتے ہوئے اسے معاف فرمادیں اور اگر چاہیں تو قانونِ عدل سے اسے جہنم کی سزادیں۔ چونکہ یہ شخص صاحب ایمان ہے اس لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تو جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ اگر اپنی سزا پانے کے لیے جہنم میں چلا بھی گیا تو سزا مکمل ہونے کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل

کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَهْلَ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ كَبُورًا فَيَقُولُ اللَّهُ: أَذْهَبَ فَأَدْخِلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيَهَا فَيَخِيلُ إِلَيْهِ أَتَمَّهَا مَلَأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! وَجَدْتُهَا مَلَأَى فَيَقُولُ: أَذْهَبَ فَأَدْخِلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيَهَا فَيَخِيلُ إِلَيْهِ أَتَمَّهَا مَلَأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! وَجَدْتُهَا مَلَأَى فَيَقُولُ أَذْهَبَ

فَاَدْخِلِ الْجَنَّةَ فِائِكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشْرَةَ اَمْثَالِهَا اَوْ اِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشْرَةِ اَمْثَالِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ تَسْعَرُ مِثِّي اَوْ تَصْحَكُ مِثِّي وَاَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَاَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَحِيْحَكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَكَانَ يَقُوْلُ ذَاكَ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6571، صحیح مسلم: رقم الحدیث 186

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس آدمی کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں جو جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہو گا۔ ایک شخص ہو گا جو جہنم سے گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ شخص جنت کے قریب آئے گا لیکن اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے۔ تو وہ واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پھر فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ دوبارہ جنت کے قریب آئے گا اور اس بار بھی اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت بھری ہوئی ہے۔ وہ واپس جا کر عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! تمہیں دنیا اور اس جیسی دس گنا جنت دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ یوں فرمائیں گے کہ تمہیں دنیا کی طرح دس گنا دیا جاتا ہے۔ وہ شخص کہے گا: اے اللہ! آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں حالانکہ آپ تو مالک ہیں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی اور دند ان مبارک ظاہر ہو گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہو گا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہگار مسلمان جہنم میں سزا پانے کے بعد اس سے ضرور نکلے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔ اسے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کی سزا نہیں ملے گی۔

فرقہ مرجئہ سے براءت کا اعلان

وَلَا نَقُولُ إِنَّ حَسَنَاتِنَا مَقْبُولَةٌ وَسَيِّئَاتِنَا مَغْفُورَةٌ كَقَوْلِ الْمَرْجِيَّةِ وَلَكِنْ نَقُولُ مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً بَجِيعِ شَرَائِطِهَا خَالِيَةً عَنِ الْعُيُوبِ الْمُفْسِدَةِ وَلَمْ يُبْطِلْهَا بِالْكَفْرِ وَالرِّدَّةِ حَتَّى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يُضِيعُهَا بَلْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَيُثَبِّتُهَا عَلَيْهَا وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُونَ الشِّرْكِ وَالْكَفْرِ وَلَمْ يَتَّبِعْ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتَّى مَاتَ مُؤْمِنًا فِي مَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَلَمْ يُعَذِّبْ بِالنَّارِ أَصْلًا.

ترجمہ: ہمارا نظریہ یہ نہیں کہ ہماری نیکیاں قبول ہیں اور ہماری برائیاں معاف ہیں جیسا کہ فرقہ مرجئہ کا نظریہ ہے بلکہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ جو شخص بھی تمام شرائط قبولیت ملحوظ رکھتے ہوئے اور نیکیوں کو برباد کرنے والے عیوب سے بچتے ہوئے کوئی نیکی کرتا ہے اور کفر اور تدا سے اس نیکی کو ضائع نہیں کرتا تا آنکہ حالت ایمان میں دنیا سے چلا جاتا ہے تو اللہ اس کی نیکی کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ اس کی نیکی کو قبول فرما کر اسے ثواب عطا فرماتے ہیں۔ شرک اور کفر کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں اگر ان کا مرتکب توبہ کیے بغیر حالت ایمان میں فوت ہو جائے تو ایسے شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے معاف فرما دے اور جہنم کا عذاب بالکل نہ دے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

بندہ مومن حالتِ ایمان میں طاعات بجالائے تو اسے نفع حاصل ہوتا ہے اور اگر معاصی کا ارتکاب کرے تو اسے نقصان ہوتا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف ہر گز یہ نہیں کہ حالتِ ایمان میں نیک کام ضرور قبول ہوتے ہیں اور گناہ ضرور بخشے جاتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل:

[1]: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

سورۃ النساء: 48

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کو کبھی معاف نہیں کرتے کہ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے لیکن شرک کے علاوہ اور گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

”مَا دُونَ ذَلِكَ“ سے مراد شرک کے علاوہ گناہ ہیں۔ ”مَا“ کلمہ عام ہے جو کبار اور صغائر دونوں کو شامل ہے۔ معلوم ہوا کہ شرک کے بارے میں تو حتمی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائیں گے اور شرک کے علاوہ کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ معاف کرنا چاہیں تو معاف کریں گے اور اگر سزا دینا چاہیں تو سزا دیں گے۔ شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کے لیے معافی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کی چاہت پر موقوف رکھنا (لِمَنْ يَشَاءُ) اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ضرور ہوتے ہیں تبھی تو انہیں معاف کرنے یا ان پر عذاب دینے کا اعلان ہے۔ اگر یہ بالکل نقصان نہ دیتے تو معاف کرنے یا عذاب دینے کا کوئی معنی نہ ہوتا۔

[2]: ﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ﴾ (٤) الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (٥) الَّذِينَ

هُمْ يُرَآؤْنَ (٦) وَيَتَّبِعُونَ الْمَاعُونَ (٧) ﴿

سورۃ الماعون: 4 تا 7

ترجمہ: ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں، جو دکھلاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور استعمال کی چیز (عند الجمہور زکوٰۃ مراد ہے) مانگنے پر نہیں دیتے۔

نمازوں سے غفلت پر تنے اور زکوٰۃ نہ دینے پر ہلاکت کی وعید سنانا اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔

[3]: امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (ت 179ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ... قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُضَيَّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِغْفَافًا يَحْقِيقُهُنَّ كَانَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ."

موطا مالک: رقم الحدیث 400

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جو شخص یہ پانچ نمازیں پڑھے اور انہیں غیر اہم سمجھتے ہوئے ان کے حقوق کو ضائع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کو جنت عطا فرمائے گا، اور جو شخص ان نمازوں کو ادا نہ کرے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں، اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو اس کو جنت میں داخل فرمادے۔

[4]: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: "مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَا لَا فَلَهِ يُؤَدِّرْ كَوْنَهُ مُثَلَّ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَفْرَعًا لَهُ رَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلَهْزِمِيهِ - يَعْنِي شِدْقِيهِ - ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالِكٌ أَنَا كَنْزُكَ" ثُمَّ تَلَا "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ" (الْآيَةُ).

صحیح البخاری: رقم الحدیث 4564

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ نے مال دیا ہو پھر بھی وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے مال کو گننے سانپ کی شکل دی جائے گی جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ وہ سانپ اس شخص کے گلے کا طوق بن جائے گا پھر اس کی دونوں باجھوں کو پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ الْخ" (ترجمہ آیت: جو لوگ اس مال میں بخل سے کام لیتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے اچھی بات ہے بلکہ یہ ان کے لیے بری بات ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہو گا قیامت کے دن وہی مال ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔)

[5]: امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لِيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كِبِيرٍ"، ثُمَّ قَالَ: "بَلَى أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَى بِالنَّيْمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِأُتُنَتَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرِ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيَّسَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1378

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک ترٹھنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

پیشاب سے نہ بچنے اور چغلی کھانے کی وجہ سے عذاب قبر ہونا دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ہیں۔

[6]: امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2435

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا۔

کبیرہ گناہوں کے مرتکب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اگر گناہ بالکل نقصان نہ دیتے ہوں تو شفاعت غیر موثر ہو جائے گی کیونکہ پھر اس کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

فرقہ مرجئہ کا موقف:

بندے میں ایمان موجود ہو تو گناہ کرنا بالکل نقصان دہ نہیں ہوتا اگرچہ بندہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے مسلمان کبائر کا ارتکاب بھی کرے تب بھی سزا نہیں پاسکتا۔ حالت ایمان میں گناہ بالکل نقصان نہیں دیتے جیسے حالت کفر میں طاعت بالکل فائدہ نہیں دیتی۔

ان کے موقف کے بارے میں علماء کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَمِنْهُمْ مَنْ أَرَادَ تَأْخِيرَ الْقَوْلِ فِي الْحُكْمِ عَلَى مَنْ أَتَى الْكِبَائِرَ وَتَرَكَ الْفَرَائِضَ بِالنَّارِ لِأَنَّ الْإِيمَانَ عِنْدَهُمُ الْإِقْرَارُ وَالْإِعْتِقَادُ وَلَا يَضُرُّ الْعَمَلُ مَعَ ذَلِكَ.

مقدمہ فتح الباری: ص 646

ترجمہ: بعض کے ہاں ار جاء سے مراد گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فرائض کے تارک پر دخول فی النار کے حکم کو موخر کرنا ہے کیونکہ ان (مرجئہ) کے ہاں ایمان محض اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ ارتکاب کبیرہ اور ترک فرائض ایمان کے ہوتے ہوئے نقصان دہ نہیں۔

2: ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ الْمُرْجِئَةُ... هُمْ طَائِفَةٌ قَالُوا لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيمَانِ ذَنْبٌ كَمَا لَا يَنْفَعُ مَعَ الْكُفْرِ طَاعَةٌ فَرَعَمُوا أَنَّ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَا يِعَاقِبُ عَلَى شَيْئٍ مِنَ الْكِبَائِرِ.

منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر: ص 75

ترجمہ: مرجعہ ایسا فرقہ ہے جس کا اعتقاد یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان دہ نہیں جیسے کفر کی موجودگی میں طاعت کچھ فائدہ مند نہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی مسلمان کبیرہ گناہ کی وجہ سے سزا پایا ہی نہیں سکتا۔

3: شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ (ت 1371ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْإِرْجَاءُ الَّذِي يُعَدُّ بِدْعَةً فَهُوَ قَوْلُ مَنْ يَقُولُ لَا تَنْصُرُ مَعَ الْإِيمَانِ مَعْصِيَةً.

تانیب الخطیب: ص 45

ترجمہ: وہ ارجاء جو بدعت شمار ہوتا ہے وہ اس بات کا اعتقاد رکھنا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان دہ نہیں۔

فرقہ مرجئہ کے دلائل:

فرقہ مرجہ کا استدلال ان نصوص سے ہے جن میں محض کلمہ شہادت یعنی
تصدیق قلبی پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً

1: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضٌ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ
أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا
دَخَلَ الْجَنَّةَ. قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ. قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى
وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ. قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى
وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَعْمٍ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5827

ترجمہ: میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ایک سفید کپڑا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما

رہے تھے۔ (اس وقت میں واپس چلا آیا لیکن پھر) میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا (یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اقرار کیا) اور پھر وہ اسی حالت میں فوت ہوا تو ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے تیسری بار عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! خواہ ابوذر کونا گوار گذرے۔

2: عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا مُعَاذُ!"، قُلْتُ: لَبَّيْكَ، قَالَ: "بَيِّرِ النَّاسَ أَنََّّهُ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ".

المعجم الكبير للطبرانی: ج 14 ص 444 رقم الحديث 16509

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! میں نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو اس بات کی خوشخبری دے دو کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

3: عَنْ أَبِي حَرْبٍ بْنِ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِي، زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَسِمَعْتُهُ يَقُولُ: أُرْسَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِي: بَيِّرِ النَّاسَ أَنََّّهُ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ فَلَهُ

الْحُجَّةُ.

عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، ت 303ھ: رقم الحدیث 1110 ترجمہ: ابو حرب بن زید بن خالد الجہنی فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان سے سنا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام دے کر بھیجا کہ لوگوں کو اس بات کی خوشخبری دے دو کہ جس شخص نے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“ کہا تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

ان دلائل کے جوابات:

جواب نمبر 1:

جنت میں داخلے کی دو صورتیں ہیں:

دخولِ اوّلیٰ دخولِ مطلق

اس حدیث کا تعلق دخولِ مطلق کے ساتھ ہے، دخولِ اوّلیٰ کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی کلمہ گو مسلمان جنت میں ضرور جائے گا۔ اگر ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی بجالاتا رہا تو اوّلیٰ طور پر ہی جنت جائے گا اور اگر گناہ کا مرتکب ہوا اور توبہ کیے بغیر فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ چاہیں تو جنت میں دخولِ اوّلیٰ کے ساتھ ہی داخل ہو اور اگر چاہیں تو یہ سزا بھگتنے کے بعد داخل ہو۔

جواب نمبر 2:

ان جیسی روایات کا تعلق اس دور کے ساتھ ہے جب فرائض و احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس دور میں صرف تصدیق کافی سمجھی جاتی تھی۔

امام ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطلال القرطبی رحمہ اللہ

(ت 449ھ) لکھتے ہیں:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَسَلْيَمَانَ بْنِ يَسَارٍ، وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ ذَلِكَ كَانَ قَبْلَ نُزُولِ الْفَرَائِضِ.

شرح صحیح البخاری لابن بظال: ج 1 ص 208

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق فرائض کے نازل ہونے سے پہلے والے دور کے ساتھ ہے۔

جواب نمبر 3:

ان جیسی احادیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ کلمہ پڑھے اور اس کے حقوق اور فرائض کا خیال بھی رکھے تو جنت ضرور داخل ہوگا۔

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

وَمَعْنَاهُ: مَنْ قَالَ الْكَلِمَةَ وَأَدَّى حَقَّهَا وَفَرَّضَتْهَا. وَهَذَا قَوْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ.

شرح صحیح مسلم للنووی: ج 1 ص 219

ترجمہ: اس روایت کی مراد وہ شخص ہے جو کلمہ شہادت کہے پھر اس کے حقوق و فرائض بھی ادا کرے۔ یہ توجیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

جواب نمبر 4:

ان جیسی روایات کا مطلب یہ ہے کہ یہ بشارت اس شخص کے لیے ہے جو موت سے پہلے گناہوں سے توبہ کرے اور نادم ہو جائے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) ان احادیث کا

معنی یہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: هَذَا عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ قَبْلَهُ إِذَا تَابَ وَنَدِمَ وَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ غُفِرَ لَهُ.

صحیح البخاری: تحت رقم الحدیث 5827

ترجمہ: امام ابو عبد اللہ (بخاری) فرماتے ہیں: ان احادیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ موت کے وقت یا اس سے پہلے جب توبہ کرے، نادم ہو اور لا الہ الا اللہ کہے تب اس کی بخشش ہوگی۔

قبولیت اعمال کی شرائط:

قبولیت اعمال کی تین شرائط ہیں:

- 1: عقیدہ کا درست ہونا
- 2: عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقصود ہونا (یعنی عمل کا ریاکاری اور عجب سے پاک ہونا)
- 3: عمل کا سنت نبوی کے موافق ہونا۔

جواب نمبر 5: (بصورت رفع تعارض)

مر تکب کبیرہ کے لیے دو قسم کی روایات مروی ہیں: ایک وہ جن میں جنت جانے کا ذکر ہے اور دوسری وہ جن میں عذاب میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے۔ اگر مر تکب کبیرہ کے لیے یہ بات مان لی جائے کہ گناہ اسے کچھ نقصان نہیں دیتے تو اس موقف کا ان احادیث سے ٹکراؤ لازم آئے گا جن میں سزا کا ذکر ہے۔ اس لیے رفع تعارض کی بہترین صورت یہی ہے کہ یہ موقف اختیار کیا جائے کہ مر تکب کبیرہ ابتداءً جنت میں داخل نہیں ہو گا بلکہ اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد ہی جنت میں داخل ہو گا۔ اب تعارض باقی نہیں رہتا اور روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

ریا کاری اور خود پسندی کا نقصان

وَالْيَايُهَا إِذَا وَقَعَ فِي عَمَلٍ مِنَ الْأَعْمَالِ فَإِنَّهُ يُبْطِلُ أَجْرَهُ وَكَذَلِكَ الْعُجْبُ
ترجمہ: ریا کاری جب کسی عمل میں شامل ہو جائے تو اس کا اجر و ثواب ضائع کر دیتی ہے۔ یہی حال خود پسندی کا ہے۔

یہاں اعمال کے اجر و ثواب کو ضائع کرنے والی دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے:

ایک ریا اور دوسرا عجب

[۱]: ریا

بندہ اگر اعمالِ صالحہ کرے اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہ ہو بلکہ مقصود دکھلاوا اور ریا کاری ہو تو اس سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ اعمال کی قبولیت میں اخلاص شرط ہے کہ عمل میں خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو۔ جب اعمال میں ریا کاری کی آمیزش ہو گئی تو رضائے الہی مقصود ہی نہ رہی بلکہ مقصود کچھ اور بن گیا۔ تو جب اعمال کی قبولیت کی شرط ہی نہ رہی تو عمل مقبول ہی نہ ہو گا۔ اس لیے انسان کو اعمال کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ریا کاری سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔

(۱): ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ ثَرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۲۶۴)﴾

سورۃ البقرہ: ۲۶۴

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایزادے کر ضائع مت کرو! (یہ باطل کرنا اس طرح ہے) جس طرح وہ شخص ہے جو اپنا مال دکھلاوے کے لیے

خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو، اب اس پر اس قدر زور کا پانی پڑا (جس سے چٹان کی وہ مٹی ختم ہو گئی) تو بالکل پتھر ظاہر ہو کر رہ گیا (بالکل اسی طرح) یہ (ریاکار لوگ) اپنے اعمال کا کچھ حصہ بھی نہ پاسکیں گے۔ اللہ کافروں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ ایسے صدقات کا کچھ فائدہ نہیں جن کا مقصد لوگوں پر احسان جتلانا ہو اور انہیں تکلیف دینا ہو۔ یہ ایسے ہی ضائع ہو جاتے ہیں جس طرح منافق شخص کا مال ضائع ہو جاتا ہے جس کا مقصد رضائے الہی نہیں بلکہ دکھلاوا ہوتا ہے۔

(2): حضرت جناب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَمِعَ سَمِعَ اللَّهُ بِهِ وَمَنْ يُرَآئِي يُرَآئِي اللَّهُ بِهِ." صحیح البخاری: رقم الحدیث 6499

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر فرما دیں گے اور جو شخص دکھلاوے کے لیے عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوا کر دیں گے۔

[۲]: عجب

اعمال میں عجب یعنی خود پسندی پیدا ہو جائے تب بھی عمل ناقابل قبول ہو جاتا ہے۔ خود پسندی کبھی اپنی عقل و دانش دیکھ کر پیدا ہوتی ہے اور کبھی اپنے اعمال اور مقام و مرتبہ دیکھ کر ہوتی ہے۔ خود پسندی سے بھی عمل ختم ہو جاتا ہے۔

قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: الْهَلَاكُ فِي اثْنَتَيْنِ، الْفُتُوْطُ وَالْعُجْبُ.

الزواج عن اقتراف الکبائر لابن حجر المکی، ت 974ھ: ج 1 ص 186

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو چیزیں ایسی ہیں جو ہلاکت کا باعث بنتی ہیں: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور خود پسندی میں مبتلا ہونا!

معجزات، کرامات، استدراجات

وَالْآيَاتُ لِلْأَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتُ لِلْأَوْلِيَاءِ حَقٌّ وَأَمَّا الَّتِي تَكُونُ لِأَعْدَائِهِمْ مِثْلُ إِبْلِيسَ وَفِرْعَوْنَ وَالذَّجَالِ مِمَّا رُوِيَ فِي الْأَخْبَارِ أَنَّهُ كَانَ وَيَكُونُ لَهُمْ لَا نُسَبِّحُهَا آيَاتٍ وَلَا كَرَامَاتٍ وَلَكِنْ نُسَبِّحُهَا قَضَاءَ حَاجَاتِهِمْ وَذَلِكَ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقْضِي حَاجَاتِ أَعْدَائِهِ اسْتِدْرَاجًا لَهُمْ وَعُقُوبَةً لَهُمْ فَيَعْتَزُّونَ بِهِ وَيَزْدَادُونَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَكُلُّهُ جَائِزٌ مُمَكِّنٌ لَا يَسْتَحِيلُ.

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے لیے معجزات اور اولیاء کے لیے کرامات کا ظہور برحق ہے۔ جہاں تک ان (خرقِ عادت) امور کا تعلق ہے جو احادیث کے مطابق اللہ کے دشمنوں مثلاً ابلیس، فرعون اور دجال کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے یا ہوں گے تو ہم انہیں معجزات یا کرامات نہیں کہہ سکتے بلکہ ہم اس کو ان لوگوں کی حاجات اور ضروریات پورا کرنے کا نام دے سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ڈھیل اور سزا دینے کے لیے ان کی حاجات پوری کرتا ہے لیکن یہ لوگ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور سرکشی و کفر میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں (یعنی معجزات، کرامات اور استدراجات) بالکل ممکن الوقوع ہیں، محال نہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں تین امور کا ذکر فرمایا ہے:

- 1: معجزہ
- 2: کرامت
- 3: استدراج

ان کی تعریفات اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

فائدہ نمبر 1: معجزہ

”معجزہ“ کا لغوی معنی ہے ”عاجز کر دینا، مجبور کر دینا۔“

معجزہ کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ سید علی بن محمد الشریف

البحر جانی رحمہ اللہ (ت 816ھ) لکھتے ہیں:

الْمُعْجَزَةُ: أَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ دَاعٍ إِلَى الْخَيْرِ وَالسَّعَادَةِ مَقْرُونٌ بِدَعْوَى
النَّبُوَّةِ قُصِدَ بِهِ إِظْهَارُ صِدْقِ مَنْ ادَّعَى أَنَّهُ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ.

کتاب التعریفات للبحر جانی: ص 234

ترجمہ: معجزہ اس خلافِ عادت کام کو کہتے ہیں جو خیر و سعادت کی طرف بلاتا ہے، دعویٰ نبوت کرنے والی شخصیت سے ظاہر ہوتا ہے اور اس کا مقصد اس شخص کی سچائی کا اظہار کرنا ہوتا ہے جس کا دعویٰ ہوتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو پیغامِ حق دے کر لوگوں کے پاس بھیجتا ہے۔ کچھ لوگ پیغمبر علیہ السلام کی صداقت پر اعتقاد کرتے ہوئے ان پر ایمان لاتے ہیں اور بعض لوگ اس پیغمبر کی دعوت کا انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان منکرین اور معاندین کے سامنے اپنے پیغمبر کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے اس پیغمبر کے ہاتھ پر کچھ ایسی چیزیں ظاہر فرما دیتے ہیں جو عام عادت سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔ ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کار فرما ہوتی ہے۔ چنانچہ معجزہ کے ظہور کے بعد حق کے خواہاں لوگ پیغمبر کی بات قبول کر لیتے ہیں اور معاند اور ضدی لوگ پھر بھی انکار کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ گمراہی کی دلدل میں دھستے چلے جاتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2: انبیاء علیہم السلام کے چند معجزات

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو مختلف معجزات سے نوازا ہے جن کا

تذکرہ قرآن میں ملتا ہے۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

معجزہ حضرت صالح علیہ السلام؛ ناقہ

﴿وَيَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أََرْضِ اللَّهِ﴾

سورۃ ہود: 64

ترجمہ: (حضرت صالح علیہ السلام نے کہا) اے میری قوم! یہ اونٹنی تمہارے لیے اللہ کی طرف سے ایک نشانی (معجزہ) ہے۔

معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام؛ عصا

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ﴾

سورۃ البقرۃ: 60

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تھا تو ہم نے ان سے کہا تھا کہ اپنا عصا پتھر پر ماریں (انہوں نے مارا) تو اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

﴿فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ (۲۰)﴾

سورۃ طہ: 20

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کے کہنے پر موسیٰ علیہ السلام نے) عصا کو ڈال دیا تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ اسی وقت سانپ بن کر دوڑنے لگا۔

معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام

مٹی کے پرندے بنانا، اندھے کو بینا کرنا، کوڑھی کو تندرست کرنا، مردے کو زندہ کرنا۔

إِنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا

يَا ذِي اللَّهِ وَأُبْرِئِ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَى يَا ذِي اللَّهِ ﴿٤٩﴾

سورة آل عمران: 49

ترجمہ: میں تمہارے لیے گارے سے پرندے کی ایک شکل بنا دیتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے ایک پرندہ بن جاتا ہے، اسی طرح میں پیدائشی اندھے کو اور کوڑھ کے مریض کو درست کر دیتا ہوں اور مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کر دیتا ہوں۔

معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؛ قرآن کریم

﴿وَأِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ
وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (٢٣)

سورة البقرة: 23

ترجمہ: اگر تمہیں اس قرآن میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، کوئی شک ہے تو اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر لاؤ! اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہارے جتنے مددگار ہیں ان سب کو بلاو اگر تم سچے ہو تو!!

فائدہ نمبر 3: کرامت

علامہ سید علی بن محمد الشریف البحر جانی رحمہ اللہ (ت 816ھ) لکھتے ہیں:

ظُهُورُ أَمْرِ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ مِنْ قِبَلِ شَخْصٍ غَيْرِ مُقَارِنٍ لِّلِدَعْوَى النَّبُوَّةِ
إِشْرَاطٌ أَنْ يَكُونَ مَقْرُونًا بِالْإِيمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ.]

کتاب التعريفات للبحر جانی: ص 129

ترجمہ: خلافِ عادت کام کا ایسے شخص سے صادر ہونا جو دعویٰ نبوت نہ کرتا ہو
”کرامت“ کہلاتا ہے [بشرطیکہ یہ شخص صاحبِ ایمان ہو اور عملِ صالح بھی کرتا ہو۔]

جس طرح معجزات کا ظہور نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اسی طرح کرامت کا ظہور ”ولی“ کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ کرامت سے مقصود اس ولی کی تائید، اسے حق پر ثابت قدم رکھنا اور مخالفین کے سامنے اس کی قدر و منزلت کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر 4: اولیاء اللہ کی چند کرامات

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو مختلف کرامات سے نوازا ہے جن کا تذکرہ قرآن میں بھی ملتا ہے۔ چند ملاحظہ ہوں:

بے موسم پھل ملنا (کرامتِ حضرت مریم)

﴿كَلَّمَآدَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْبَحْرَابُ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ لَيْسَ لِي بِمَوْلَا هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾

سورۃ آل عمران: 37

ترجمہ: جس وقت بھی زکریا اس (مریم) کے پاس آتے تو اس کے پاس (بے موسم کے) پھل دیکھتے۔ انہوں (زکریا) نے فرمایا: اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ وہ بولیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

تین سو نو سال تک سوتے رہنا (کرامتِ اصحابِ کھف)

﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا﴾ (۲۵)

سورۃ الکہف: 25

ترجمہ: وہ اپنی غار میں تین سو سال اور نو سال اوپر کا عرصہ رہے۔

پلک جھپکنے کی مقدار میں تخت لے آنا (کرامتِ آصف بن برخیا)

ملکہ بلقیس کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ إِلَيْنَا طَرَفُكَ فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ﴾

سورۃ النمل: 40

ترجمہ: وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ (حضرت سلیمان سے) کہنے لگا: میں آپ کے پاس وہ تخت آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے لاتا ہوں۔ جب (حضرت سلیمان علیہ السلام نے) دیکھا تو اسے اپنے پاس پڑا ہوا پایا۔

فائدہ نمبر 5: ولی سے نہ مانگنا

اہل اسلام جب ولی کی کرامت کو دیکھتے ہیں تو ولی کے خدا سے مانگتے ہیں جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم کی کرامت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے مانگا اور اہل کفر جب ولی کی کرامت کو دیکھتے ہیں تو خود ولی سے مانگتے ہیں جیسے نصاریٰ؛ کہ وہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مانگتے ہیں۔

فائدہ نمبر 6: استدراج

علامہ سید علی بن محمد الشریف الجرجانی رحمہ اللہ (ت 816ھ) لکھتے ہیں:
مَا (أَجَى ظُهُورُ أَمْرِ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ) لَا يَكُونُ مَقْرُونًا بِالْإِيمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ يَكُونُ اسْتِدْرَاجًا.

کتاب التعریفات للجرجانی: ص 129

ترجمہ: خلافِ عادت کام کا ایسے شخص سے صادر ہونا جو ایمان اور عمل صالح سے متصف نہ ہو ”استدراج“ کہلاتا ہے۔

جب کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتی ہے، احکاماتِ الہیہ کو پس پشت ڈالتی ہے اور گناہوں اور سرکشی میں اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ توبہ اور فرمانبرداری کا نام

تک نہیں لیتی تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر ایسے لوگوں کو فوراً نہیں پکڑتے بلکہ انہیں ڈھیل دے دیتے ہیں۔ ان پر کچھ مدت کے لیے اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ بسا اوقات ایسے لوگوں کو طرح طرح کی کامیابیوں سے بھی نوازتے ہیں جسے دیکھ کر یہ لوگ زیادہ غرور اور غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ”استدراج“ ہے۔ استدراج کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے اندر کی خباثت پوری طرح ظاہر ہو جائے اور جو نافرمانی وہ کرنا چاہتے ہیں کر گزریں۔

نتیجہً ان لوگوں کو اپنی بد اعتقادی اور بد عملی پر تنبیہ نہیں ہو پاتی، یہ لوگ غفلت میں پڑے رہتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اچانک انہیں عذاب میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِآثَارِهِمْ أَخَذْنَاهُم بِغَيْتَةٍ ۖ فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ (۴۴)﴾

سورۃ الانعام: 44

ترجمہ: جب ان لوگوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر طرح کی خوشحالی کے دروازے کھول دیے، یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں پر اترانے لگے جو انہیں دی گئی تھیں تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا، نتیجہً وہ لوگ مایوس ہو کر رہ گئے۔

فائدہ نمبر 7: چند استدراجات

چند استدراجات نقل کیے جاتے ہیں:

(1): ابلیس کو استدراج

﴿قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ (۱۴) قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ (۱۵)﴾

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٦﴾

سورة الاعراف: 14 تا 16

ترجمہ: ابلیس بولا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دیجیے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا! تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس کہنے لگا کہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اب میں بھی آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھ کر آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا۔

(2): فرعون کو استدراج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يُقَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ۚ أَفَلَا تَبْصُرُونَ ﴿٥١﴾﴾

سورة الزخرف: 51

ترجمہ: فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے میری قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں؟ اور یہ جو نہریں میرے (حکم کے) تحت چلتی ہیں! کیا تمہیں یہ چیزیں نظر نہیں آتیں؟!

اس جملہ ”تَجْرِي مِن تَحْتِي“ کی تفسیر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (ت 110ھ) سے منقول ہے جسے امام حسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی رحمہ اللہ (ت 510ھ) نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے:

وَقَالَ الْحَسَنُ: بِأَمْرِي.

تفسیر البغوی: ج 7 ص 217 تحت قولہ تعالیٰ ”وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ“ سورة الزخرف: 51

ترجمہ: فرعون کہتا تھا کہ دریا (یعنی دریائے نیل) میرے حکم سے چلتا ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) لکھتے

ہیں:

كَانَ يَأْمُرُ النَّيْلَ فَيَجْرِي عَلَى وَفْقِ حُكْمِهِ كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ سُبْحَانَهُ حِكَايَةً
عَنْهُ بِقَوْلِهِ "أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ مِصْرَ وَ هَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا
تُبْصِرُونَ"

مُنْخِ الرُّوضِ الْأَزْهَرِ فِي شَرْحِ الْفُقْهَةِ الْاَكْبَرِ: 171

ترجمہ: فرعون دریائے نیل کو حکم کرتا تو وہ اس کے حکم کے مطابق چلنے لگتا تھا جیسا کہ اس بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ فرمایا ہے کہ (فرعون نے اپنی قوم سے کہا): کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں؟ اور یہ جو نہریں میرے (حکم کے) تحت چلتی ہیں!

(3): دجال کو استدراج

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

"أَنْذَرْتُكُمْ الْمَسِيحَ وَهُوَ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ" - قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ
الْيَسْرِيُّ- يَسِيرُ مَعَهُ جِبَالُ الْخُبْزِ وَأَنْهَارُ الْمَاءِ عَلَامَتُهُ يَمُكُّثُ فِي الْأَرْضِ
أَرْبَعِينَ صَبَاحًا يَبْلُغُ سُلْطَانُهُ كُلَّ مَنَهْلٍ لَا يَأْتِي أَرْبَعَةَ مَسَاجِدَ، الْكَعْبَةَ
وَمَسْجِدَ الرَّسُولِ وَالْمَسْجِدَ الْأَقْصَى وَالطُّورَ.

مسند احمد: ج 16 ص 520 رقم الحدیث 22984

ترجمہ: میں نے تمہیں مسیح دجال سے ڈرایا تھا۔ اس کی ایک آنکھ خراب ہے، جو برابر کر دی گئی ہے یعنی مسخ کی ہوئی آنکھ والا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بائیں آنکھ کے متعلق ارشاد فرمائی تھی۔ اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ دجال کی علامت یہ ہوگی کہ وہ

زمین میں چالیس دن رہے گا اور ہر جگہ جائے گا سوائے چار مسجدوں کے۔ وہ چار مسجدیں یہ ہیں؛ کعبہ، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ اور مسجد طور۔

فائدہ: ”کعبہ“ سے مراد مسجد حرام ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ ”مسجد رسول“ سے مراد مسجد نبوی ہے جو مدینہ منورہ میں ہے۔ ”مسجد اقصیٰ“ سے مراد مسلمانوں کا قبلہ اول ہے جو فلسطین کے دارالحکومت بیت المقدس میں واقع ہے۔ اس پر آج کل اسرائیل کا قبضہ ہے۔ ”مسجد طور“ وہ مسجد ہے جو مصر میں موجود کوہ طور کے قریب واقع ہے۔ کوہ طور وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ موجودہ جغرافیہ کے مطابق یہ پہاڑ مصر کے صحرائے سیناء کے علاقے میں واقع ہے۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَالِ فَكَانَ فِيهِمَا حَدَّثَنَا بِهِ أَنْ قَالَ يَا بَنِي الدَّجَالِ وَهُوَ مُرْمَرٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ بَعْضُ السَّبَاخِ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَالُ الَّذِي حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ فَيَقُولُ الدَّجَالُ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُ هَذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشْكُونُ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ: لَا! فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ حِينَ يُحْيِيهِ: وَاللَّهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ، فَيَقُولُ الدَّجَالُ: أَقْتُلْهُ فَلَا أُسَلِّطُ عَلَيْهِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1882

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دجال مدینہ منورہ کی ایک کھاری زمین تک پہنچے گا لیکن اس پر مدینہ میں داخل ہونا حرام ہو گا۔ اس دن ایک شخص اس دجال کی طرف نکل کر اس کے سامنے آئے گا۔ یہ شخص لوگوں میں سب سے بہترین شخص ہو گا یا (یہ فرمایا کہ) یہ شخص بزرگ ترین لوگوں میں سے ہو گا۔ یہ شخص دجال کو کہے گا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ دجال لوگوں سے کہے گا: کیا میں اسے قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو تم لوگوں کو میرے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جائے گا؟ لوگ (جو اس کے حواری ہوں گے) کہیں گے: ہمیں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت دجال اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا۔ جب دجال اسے زندہ کرے گا تو وہ شخص کہے گا: قسم بخدا! اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ تو وہی دجال ہے۔ دجال کہے گا: لاؤ! میں اسے پھر قتل کرتا ہوں لیکن اس مرتبہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

خالقیت و رازقیت باری تعالیٰ

وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى خَالِقًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ وَرَازِقًا قَبْلَ أَنْ يَرْزُقَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھے اور مخلوق کو رزق دینے سے پہلے بھی رازق تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کے خالق اور رازق

ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، اب یہاں تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔

دیدارِ باری تعالیٰ

وَاللّٰهُ تَعَالٰی یُرِیْ فِی الْاٰخِرَةِ وَاَیْرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ فِی الْجَنَّةِ بِأَعْیُنٍ رُّوُّوْ سِہْمٍ بِلَا تَشْبِیْہٍ وَلَا کَیْفِیَّةٍ وَلَا یَکُوْنُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ خَلْقِهِ مَسَافَةٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا آخرت میں دیدار ہو گا۔ اہل ایمان جنت میں رہ کر اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو بلا تشبیہ و بلا کیفیت دیکھیں گے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی مسافت نہ ہوگی۔

اہل السنۃ والجماعہ کا موقف ہے کہ آخرت میں مومنین اللہ رب العزت کے دیدار سے سرفراز ہوں گے۔

علمائے امت کا موقف:

(1): امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی رحمہ اللہ (ت 321ھ)

وَالرُّؤْیَةُ حَقٌّ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ وَلَا كَيْفِیَّةٍ.

عقیدۃ الطحاویۃ مع الشرح لتکلم الاسلام: ص 63

ترجمہ: اہل جنت کا اللہ تعالیٰ کو بغیر احاطہ اور بغیر کیفیت کے دیکھنا برحق ہے۔

(2): امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الیہقی رحمہ اللہ (ت 458ھ)

نے چند آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے رویت باری تعالیٰ کو ثابت کیا اور یہ باب قائم فرمایا:

”بَابُ الْقَوْلِ فِي اثْبَاتِ رُؤْيَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْآخِرَةِ“

کتاب الاعتقاد: ص 58

(3): حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی

شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) رویت باری تعالیٰ کی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

قَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ، وَجَرِيرٍ، وَصَهْبِيبٍ، وَبِلَالٍ وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرَوْنَ اللَّهَ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ.

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 3 ص 309 لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ترجمہ: حضرت ابوسعید الخدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت جریر، حضرت صہیب، حضرت بلال اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث تواتر سے مروی ہے کہ ایمان والوں کو آخرت میں دیدار الہی نصیب ہو گا۔

(4): حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی رحمہ اللہ (ت 855ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ أَهْلُ الْحَقِّ: يَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ دُونَ الْكُفَّارِ.

عمدة القاری: ج 16 ص 631 بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَجُوهٌ يُؤْمِنُونَ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ ترجمہ: اہل حق کا کہنا ہے کہ مؤمنین کو قیامت کے دن دیدار الہی نصیب ہو گا جبکہ یہ شرف کفار کو نہ ملے گا۔

(5): شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (ت 1369ھ) فرماتے ہیں:

”قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔ گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔“

تفسیر عثمانی: ج 2 ص 834 تحت الْآيَةِ وَجُوهٌ يُؤْمِنُونَ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ سورة القيامة: 22، 23 ترجمہ: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

(6): جنت میں اہل ایمان کے لیے دیدار خداوندی برحق ہے... آخرت کی اس رویت اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

چند دلائل پیش خدمت ہیں:

دلیل نمبر 1:

﴿وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (۲۲) إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۲۳)﴾

سورۃ القیامۃ: 22، 23

ترجمہ: اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

علامہ فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی رحمہ اللہ (ت 606ھ) اس آیت کو اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِعْلَمُ أَنَّ جُمْهُورَ أَهْلِ السُّنَّةِ يَتَمَسَّكُونَ بِهَذِهِ الْآيَةِ فِي إِثْبَاتِ أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرَوْنَ اللَّهَ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

التفسیر الکبیر للرازی: ج 30 ص 200

ترجمہ: جان لیجیے کہ جمہور اہل السنۃ اس آیت کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤمنین قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

دلیل نمبر 2:

﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾

سورۃ یونس: 26

ترجمہ: جن لوگوں نے اچھے کام کیے تو بہترین حالت انہی کی ہوگی اور اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!

اس آیت میں موجود الفاظ "حُسنی" اور "زیادۃ" کی تفسیر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "جنت" اور "زیارت باری تعالیٰ" سے فرمائی ہے۔
علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ (ت 911ھ) ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُنَادِيًا يُنَادِي: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ أَوْلَاهُمْ وَآخِرُهُمْ - إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ الْحُسْنَى وَزِيَادَةً فَالْحُسْنَى الْجَنَّةُ وَالزِّيَادَةُ النَّظَرُ إِلَى وَجْهِ الرَّحْمَنِ.

تفسیر الدر المنثور للسیوطی: ج 3 ص 574

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک منادی سے بلند آواز میں یہ اعلان کروائے گا کہ اے جنت والو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جو "حُسنی" اور "زیادۃ" کا وعدہ فرمایا تھا تو وہ حُسنی جنت ہے اور زیادۃ: رحمن کا دیدار ہے۔

دلیل نمبر 3:

﴿عَلَى الْأَرْآئِكَ يَنْظُرُونَ﴾ (۲۳)

سورۃ المطففین: 23

ترجمہ: (جنتی) آرام دہ نشستوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے۔
حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"عَلَى الْأَرْآئِكَ يَنْظُرُونَ" أَيْ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.

تفسیر ابن کثیر: ج 6 ص 417

ترجمہ: جنتی لوگ آرام دہ نشستوں پر بیٹھ کر اللہ رب العزت کا دیدار کریں گے۔

دلیل نمبر 4:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: "أَمَّا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَيْهِ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 573

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ علیہ السلام نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا: تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے نور و جمال کو دیکھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔

اشکال: اہل السنۃ والجماعۃ تو اللہ تعالیٰ کی رویت کو بغیر تشبیہ کے مانتے ہیں جبکہ اس حدیث میں تو رویت کو چاند کے دیکھنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جواب: یہاں رویت باری تعالیٰ کو ”نظر الی القمر“ سے تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح تم لوگ چاند کو دیکھتے ہو تو تمہیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ چاند ہی ہے، تمہیں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوتا بالکل اسی طرح جب تم لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں، تمہیں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہو گا۔

دلیل نمبر 5:

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ)

روایت کرتے ہیں:

عَنْ صَهْبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وَجُوهَنَا أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ، فَمَا أُعْظُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 181

ترجمہ: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے: اگر تم لوگ کوئی اور نعمت چاہتے ہو تو میں تمہیں عطا کر دوں؟ جنتی لوگ عرض کریں گے: یا اللہ! کیا آپ نے ہمارے چہرے بارونق نہیں فرمائے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا دوزخ سے ہمیں نجات نہیں بخشی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹائیں گے تو جنت والوں کو کوئی ایسی نعمت نہیں دی گئی جو ان کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب ہوگی۔

سوال: رویت باری تعالیٰ کا عقیدہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ﴾

سورۃ الانعام: 103

ترجمہ: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے۔

جواب: احادیث میں جو رویت ثابت ہے وہ ”رویت بدون الاحاطہ“ ہے یعنی دیدار باری تعالیٰ تو ہو گا لیکن حق تعالیٰ شانہ کی ذات اور صفات کے کلی احاطہ کے بغیر ہو گا اور آیت میں جس رویت کی نفی ہے وہ ”رویت بالاحاطہ“ ہے یعنی باری تعالیٰ کو ذات و صفات کے احاطہ کے ساتھ دیکھنا ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن حسین الرازی الشافعی رحمہ اللہ
(ت 606ھ) لکھتے ہیں:

الْمَرْئِيُّ إِذَا كَانَ لَهُ حَدٌّ وَنِهَائِيَّةٌ وَأَدْرَكَهُ الْبَصَرُ بِمَجْمُوعِ حُدُودِهِ وَجَوَائِبِهِ
وَنِهَائِيَّاتِهِ صَارَ كَأَنَّ ذَلِكَ الْإِبْصَارَ أَحَاطَ بِهِ فَتَسَمَّى هَذِهِ الرَّؤْيِيَةُ إِدْرَاكًَا كَمَا إِذَا لَمْ
يُحِطِ الْبَصَرُ بِمَجَوَائِبِ الْمَرْئِيِّ لَمْ تَسَمَّ تِلْكَ الرَّؤْيِيَةُ إِدْرَاكًَا فَالْحَاصِلُ أَنَّ الرَّؤْيِيَةَ
جِنْسٌ تَحْتَهَا نَوْعَانِ: رُؤْيِيَّةٌ مَعَ الْإِحَاطَةِ وَرُؤْيِيَّةٌ لَا مَعَ الْإِحَاطَةِ وَالرُّؤْيِيَّةُ مَعَ
الْإِحَاطَةِ هِيَ الْمُسَمَّاةُ بِالْإِدْرَاكِ فَتَقْعَى الْإِدْرَاكُ يُفِيدُ نَفْيَ نَوْعٍ وَاحِدٍ مِنْ نَوْعِي
الرُّؤْيِيَّةِ وَنَفْيَ النَّوْعِ لَا يُوجِبُ نَفْيَ الْجِنْسِ فَلَمْ يَلْزَمْ مِنْ نَفْيِ الْإِدْرَاكِ عَنِ اللَّهِ
تَعَالَى نَفْيُ الرُّؤْيِيَّةِ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى.

التفسير الكبير: ج 13 ص 104 لَا تُدْرِكُهُ الْإِبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْإِبْصَارَ سورة الانعام: 103

ترجمہ: دیکھی جانے والی چیز کی جب حد اور انتہاء ہو اور دیکھنے والی نظر تمام حدود،
اطراف اور انتہاؤں کو گھیر لے تو گویا اس نظر نے اس چیز کو گھیر لیا۔ اس دیکھنے کو
”ادراک“ کہا جاتا ہے، لیکن جب نظر؛ دیکھی جانے والی چیز کے اطراف کا احاطہ نہ
کرے تو اس دیکھنے کا نام ”ادراک“ نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ”دیکھنا“ ایک جنس ہے
جس کے نیچے دو انواع ہیں، ایک دیکھنا احاطے کے ساتھ اور دوسرا دیکھنا بلا احاطہ کیے،
صرف احاطے والے دیکھنے کو ”ادراک“ کہا جاتا ہے۔ اس لیے ادراک کی نفی سے دیکھنے
کی ایک قسم کی نفی ثابت ہوئی اور ایک نوع کی نفی سے جنس کی نفی نہیں ہوتی۔ لہذا اللہ
کے ادراک کی نفی سے اللہ کے دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی۔

تو اس آیت میں ”ادراک“ کی نفی ہے، ”رؤیت“ کی نفی نہیں ہے۔

فائدہ: معراج کے موقع پر دیدارِ خداوندی

اہل ایمان کو رؤیت باری تعالیٰ کی نعمت توجنت میں ملے گی لیکن امام الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اسی زندگی میں عطا فرمائی ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 671ھ)

لکھتے ہیں:

وَإِلَىٰ هَذَا ذَهَبَ الشَّيْخُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى اللَّهَ بِبَصَرِهِ وَعَيْنَيْهِ رَأْسَهُ. وَقَالَ أَنَسُ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَعَدْرِمَةُ وَالزَّبَّيْنِيُّ وَالْحَسَنُ.

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج 1 ص 1219 لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ

ترجمہ: امام ابو الحسن اشعری اور ان کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت کا یہی موقف ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہی موقف حضرت انس، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، زبیع اور حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

فَالْحَاصِلُ أَنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ بِعَيْنَيْهِ رَأْسَهُ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ لِحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهِ.

شرح صحیح مسلم للنووی: ج 1 ص 312

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے ہاں راجح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر روایات سے ثابت ہے۔

دلائل:

دلیل نمبر 1:

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ

(ت 911ھ) روایت نقل فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ".

الخصائص الكبرى للسيوطي: ج 1 ص 267

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

دلیل نمبر 2:

امام ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الحائق البصری المعروف البزار رحمہ اللہ (ت 292ھ) روایت فرماتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَفُتِحَ لِي بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ وَرَأَيْتُ النُّورَ الْأَعْظَمَ.

مسند البزار: ج 14 ص 10 رقم الحديث 7389

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (طویل حدیث معراج نقل کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور میں نے (آگے جا کر) نورِ اعظم (اللہ تعالیٰ کے نور) کو دیکھا ہے۔

دلیل نمبر 3:

عَنْ أَنَسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى.

مسند البزار: ج 13 ص 426 رقم الحديث 7165

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

دلیل نمبر 4:

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

وَحَكَّى ابْنُ إِسْحَاقَ أَنَّ مَرْوَانَ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ: هَلْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ!

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج 1 ص 1219 لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ترجمہ: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا: ”ہاں“

دلیل نمبر 5:

امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی رحمہ اللہ (ت 211ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الْمُبَارَكِ بْنِ فَضَالَةَ قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ يَخْلِفُ بِاللَّهِ ثَلَاثَةً لَقَدْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ.

التفسير لعبد الرزاق: ج 3 ص 252

ترجمہ: مبارک بن فضالہ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

اشکال نمبر 1:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔

امام ابوالحسن مسلم بن حجاج النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ يَا أَبَا عَائِشَةَ! ثَلَاثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ قُلْتُ: مَا هُنَّ؟ قَالَتْ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ. قَالَ: وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ: يَا أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ! أَنْظِرِيْنِي وَلَا تَعْجَلِيْنِي أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ "وَلَقَدْ رَأَاهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ" "وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَى" فَقَالَتْ: أَنَا أَوَّلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّمَا هُوَ جَبْرِيلُ لَمْ أَرَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمَ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَقَالَتْ: أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَى حَكِيمٍ" قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ وَاللَّهُ يَقُولُ "يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ" وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُخْبِرُ بِمَا يَكُونُ فِي غَدٍ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ وَاللَّهُ يَقُولُ "قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ"

ترجمہ: حضرت مسروق (بن اجدع تابعی) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے مجھے فرمایا: اے ابو عائشہ! (یہ مسروق تابعی کی کنیت ہے) تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے ان میں سے کوئی ایک بھی کہی تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے دریافت کیا: امی جان! وہ تین باتیں کون سی ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھا لیکن (آپ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سنتے ہی) سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور میں نے ان سے عرض کیا: اے ام المؤمنین! مجھے بات کرنے دیجیے اور جلدی نہ فرمائیے! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا ہے، اور کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے اسے ایک بار اترتے ہوئے دیکھا ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو تو دیکھا ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: میں اس امت میں سب سے پہلی ہوں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، میں نے انہیں ان کی اصلی شکل میں جس میں وہ پیدا کیے گئے ہیں، صرف دو مرتبہ دیکھا ہے، میں نے انہیں دیکھا جب وہ آسمان سے اتر رہے تھے، اس وقت ان کی بڑی جسامت نے آسمان اور زمین کے درمیان خلاء کو بھر دیا تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (اے ابو عائشہ!) کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سنی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”آنکھیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے، اور وہ باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔“ اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: ”اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (رو برو) کلام فرمائے، اللہ تعالیٰ کا کلام یا تو وحی کے ذریعے

ہوتا ہے یا پردے کے پیچھے ہوتا ہے یا وہ کسی پیغام لانے والے (یعنی فرشتے) کو بھیج دیتا ہے اور وہ آنے والا (فرشتہ) اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بلند و بالا مقام کا مالک اور حکیم ذات ہے۔ “آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کچھ چھپالیا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے پیغمبر! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (اس کا مطلب یہ ہوا کہ) آپ نے فریضہ رسالت ادا نہیں کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید فرمایا: جو شخص یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی خبر دیتے تھے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آپ فرما دیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں پائے جانے والے غیب کو نہیں جانتا۔

جواب نمبر 1:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے موقف پر حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ آیت "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ" سے استدلال فرمایا ہے اور یہاں اس آیت میں ”ادراک“ کی نفی ہے جو کہ رؤیت بالاحاطہ ہے۔ رؤیت بالاحاطہ سے رؤیت بدون الاحاطہ کی نفی نہیں ہوتی۔

چنانچہ علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) فرماتے ہیں:

فَأَمَّا احْتِجَاجُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ" فَجَوَابُهُ ظَاهِرٌ، فَإِنَّ الْإِدْرَاكَ هُوَ الْإِحَاطَةُ وَاللَّهُ تَعَالَى لَا يُحَاطُ بِهِ، وَإِذَا

وَرَدَ النَّصُّ بِنَفْيِ الْإِحَاطَةِ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ نَفْيُ الرُّؤْيَا بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ.

شرح صحیح مسلم للنووی: ج 1 ص 312

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو آیت "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" کو دلیل بنایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں "ادراک" کا معنی "احاطہ کرنا" ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ تو آیت میں "احاطہ کرنے" کی نفی منقول ہے، اس سے بغیر احاطہ کے دیکھنے کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔

حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی رحمہ اللہ (ت 855ھ)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متدل "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

الْمُرَادُ بِالْإِدْرَاكِ الْإِحَاطَةُ وَنَفْيُ الْإِحَاطَةِ لَا يَسْتَلْزِمُ نَفْيَ نَفْسِ
الرُّؤْيَا وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَا يُحِيطُ بِهِ.

عمدة القاری: ج 10 ص 589

ترجمہ: "ادراک" سے مراد ایسا دیکھنا ہے جس میں کسی کو احاطہ کے ساتھ (یعنی تمام اطراف سے) دیکھنا پایا جائے، اس لیے احاطہ کے ساتھ دیکھنے کی نفی کرنے سے مطلق دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت منقول ہے وہ ایسی نہیں جس میں احاطہ کے ساتھ دیکھنا ہو۔

اس لیے دونوں میں منافات نہیں!

جواب نمبر 2:

جب دو صحابہ میں اختلاف ہو اور ایک صحابی قرآن مجید سے استدلال کرے اور دوسرا صحابی اس سے اختلاف کرے تو اس آیت سے مستنبط قول بالاتفاق حجت نہیں ہوتا بلکہ اس مستنبط قول کے علاوہ دیگر قرائن سے آیت کا معنی متعین کیا جائے گا۔

علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) فرماتے ہیں:

لَإِنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَمْ تُخْبِرْ أَنَّهَا سَمِعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَمْ أَرِ رَبِّي، وَإِنَّمَا ذَكَرْتُ مُتَأَوِّلَةً... لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ" وَالصَّحَابِيُّ إِذَا قَالَ قَوْلًا وَخَالَفَهُ غَيْرُهُ مِنْهُمْ لَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ حُجَّةً.

شرح صحیح مسلم للنووی: ج 1 ص 312

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ نہیں فرمایا کہ ”میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا!“ بلکہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمان باری تعالیٰ ”لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ“ سے استدلال کیا اور صحابی جب (آیت سے استدلال کرتے ہوئے) کوئی بات پیش کرے اور کسی دوسرے صحابی کا قول اس کے خلاف ہو تو اس صحابی کا (جس نے آیت سے استدلال کیا ہو) قول حجت نہیں بنتا۔

ما قبل میں آیت کا معنی متعین کیا گیا کہ یہاں ادراک کی نفی ہے، روایت کی نہیں اور روایت خود احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے اس لیے روایت کے موقف کو ترجیح دی گئی۔

اشکال نمبر 2:

ایک روایت میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: "نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 261

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ تو نور تھا اور میں نور کو کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

جواب:

سائل کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت رب کو دیکھا ہے؟ یعنی کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار ادراک کے ساتھ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نُورٌ أَظْنَىٰ أَرَاكَ“ کہ اللہ تعالیٰ تو ایک نور ہے۔ میں نور محض کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کیسے کر سکتا ہوں؟ تو سوال ذات باری تعالیٰ کی حقیقت اور رویت بالادراک کے متعلق تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی ذات کا کوئی احاطہ کر سکتا ہے۔

ایمان کی تعریف

وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ وَالتَّصْدِيقُ.

ترجمہ: ایمان؛ اقرار اور تصدیق کا نام ہے۔

”ایمان“ دراصل ”تصدیق قلبی“ یعنی دل سے ماننے کا نام ہے۔ زبان سے اقرار کرنا ایمان کا رکن اصلی نہیں بلکہ ایمان کی علامت اور اجرائے احکام کے لیے شرط ہے۔ بالفاظ دیگر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان اجراء احکام کے لیے شرط ہے۔ تصدیق چونکہ ایک باطنی اور پوشیدہ امر ہے اس لیے اس کا علم زبان سے اظہار کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ اسی بات کا تذکرہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے الفقہ الاکبر کی ابتداء میں ان الفاظ سے فرمایا:

أَصْلُ التَّوْحِيدِ وَمَا يَصِحُّ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ يَجِبُ أَنْ يَقُولَ: أَمَنْتُ بِاللَّهِ

وَمَلَايِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَيْرُهُ
وَشَرُّهُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَالْحِسَابِ وَالْهَيْزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقُّ كُلُّهُ.

ترجمہ: توحید کی بنیاد اور ان چیزوں کا بیان جن کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ
ہر بندے پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں اللہ پر ایمان لایا

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں ”وَمَا يَصِحُّ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ“ سے
مراد تصدیق قلبی ہے کہ ان امور پر دل سے یقین رکھنا ضروری ہے اور ”يَجِبُ أَنْ
يَقُولَ“ سے مراد اقرار لسانی ہے کہ زبان سے بھی ان کا اظہار کرنا لازم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا اور زبان سے اقرار

1: زندگی میں ایک بار کرنا فرض ہے

2: بوقت ضرورت کرنا فرض ہے

3: اجراء احکام کے لیے کرنا فرض ہے

اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

لفظ ”تصدیق قلبی“ ہی ایمان کا رکن اصلی ہے، زبان سے اقرار کرنا ایمان کی
شرط ہے۔ اعمال ظاہرہ سرانجام دینا یہ نفس ایمان کے رکن اصلی نہیں ہیں البتہ مکمل
ایمان ضرور ہیں۔ اقرار اور اعمال صالحہ؛ ایمان کے اجزاء نہیں ہیں۔

دلائل:

[1]: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا

خَالِدُونَ﴾ (۸۲)

سورۃ البقرۃ: 82

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہ جنتی ہیں، جنت میں

ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی رحمہ اللہ (ت 606ھ) لکھتے ہیں:

وَهَاهُنَا مَسَائِلُ: الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى: الْعَمَلُ الصَّالِحُ خَارِجٌ عَنْ مُسَمًّى الْإِيمَانِ لِأَنَّهُ تَعَالَى قَالَ "وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" فَلَوْ كَلَّ الْإِيمَانُ عَلَى الْعَمَلِ الصَّالِحِ لَكَانَ ذِكْرُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ بَعْدَ الْإِيمَانِ تَكْرَارًا.

التفسير الكبير للرازي: ج 3 ص 584

ترجمہ: اس مقام پر کئی مسئلے قابل بیان ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عمل صالح، ایمان کے مسمیٰ سے خارج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: "وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" اگر ایمان سے عمل صالح مراد ہو سکتا تو ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر کرنا تکرار ہو گا۔ (معلوم ہوا کہ ایمان سے مراد عمل صالح نہیں)

[2]: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۰۶)﴾

سورة النحل: 106

ترجمہ: جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے۔ وہ نہیں جسے زبردستی (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لیے کھول دیا ہو۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے غضب نازل ہو گا اور ان کے لیے زبردستی عذاب تیار ہے۔

اس آیت میں ایمان کے ساتھ فقط دل کے اطمینان کا ذکر ہے، لسان اور اعضاء و جوارح کا ذکر نہیں کیا گیا۔

[3]: ﴿أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ﴾

سورۃ المجادلہ: 22

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو نقش فرما دیا ہے۔

[4]: امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ، فَصَبَّحْنَا الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ، فَأَذْرَكْتُ رَجُلًا فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَطَعَنَتْهُ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ، فَاذْكُرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَتَلْتَهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السَّلَاحِ، قَالَ: أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟ فَمَا زَالَ يُكْرِرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمَيَّنَيْتُ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 190

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا۔ ہم قبیلہ جہینہ کی شاخ ”حُرَقَات“ کے پاس صبح جا پہنچے۔ میں نے ایک آدمی کو وہاں پھرتے ہوئے پایا تو اس نے (مجھے دیکھتے ہی) لا الہ الا اللہ کہا۔ میں نے اسے ایک برچھی سے قتل کر دیا۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی (کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اس لیے اسے نہیں مارنا چاہیے تھا) میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور تم نے اس کو مار ڈالا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے میرے ہتھیار سے ڈر کر یہ کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا تاکہ تجھے معلوم ہو تاکہ اس نے دل سے یہ کلمہ کہا تھا یا نہیں؟ (یعنی دل کا حال تجھے کہاں سے معلوم ہوا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے

یہ تمنا کی کہ کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا۔

اس حدیث میں بھی لا الہ الا اللہ کا تعلق دل سے جوڑا گیا ہے۔ ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان؛ تصدیق قلبی کا نام ہے۔

[5]: ﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا﴾

سورۃ البقرۃ: 137

ترجمہ: اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح آپ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) ایمان لائے ہیں تو یہ لوگ ہدایت یاب ہو جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے باقی امت کے لیے معیار قرار دیا ہے کہ امت کا ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ہو گا تو قابل قبول ہو گا۔ ظاہر ہے کہ یہاں مثل سے مراد مثل بالکم ہے، مثل بالکیف نہیں۔ اب اگر ایمان میں اعمال شامل ہوں تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ جتنی چیزوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مانتے تھے ان تمام کو امت بھی مانے اور جو جو اعمال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کرتے تھے انہیں امت بھی سرانجام دے تب امت کا ایمان معتبر ہو گا۔

تو قیامت تک آنے والے کئی افراد یقیناً ایسے ہوں گے جو ان اعمال کو سرانجام نہ دے سکیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد والے تمام لوگوں کے لیے ایسا کرنا فی الواقع ممکن بھی نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال؛ ایمان کا جزء نہیں ہیں۔

ایمان نہ بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے

وَإِيمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ.

ترجمہ: آسمان والوں اور زمین والوں کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ ایمان؛ تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اعمال ظاہرہ نفس ایمان کے اجزائے اصلیہ میں داخل نہیں بلکہ مکمل ایمان ہیں یعنی ان کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے نفس ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا ہاں البتہ کمال ایمان کم زیادہ ہوتا رہتا ہے یعنی اعمال کے کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی کیفیت میں کمی یا زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ نیک کام کرنے والا مؤمن اور گناہ کرنے والا مؤمن نفس ایمان میں تو برابر سمجھے جائیں گے البتہ نیک اعمال کرنے والا ”کامل و صالح مؤمن“ اور گناہ کرنے والا ”فاسق مؤمن“ کہلائے گا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَمَعْنَاهُ أَنَّهُ يَزِيدُ بِاعْتِبَارِ أَحْمَالِهِ الْحَسَنَةِ حَتَّى يَدْخُلَ صَاحِبُهُ الْجَنَّةَ دُخُولًا أَوَّلِيًّا، وَيَنْقُصُ بِإِزْكَابِ أَحْمَالِهِ السَّيِّئَةِ حَتَّى يَدْخُلَ صَاحِبُهُ النَّارَ أَوَّلًا ثُمَّ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِإِيمَانِهِ آخِرًا كَمَا هُوَ مُفْتَضَى أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.

منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر لعلی القاری: ص 88

ترجمہ: اس عبارت (وَإِيمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ) کا معنی یہ ہے کہ ایمان؛ اعمال حسنہ کے اعتبار سے بڑھتا ہے یہاں تک کہ اعمال صالحہ کرنے والا شخص دخول اولی کے اعتبار سے جنت میں داخل ہو گا اور ایمان؛ اعمال سیئہ کرنے سے کم ہوتا ہے یہاں تک کہ گناہ کرنے والا شخص پہلے تو آگ میں داخل ہو گا پھر آخر

کار اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

فائدہ نمبر 1:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نفس ایمان میں کمی زیادتی کے قائل نہیں البتہ کمال ایمان میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ اس کی تصریح خود آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں کی ہے جو عثمان البتی کی طرف لکھا تھا۔
آپ اس رسالہ میں لکھتے ہیں:

الْمُضَيِّعُ لِلْعَمَلِ لَمْ يَكُنْ مُضَيِّعًا لِلْإِيمَانِ ... أَوْ لَسْتَ تَقُولُ: مُؤْمِنٌ ظَالِمٌ وَمُؤْمِنٌ مُذْنِبٌ وَمُؤْمِنٌ مُخْطِئٌ وَمُؤْمِنٌ عَاصٍ وَمُؤْمِنٌ جَائِرٌ... وَمَنْ أَصَابَ الْإِيمَانَ وَضَيَّعَ شَيْئًا مِنَ الْفَرَائِضِ كَانَ مُؤْمِنًا مُذْنِبًا

الرسالۃ الی عثمان البتی للامام ابی حنیفہ ص 38 بحوالہ التعلیق علی الرفع والتکمیل ص 365

ترجمہ: اعمال کو ضائع کرنے والا ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہوتا۔ کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ مومن ظالم، مومن گنہگار، مومن خطاکار، مومن عاصی، مومن ستم کرنے والا۔ اس لیے جو شخص ایمان لائے اور فرائض میں سے کچھ ضائع کر دے تو یہ مومن گنہگار ہو گا۔

فائدہ نمبر 2:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایمان؛ تصدیق قلبی کا نام ہے، اعمال ظاہرہ نفس ایمان کے اجزاء نہیں البتہ مکمل ایمان ضرور ہیں۔ اگر کسی شخص کو تصدیق قلبی حاصل ہے لیکن وہ اعمال صالحہ کے ترک کا مرتکب بھی ہے تو وہ کافر نہیں۔ محدثین حضرات کے ہاں اعمال صالحہ؛ ایمان کا جزء ہیں لیکن محدثین کے ہاں بھی ترک اعمال صالحہ کا مرتکب شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ ان دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے۔

چنانچہ امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (ت 1352ھ) فرماتے ہیں:

فَأَكْثَرُ الْمُحَدِّثِينَ إِلَى أَنَّ الْإِيمَانَ مُرَكَّبٌ مِنَ الْأَعْمَالِ وَإِيمَانُ الْأَعْظَمِ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى وَأَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ إِلَى أَنَّ الْأَعْمَالَ غَيْرُ دَاخِلٍ فِي الْإِيمَانِ، مَعَ اتِّفَاقِهِمْ عَلَى أَنَّ فَاقِدَ التَّصَدِّيقِ كَافِرٌ، وَفَاقِدَ الْعَمَلِ فَاسِقٌ، فَلَمْ يَبْقَ الْخِلَافُ إِلَّا فِي التَّعْيِيرِ.

فیض الباری شرح صحیح البخاری: ج 1 ص 54

ترجمہ: اکثر محدثین کا موقف یہ ہے کہ ایمان؛ اعمال سے مرکب ہے۔ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ اعمال؛ ایمان میں داخل نہیں۔ فریقین کے اس موقف کے باوجود دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص تصدیق کا حامل نہ ہو وہ کافر ہے اور جو عمل کا حامل نہ ہو وہ فاسق ہے۔ لہذا فریقین کے درمیان یہ اختلاف محض تعبیر کا اختلاف ہے۔

یہی بات شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ (ت 1417ھ) نے فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (ت 1394ھ) کی عبارت ”وَيُشْهِدُ لِمَا ذَكَرْنَا“ پر تعلیق لکھتے ہیں:

أَيُّ مَنْ أَنَّ إِطْلَاقَ الْإِزْجَاءِ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ عَلَى مَنْ لَا يَقُولُ بِزِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ وَلَا يَقُولُ بِدُخُولِ الْعَمَلِ فِي حَقِيقَةِ الْإِيمَانِ وَأَنَّ ذَلِكَ الْقَوْلُ مِنْهُمْ لَيْسَ بِطَعْنٍ فِي الْحَقِيقَةِ إِذْ أَنَّ الْخِلَافَ لَفْظِيٌّ.

التعلیق علی قواعد فی علوم الحدیث: ص 239

ترجمہ: علامہ عثمانی اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ محدثین کی جانب سے

ارجاء کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو ایمان میں کمی زیادتی کا قائل نہ ہو اور نہ ہی اعمال کو ایمان کی حقیقت میں داخل مانتا ہو۔ محدثین کی جانب سے یہ اطلاق طعن نہیں ہے کیونکہ (محدثین کے موقف اور اس ارجاء کا) یہ اختلاف؛ اختلاف لفظی ہے۔

فائدہ نمبر 3:

اس موقف پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں کہ ایمان نہ بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے

دلیل نمبر 1:

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَالْإِيمَانُ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ، لِأَنَّهُ لَا يَتَصَوَّرُ نَقْصَانُهُ إِلَّا بِزِيَادَةِ الْكُفْرِ، وَلَا تَتَصَوَّرُ زِيَادَتُهُ إِلَّا بِنَقْصَانِ الْكُفْرِ وَكَيْفَ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الشَّخْصُ الْوَاحِدُ فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ مُؤْمِنًا وَكَافِرًا!

کتاب الوصیۃ للامام الاعظم ابی حنیفہ: ص 1

ترجمہ: ایمان نہ تو بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے، اس لیے کہ ایمان میں زیادتی تبھی ہوگی جب کفر میں کمی ہوگی اور ایمان میں کمی تبھی ہوگی جب کفر میں اضافہ ہوگا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں مسلمان بھی ہو اور کافر بھی؟

دلیل نمبر 2:

”ایمان“ نام ہے اس تصدیق قلبی کا جو یقین کی حد تک پہنچی ہو جس میں کمی بیشی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ اگر یقین میں کمی ہو جائے تو بندہ مؤمن نہیں رہتا اور جب تصدیق؛ یقین کی حد تک پہنچ جائے تو اس میں اضافہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جب کسی بندہ کو تصدیق قلبی حاصل ہو تو نہ نیکی کرنے سے اس کا ایمان بڑھتا ہے

اور نہ ہی گناہ کا ارتکاب کرنے سے اس کا ایمان کم ہوتا ہے۔

اشکال:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ عقیدہ قرآن کریم کی کئی آیات کے خلاف ہے اس لئے کہ کئی آیات سے ایمان کا بڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ (۱۷۳)

سورة آل عمران: 173

ترجمہ: جب کچھ لوگوں نے ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے کہا کہ بے شک کفار نے تمہارے کے خلاف جنگی سامان جمع کیا ہے، لہذا تم ان سے ڈرو۔ تو ان کی اس بات نے ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا ایمان مزید بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہ اچھا کار ساز ہے۔

﴿وَإِذَا مَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ أَيْكُمُ زَادَتْهُ هِذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (۱۲۴)

سورة التوبة: 124

ترجمہ: اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان (منافقین) میں سے کچھ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو بڑھایا ہے؟ تو جو لوگ ایمان لائے ہیں اس سورت نے (واقعی) ان لوگوں کے ایمان کو بڑھا دیا ہے اور وہ (اس بات پر) خوش بھی ہیں۔

﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ (۲۳)

سورة الاحزاب: 22

ترجمہ: جب مومنین نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے: یہ تو ہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اس سے ان کے ایمان اور اطاعت مزید بڑھ گئی۔

﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ﴾

سورۃ الفتح: 4

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے مومنین کے دلوں میں اطمینان و سکون پیدا کر دیا تاکہ ان کے (موجودہ) ایمان میں مزید ایمان کا اضافہ ہو جائے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾

سورۃ المدثر: 31

ترجمہ: ہم نے جہنم کے کارندے فرشتوں کو ہی مقرر کیا ہے۔ ہم نے ان فرشتوں کی تعداد اس لیے مقرر کی ہے تاکہ کافروں کی آزمائش ہو، اہل کتاب کو یقین آجائے اور اہل ایمان کا ایمان بڑھے۔

جواب نمبر 1:

ایک ہے ایمان کی کمیت یعنی ”ایمانیات“ کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ایمانیات میں سے کسی چیز کو چھوڑا جاسکتا ہے نہ ہی ان میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان ”لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ“ کا بھی یہی مطلب ہے، اور ایک ہے ایمان کی کیفیت یعنی حالت اور کیفیت جو کہ ماحول اور احوال کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے۔ یہ کیفیت ماحول اچھا ملنے کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے اور ماحول اچھا نہ ملنے کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے۔

تو جہاں قرآن کریم میں ہے کہ ایمان بڑھتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان کیفیت کے اعتبار سے کبھی بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے یہ آیات مبارکہ امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کے خلاف نہیں ہیں۔

جواب نمبر 2:

ایک ہے ایمان اجمالی اور ایک ہے ایمان تفصیلی۔ ایمان اجمالی نہ بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے ہاں البتہ ایمان تفصیلی میں تفصیلات معلوم ہونے کے ساتھ ایمان تفصیلی بڑھتا رہتا ہے۔

چنانچہ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) فرماتے ہیں:

وَالْآيَاتُ الدَّالَّةُ عَلَى زِيَادَةِ الْإِيمَانِ مَحْمُولَةٌ عَلَى مَا ذَكَرَهُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُمْ كَانُوا آمَنُوا فِي الْجُمْلَةِ ثُمَّ يَأْتِي فَرَضٌ بَعْدَ فَرَضٍ وَكَانُوا يُؤْمِنُونَ بِكُلِّ فَرَضٍ خَاصَّةً.

شرح العقائد النسفية ص 309

ترجمہ: قرآن کریم کی جن آیات میں ایمان بڑھنے کا تذکرہ ہے تو ان کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اجمالا ایمان لاتے پھر کوئی حکم فرض ہو جاتا تو وہ اس پر بھی ایمان لے آتے، اسی کو ایمان کے بڑھنے سے تعبیر کیا گیا۔

فائدہ:

اس جواب میں جس قسم کے اضافے کا ذکر ہے وہ عہد نبوت کے ساتھ خاص تھا کیونکہ عہد نبوت میں وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ وحی کے ذریعے ایمانیات کی تعداد میں

اضافہ ہو رہا تھا جسے ”ایمان کے بڑھنے“ سے تعبیر کر دیا گیا۔ اب چونکہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس لیے اب ایمان میں اس قسم کا اضافہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اب دین مکمل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

سورة المائدة: 3

ترجمہ: میں نے آج تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

اب حکم ہے کہ امت نے اس دین کامل کو مکمل طور پر ماننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾

سورة البقرة: 208

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

مومنین کا ایمان میں برابر، اعمال میں متفاوت ہونا

وَالْمُؤْمِنُونَ مُسْتَوُونَ فِي الْإِيمَانِ وَالتَّوْحِيدِ مُتَفَاظِلُونَ فِي الْأَعْمَالِ.

ترجمہ: تمام مومنین ایمان اور توحید میں تو برابر ہیں البتہ اعمال میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

قوله: وَالْمُؤْمِنُونَ مُسْتَوُونَ فِي الْإِيمَانِ وَالتَّوْحِيدِ.

ایمان اور توحید میں برابر ہونے سے مراد ”ایمانیات“ میں مساوی ہونا ہے یعنی جن چیزوں پر ایمان لانا ہے اس میں تمام مومنین برابر ہیں۔ ایسا نہیں کہ بعض چیزوں پر کچھ مومنین کا ایمان لانا ضروری ہو اور بعض کا ضروری نہ ہو۔

دلیل نمبر 1:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِبِشْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا﴾

سورة البقرة: 137

ترجمہ: اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح آپ ایمان لائے ہیں تو یہ لوگ ہدایت یاب ہو جائیں گے۔

باقی امت کی ہدایت اور کامیابی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ایمان کی طرح ایمان لائیں۔ یعنی جن جن چیزوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائیں گے انہی پر باقی لوگ بھی ایمان لائیں تب کامیاب ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر لوگ ایمان (یعنی ایمانیات) میں باہم برابر ہیں۔

دلیل نمبر 2:

﴿أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَ
مَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ﴾

سورة البقرة: 285

ترجمہ: رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان چیزوں پر ایمان لائے ہیں جو ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہیں اور مؤمنین بھی ایمان لائے ہیں۔ سب کے سب اللہ پر، اللہ کے فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر اور اللہ کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔
مُنَزَّلَ مِنَ اللَّهِ اُمُوْرٌ پَرِ جِس طَرَحِ رَسُوْلِ اِيْمَانِ لَاتے ہيں اسی طَرَحِ دِیْکَرِ
مُؤْمِنِیْنِ بَہی اِيْمَانِ لَاتے ہيں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ تمام مؤمنین ایمان اور توحید میں برابر ہيں۔

قوله: مُتَفَاضِلُونَ فِي الْأَعْمَالِ.

اہل ایمان اعمال کے اعتبار سے باہمی متفاوت ہوتے ہیں۔

دلیل نمبر 1:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ وَ الْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَعْدِينَ دَرَجَةً ۖ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ۖ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَعْدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (۹۵)

سورة النساء: 95

ترجمہ: بلا عذر گھروں میں بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے لڑنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے۔ اگرچہ بھلائی کا وعدہ سب کے لیے ہے، لیکن اجر عظیم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت زیادہ فضیلت بخشی ہے۔

دلیل نمبر 2:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
"صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَدْيَا بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 645

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے پر ستائیس گنا

فضیلت رکھتا ہے۔

فائدہ:

اعمال کی بنیاد معرفت اور اخلاص پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت میں اخلاص سب سے زیادہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام کی عبادت کا مقام تمام امت کی عبادت سے زیادہ ہوتا ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ امت کے افراد کی اعمال کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت ہوتی ہے۔

اسلام اور ایمان میں مناسبت

وَالْإِسْلَامُ هُوَ التَّسْلِيمُ وَالْإِنْقِيَادُ لِأَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى فَمِنْ طَرِيقِ اللُّغَةِ
فَرَّقُ بَيْنَ الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ وَلَكِنْ لَا يَكُونُ إِيْمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ وَلَا
يُوجَدُ إِسْلَامٌ بِلَا إِيْمَانٍ وَهُمَا كَالظَّهْرِ مَعَ الْبَطْنِ

ترجمہ: اسلام؛ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو تسلیم کرنے اور ان کی اطاعت کرنے کا نام ہے۔ لغوی اعتبار سے تو اسلام اور ایمان میں فرق ہے لیکن ایمان؛ اسلام کے بغیر اور اسلام؛ ایمان کے بغیر نہیں پایا جاسکتا۔ ان کا آپس میں تعلق ایسے ہے جیسے پیٹھ اور پیٹ کا تعلق ہے (کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے)۔

”اسلام“ کا لغوی معنی ”تسلیم اور اطاعت کرنا“ ہے جبکہ ”ایمان“ کا لغوی معنی ”تصدیق“ ہے۔ لغوی اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ تصدیق کا محل ”دل ہے“ جس کی ترجمان زبان ہے جبکہ تسلیم اور اطاعت کا مفہوم عام ہے، یہ دل، زبان اور اعضاء و جوارح تینوں سے ممکن ہے۔

اسلام اور ایمان میں لغوی فرق:

اسلام اور ایمان میں لغت کے اعتبار سے فرق ہے۔ اس فرق پر کئی دلائل موجود ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

[1]: ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾

سورۃ الحجرات: 14

ترجمہ: دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ (تم ایمان ہرگز نہیں لائے ہو، ہاں) تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے تسلیم کر لیا ہے، ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

یہاں دیہاتی لوگوں کا اقرار باللسان یعنی اسلام تو موجود ہے لیکن ایمان یعنی تصدیق قلبی موجود نہیں۔

[2]: امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّتِنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرْنَا وَأُنْشَاْنَا. اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1024

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز جنازہ پڑھتے تو یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! ہمارے زندوں اور

مردوں کو بخش دے، ہمارے حاضر اور غائب کو بخش دے، ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کو بخش دے، ہمارے مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جس کو زندہ رکھے تو اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دے تو ایمان کی حالت میں موت دے۔ تو ایمان اور اسلام میں لغوی اعتبار سے تو فرق ہے لیکن حقیقت میں یہ دونوں ایک ہیں۔ کیونکہ ”ایمان“ کا معنی ہے دل سے یقین کرنا اور ”اسلام“ کا معنی ہے دل و جان سے سر تسلیم خم کرنا۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

اشکال:

ایمان تو بغیر اسلام کے ہو سکتا ہے جیسے فاسق شخص ہے۔ کیونکہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے۔ اس شخص کو تصدیق قلبی تو حاصل ہے لیکن اعمال صالحہ حاصل نہیں۔ جبکہ امام صاحب فرما رہے ہیں ”لَا يَكُونُ إِيمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ“

جواب:

اس سے مراد یہ ہے کہ کامل ایمان بغیر اسلام کے نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ان احادیث مبارکہ میں ہے:

1: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 13

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کر لے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 15

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔

لفظ ”دین“ کا اطلاق

وَالَّذِينَ اسْمُ وَاقَعٌ عَلَى الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالشَّرَائِعِ كُلِّهَا

ترجمہ: ”دین“ ایسا لفظ ہے جو ایمان، اسلام اور تمام احکام شرعیہ پر صادق آتا ہے۔

لفظ دین کی جامعیت:

”دین“ ایک جامع لفظ ہے۔ جب لفظ ”دین“ بولا جاتا ہے تو اس سے یہ تینوں

چیزیں مراد ہوتی ہیں:

1: ایمان... یعنی تصدیق

2: اسلام... یعنی تسلیم و رضا

3: شرائع... یعنی شریعت کاملہ

دلائل:

یہ بات اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے ثابت ہوتی ہے:

دلیل نمبر 1:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾

سورۃ آل عمران: 19

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔

دلیل نمبر 2:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾ (۸۵)

سورۃ آل عمران: 85

ترجمہ: جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں شمار ہوگا۔

فائدہ نمبر 1:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت ”وَالدِّينُ اسْمٌ وَّاقِعٌ عَلَى الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالشَّرَائِعِ كُلِّهَا“ میں ”كُلِّهَا“ کا تعلق صرف ”الشَّرَائِعِ“ کے ساتھ نہیں بلکہ ما قبل میں مذکور تمام چیزوں کے ساتھ ہے۔ یعنی دل سے قبول کرنے کا نام ”ایمان“ ہے، دل و جان سے تسلیم کرنے کا نام ”اسلام“ ہے اور عقائد و اعمال کے مجموعے کا نام ”شریعت“ ہے اور ان تینوں پر لفظ ”دین“ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 2: دین اسلام کی بقیہ ادیان پر فوقیت

دین اسلام باقی تمام ادیان یہودیت، عیسائیت وغیرہ پر رائج اور فائق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی دین کی دوسرے ادیان پر ترجیح و فوقیت کے لیے چار چیزوں و دیکھا جاتا ہے۔ وہ چار چیزیں اگر اس دین میں ہوں اور باقی ادیان میں نہ ہوں تو وہ دین باقی ادیان پر فوقیت رکھتا ہے۔ ان چار چیزوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1): اس دین کے نبی کا اعلان ہو کہ میں سب کا نبی ہوں، اس لیے میرا کلمہ پڑھو! اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کا کلمہ نجات کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ اگر بروز قیامت اعمال میں کوتاہی کی وجہ سے عذاب جہنم کا خدشہ ہو تو شفاعت وہی نبی کرے گا جس کے کہنے پر انسان نے کلمہ پڑھا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ انسان شفاعت کی امید رکھے اور وہ نبی کہے کہ میں نے تو تمہارے لیے نبوت کا اعلان ہی نہیں کیا تھا بلکہ میری نبوت کا دائرہ تو محدود تھا۔ یہود و نصاریٰ کے نبی کا دائرہ محدود تھا جو خاص قوم اور مخصوص علاقوں پر مشتمل تھا لیکن ہمارے پیغمبر کا دائرہ نبوت محدود نہیں بلکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام لوگوں کے لیے عام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے کہ میں سب کا نبی ہوں۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَبِينًا﴾

سورۃ الاعراف: 158

ترجمہ: (اے پیغمبر) کہہ دیجیے! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضَّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ؛ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُزِّلَتْ عَنِّي الْخَلْقُ كَافَّةً

وَحُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 523

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جو امع الکلم دیے گئے (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا (۴) پوری زمین کو میرے لیے ”ظہور“ یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنادیا گیا (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنادیا گیا اور (۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنادیا گیا۔ ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک اعزاز ”پوری مخلوق کا نبی“ ہونا ارشاد فرمایا ہے۔

(2): اس نبی کا اعلان ہو کہ میں آخری نبی ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ایک نبی کا کلمہ پڑھ لیں اور دوسرا نبی آجائے تو اب لا محالہ دوسرے نبی کا کلمہ پڑھنا پڑے گا۔ تو جب تک وہ نبی آخری نہ ہو یہ خدشہ بہر حال رہے گا کہ اس نبی کی تعلیمات منسوخ ہوتی ہیں یا باقی رہتی ہیں! اس لیے آج کے دور میں اس نبی کو دیکھیں جو آخری ہو تا کہ یہ خدشہ ہی ختم ہو جائے اور ایسا نبی صرف ہمارے نبی پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (۴۰)

الاحزاب: 40

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
 "لَا تَقُومُوا السَّاعَةَ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا
 الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يُزْعِمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ
 النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2219

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ میری امت کے کچھ لوگ مشرکین سے نہ جاملیں اور بتوں کی پرستش نہ شروع کریں۔ میرے بعد تیس جھوٹے لوگ آئیں گے جن میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔
 (3): اس نبی کی نبوت پر دلیل آج بھی موجود ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کسی نبی کو ماننے کے لیے دلیل چاہیے تاکہ ثابت ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ جس نبی کی نبوت پر دلیل آج بھی موجود ہے وہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دلیل نبوت قرآن مجید ہے۔

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ
 وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۲۳)﴾

سورة البقرة: 23

ترجمہ: اگر تم اس قرآن کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت بنا لاؤ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے سارے مددگار بلاؤ۔

فائدہ: قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے پر دلیل

کون سی چیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور کون سی بندے نے تیار کی ہے؟ اس کے جاننے کا ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کی مثل بندے لاسکیں یہ دلیل ہے کہ یہ چیز بھی بندے نے تیار کی ہے اور جس چیز کی مثل بندے نہ لاسکیں یہ دلیل ہے کہ یہ چیز بھی بندے نے تیار نہیں کی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ مثلاً ایک کروڑ افراد مل کر بھی ایک سر جیسا سر نہیں بنا سکتے لیکن سر پر موجود ٹوپی جیسی ایک کروڑ ٹوپیاں ایک بندہ بنا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اور ٹوپی انسان نے تیار کی ہے۔ بالکل اسی طرح بندوں کا مل کر قرآن کریم جیسی کوئی کتاب نہ لاسکنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے۔

(4): اس نبی کی تعلیمات آج بھی موجود ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پر ایمان لایا جاتا ہے تاکہ نبی کی لائی ہوئی شریعت پر نبی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کر سکیں۔ جب نبی کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے مطابق اس نبی کا طریقہ ہی موجود نہ ہو تو اس نبی کا کلمہ پڑھنے والا شخص عمل کیسے کرے گا؟ اور آج اگر کسی نبی کی تعلیمات موجود ہیں تو وہ صرف ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ان چار باتوں سے معلوم ہوا کہ آج دین اسلام ہی برحق دین ہے۔

معرفت و عبادتِ باری تعالیٰ

نَعْرِفُ اللَّهَ تَعَالَى حَقَّ مَعْرِفَتِهِ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ بِمَجْمِيعِ صِفَاتِهِ
وَلَيْسَ يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يَعْبُدَ اللَّهَ حَقَّ عِبَادَتِهِ كَمَا هُوَ أَهْلٌ لَهُ وَلَكِنَّهُ يَعْبُدُهُ
بِأَمْرِهِ كَمَا أَمَرَهُ بِكِتَابِهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ.

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اسے پہچاننا چاہیے (اور پہچانتے بھی بالکل
اسی طرح ہیں) جس طرح اس نے اپنی کتاب (قرآن کریم) میں اپنی ذات کو تمام تر
صفات کے ساتھ بیان فرمایا ہے لیکن کوئی بھی شخص ٹھیک اسی طرح سے اللہ تعالیٰ
کی عبادت نہیں کر سکتا جس طرح کی عبادت اس کی شان کے لائق ہے البتہ انسان
اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس طرح کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ
نے اپنی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے
بیان فرمایا ہے۔

قَوْلُهُ: نَعْرِفُ اللَّهَ تَعَالَى حَقَّ مَعْرِفَتِهِ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ بِمَجْمِيعِ صِفَاتِهِ.
ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اسے پہچاننا چاہیے (اور پہچانتے بھی بالکل
اسی طرح ہیں) جس طرح اس نے اپنی کتاب (قرآن کریم) میں اپنی ذات کو تمام تر
صفات کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو ٹھیک اسی
طرح جانے اور ماننے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو صفات کے ساتھ قرآن مجید
میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ بعض صفات ثبوتیہ ہیں اور بعض
سلبیہ۔

صفاتِ ثبوتیہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۲۰)

سورۃ البقرہ: 20

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (۲۲۴)

سورۃ البقرہ: 224

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

﴿هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾

سورۃ البقرہ: 255

ترجمہ: وہ (اللہ) زندہ اور تھامنے والا ہے۔

بعض صفاتِ سلبیہ:

﴿لَا تَأْخُذُهَا سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾

سورۃ البقرہ: 255

ترجمہ: اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (۱۸۲)

سورۃ آل عمران: 182

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (۶۴)

سورۃ مریم: 64

ترجمہ: اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

تو صحیح معرفت یہی ہے کہ جو صفات ثبوتیہ ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کے ساتھ

متصف مانا جائے اور جو صفات سلبیہ ہیں ان کی اللہ تعالیٰ کی ذات سے نفی کی جائے۔
بالفاظ دیگر کمالات کو ثابت مانا جائے اور جو نقائص ہیں ان کی نفی کی جائے۔

سوال: علامہ محمد عبد الرؤف بن تاج العارفین ابن علی مناوی القاہری رحمہ اللہ
(ت 1031ھ) لکھتے ہیں:

وَفِي الْخَبَرِ سُبْحَانَكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ.

فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: ج 2 ص 520 تحت رقم الحدیث 2170

ترجمہ: بعض آثار میں یہ مقولہ منقول ہے کہ اے اللہ! ہم آپ کو اس طرح نہیں
پہچان سکتے جس طرح آپ کے پہچاننے کا حق ہے۔

جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ ”نَعْرِفُ اللَّهَ تَعَالَى حَقَّ
مَعْرِفَتِهِ“ کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ اسے پہچانا چاہیے۔ دونوں
میں بظاہر تضاد ہے۔

جواب: دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس لیے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی ذات کو صفات سے متصف فرما کر بیان فرمایا ہے ہم
بھی اسے ان صفات کے ساتھ متصف مانتے ہیں، نہ ان صفات کا حتمی معنی بیان کرتے
ہیں کیونکہ ہمارا علم ناقص ہے، نہ ان میں تشبیہ کے قائل ہیں، نہ ہی تعطیل کے۔ بعض
آثار میں منقول قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی حقیقت کا
ادراک مخلوق کے بس میں نہیں ہے اور یہ بات اپنی جگہ درست ہے۔ اس لیے دونوں
میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1014ھ) لکھتے

ہیں:

أَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ: "مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ"، فَمَبْنِيٌّ عَلَى أَنَّ إِدْرَاكَ

الذَّاتِ وَالْإِحَاطَةَ بِكُنْهِ الصِّفَاتِ لَيْسَ فِي قُدْرَةِ الْمَخْلُوقَاتِ.

مُخ المروض الازهر فی شرح الفقہ الاکبر للقاری: 267

ترجمہ: بعض لوگوں کا جو قول ہے ”اے اللہ! ہم آپ کو اس طرح نہیں پہچان سکتے جس طرح آپ کے پہچاننے کا حق ہے“ تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت کا احاطہ کرنا مخلوق کے اختیار میں نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَيْسَ يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يَعْبُدَ اللَّهَ حَقَّ عِبَادَتِهِ كَمَا هُوَ أَهْلٌ لَهُ وَلَكِنَّهُ يَعْبُدُهُ بِأَمْرِهِ كَمَا أَمَرَ بِكِتَابِهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ.

ترجمہ: کوئی بھی شخص ٹھیک اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر سکتا جس طرح کی عبادت اس کی شان کے لائق ہے البتہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس طرح کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔

”عبادت“ دراصل اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم و تکریم کرنے کا نام ہے جو اس کی شان و شوکت، عظمت اور کبریائی کے لائق ہو۔ اللہ تعالیٰ کی شان، عظمت اور کبریائی کی کوئی انتہا نہیں اس لیے بندے کے بس میں ہی نہیں کہ وہ ایسی عبادت سرانجام دے سکے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کا حق ادا کرے۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ)

روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفَرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ: "اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَمُعَافَاتِكَ مِنْ عِقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا

أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 486

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو میں آپ کو ڈھونڈنے لگی۔ تو (ڈھونڈتے ہوئے) میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک پر لگا، آپ اس وقت مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے اپنے پاؤں مبارک [حالتِ سجدہ میں] کھڑے کیے ہوئے تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے: اے اللہ! میں تیرے غصہ سے تیری خوشی کی پناہ میں آتا ہوں، تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں تیری حمد و ثناء ایسی نہیں کر سکتا جیسی تو نے خود اپنی حمد و ثناء بیان کی ہے۔

مومنین کے ایمان میں یکسانیت کا بیان

وَيَسْتَوِي الْمُؤْمِنُونَ كُلُّهُمْ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالْيَقِينِ وَالْتَّوَكُّلِ وَالْمَحَبَّةِ
وَالرِّضَاءِ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ وَالْإِيمَانِ فِي ذَلِكَ وَيَتَفَاوَتُونَ فِيمَا دُونَ الْإِيمَانِ
فِي ذَلِكَ كُلِّهِ.

ترجمہ: تمام مومنین اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس پر یقین و توکل، اس کی محبت و رضا مندی، اس سے ڈرنے اور پُر امید ہونے اور ان تمام امور پر ایمان لانے میں برابر ہیں البتہ ایمان کے علاوہ باقی امور میں (مختلف اعتبارات سے) ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے مومنین کا تعلق مختلف جہات سے ہے۔ ان میں معرفت و یقین، توکل، محبت، رضا مندی، خوف، امید اور ان امور پر ایمان لانا شامل ہیں۔ ان امور میں کمیت کے اعتبار سے تو مومنین برابر ہیں البتہ کیفیات میں باہمی تفاوت موجود

ہے۔ بعض مومنین کا ملین کو اللہ تعالیٰ کی معرفت و یقین اعلیٰ درجہ کی حاصل ہوگی اور بعض افراد کو یہ معرفت ادنیٰ درجہ کی حاصل ہوگی۔ بعض افراد کا اللہ تعالیٰ پر توکل اعلیٰ درجہ کا ہو گا اور بعض کا کم درجہ کا، یہی حال دیگر امور کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان امور میں کمیت کے اعتبار سے تو برابری ہے لیکن کیفیات کے اعتبار سے کمی بیشی ہے۔ اس پر کچھ گفتگو ماقبل میں ہو چکی ہے۔

فائدہ: متن میں مذکورہ امور (معرفت و یقین، توکل، محبت، رضامندی، خوف، امید) کی دو قسمیں ہیں: عقلی اور طبعی۔ شریعت میں یہ امور عقلی درجہ میں مطلوب ہیں نہ کہ طبعی درجہ میں کیونکہ بسا اوقات انسان پر یہ امور طبعی درجے میں غالب آجاتے ہیں لیکن جب طبعیت اور عقل کا تقابل ہوتا ہے تو انسان عقل کو ترجیح دیتا ہے۔ اس لیے مطلوب شریعت عقلی امور ہوئے۔

فضل و عدلِ باری تعالیٰ

وَاللّٰهُ تَعَالٰی مُتَفَضِّلٌ عَلٰی عِبَادِهِ عَادِلٌ قَدْ يُعْطِيْ مِنَ الثَّوَابِ اَضْعَافَ مَا يَسْتَوْجِبُهُ الْعَبْدُ تَفَضُّلاً مِنْهُ وَقَدْ يُعَاقِبُ عَلٰی الذَّنْبِ عَدْلًا مِنْهُ وَقَدْ يَعْفُو فَضْلاً مِنْهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فضل و احسان کرنے والے اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرنے والے ہیں۔ کبھی اپنا فضل و کرم فرماتے ہوئے بندے کو اس کے استحقاق سے کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرماتے ہیں اور کبھی عدل کے پیش نظر اسے اس کے گناہ کی سزا دیتے ہیں اور کبھی تو اس کے گناہ کو فضل فرماتے ہوئے معاف بھی کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ کبھی فضل کا معاملہ فرماتے ہیں اور کبھی عدل کا۔ بندہ اپنے اعمال کے سبب ایک مخصوص اجر کا مستحق ہوتا ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس کے مقررہ اجر سے بھی زیادہ سے نوازتے ہیں۔ بندہ کبھی نافرمانی کرتے کرتے مخصوص سزا کا مستحق قرار پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس جرم کے بقدر سزا دیتے ہیں جو بقاضائے عدل ہے۔ اس کے جرم سے بڑھ کر اسے سزا نہیں دیتے۔ کبھی گناہ گار بندے پر بھی اپنے فضل و احسان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف بھی فرما دیتے ہیں۔

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (۲۶۱)

سورة البقرة: 261

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال ایک دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں، ہر بالی میں سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے بڑھاتا ہے۔ اللہ وسعت والے جاننے والے ہیں۔

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾

سورة الشورى: 30

ترجمہ: تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہی پہنچتی ہے، اللہ تو تمہاری کئی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔

شفاعتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان

وَشَفَاعَةُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقٌّ وَشَفَاعَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُنْذِرِينَ وَلَا أَهْلَ الْكِبَائِرِ مِنْهُمْ الْمُسْتَوْجِبِينَ الْعِقَابِ حَقٌّ ثَابِتٌ.

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کا شفاعت کرنا برحق ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہگار مؤمنین اور کبار کا ارتکاب کر کے سزا کا مستحق قرار پانے والوں کی شفاعت کرنا بھی برحق ہے اور ثابت شدہ ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اپنی امتوں کی شفاعت کرنا برحق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے گناہگاروں اور مرتکبین کبیرہ کی شفاعت کرنا بھی برحق ہے۔ شفاعت کا عقیدہ قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْإِدَاءَ اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الثَّامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 614

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھی تو قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ (دعا کا ترجمہ یہ ہے) اے اللہ! اے اس دعوت کاملہ اور اس کھڑی ہونے والی نماز کے رب! تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ اور

فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔“

فائدہ نمبر 1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شفاعت فرمائیں گے وہ آٹھ قسم کی ہے:

1: شفاعت کبریٰ: یہ تمام لوگوں کے لیے ہوگی۔ یہ شفاعت اس وقت ہوگی جب حساب کتاب کے انتظار کا ہیبت ناک منظر ہو گا اور لوگ بہت پریشان ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے تو حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔

2: حساب کتاب میں سہولت کیے جانے کی شفاعت۔

3: بلا حساب کتاب جنت میں داخلے کی شفاعت۔

4: بعض جنتیوں کے درجات کی بلندی کی شفاعت۔

5: جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے (یعنی اصحابِ اعراف) ان کے جنت میں داخلے کی شفاعت۔

6: جہنم میں داخل ہو جانے والے گناہگاروں کے لیے جہنم سے نکلنے اور جنت میں داخلے کی شفاعت۔

7: جن کے متعلق جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہو گا (لیکن ابھی تک جہنم میں داخل نہ ہوئے ہوں گے) ان کے لیے جنت میں داخلہ کی شفاعت۔

8: جو عذاب کے مستحق ہو چکے ان کے عذاب میں تخفیف کی شفاعت۔

فائدہ نمبر 2: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ علماء، شہداء، حفاظ قرآن، نابالغ بچے، قرآن، روزہ وغیرہ بھی قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔

☞ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ رحمہ اللہ (ت 273ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عُمَانَ بْنِ عَفَّانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ: الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ.

سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 4313

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے؛ انبیاء، علماء اور پھر شہداء۔

☞ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سوریہ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحْلَلَ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشْرَةِ مَنْ أَهْلَ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَّهَتْ لَهُ النَّارُ".

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2905

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کو حفظ کیا، اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرمادیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس (حافظ قرآن) کی سفارش کو قبول فرمائیں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

☞ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سوریہ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ كَانَ لَهُ فَرْطَانٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهِنَّ الْجَنَّةَ". فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرْطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: "وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرْطٌ يَأْمُرُ بِمَوْفَقَةٍ!" قَالَتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرْطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: "فَأَنَا فَرْطُ أُمَّتِي لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي".

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1062

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رو ہو گئے (یعنی دو بچے بچپن میں ہی فوت ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ کی امت میں سے جس کا ایک پیش رو ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نیک بخت عورت! اس کو وہ ایک پیش رو ہی جنت میں لے جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر عرض کیا: جس شخص کا کوئی پیش رو نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا کوئی پیش رو نہیں ہو گا تو اس کا پیش رو میں ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کوئی رنج اور صدمہ نہیں پہنچا۔

✽ امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ يَقُولُ الصِّيَامُ: أِنِّي رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفَعْنِي فِيهِ وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفَعْنِي فِيهِ قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ.

مسند احمد: ج 6 ص 188 رقم الحدیث 6626

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے رب! میں نے اس بندے کو دن کے وقت کھانے پینے اور خواہشات سے روکا ہے، اس لیے اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما، اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات کے وقت نیند سے روک رکھا، اس لیے اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

ترازو کے ذریعے اعمال کا وزن ہونا

وَوُزْنُ الْأَعْمَالِ بِالْيَوْمِ الْقِيَامَةِ حَقٌّ

ترجمہ: قیامت کے دن اعمال کا ترازو کے ذریعے وزن کیا جانا برحق ہے۔

”میزان“ پر تفصیلی گفتگو ما قبل میں ہو چکی ہے۔ وہیں ملاحظہ کر لی جائے۔

حوض کوثر

وَحَوْضُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَقٌّ

ترجمہ: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حوض (کوثر) برحق ہے۔

اس حوض سے مراد حوض کوثر ہے۔ ”کوثر“ جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔ اس نہر سے دو پرنا لے اس تالاب میں گرتے ہیں۔ اس حوض کی لمبائی ایک مہینے کی مسافت کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس حوض پر پانی پینے کے برتنوں کی تعداد ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوگی۔ بدعتی آدمی وہاں سے پانی نہیں پی سکے گا۔

[1] امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا آيَةُ الْخَوْضِ؟
قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا نَبِيَّتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ وَكَوَاكِبِهَا
أَلَا فِي اللَّيْلَةِ الْمُظْلِمَةِ الْمُصْحَبَةِ آيَةُ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهَا لَمْ يَظْمَأْ أَخْرَجَ مَا عَلَيْهِ
يَشْخَبُ فِيهِ مِزْ آبَانٍ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ عَرَضُهُ مِثْلُ طُولِهِ مَا بَيْنَ
عَمَّانَ إِلَى أَيْلَةَ مَاوُةَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2300

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حوض کوثر کے برتنوں کی تعداد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اس حوض کوثر کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں اور سیاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور ستارے بھی وہ ہوں جو ایسی کالی سیاہ رات میں ہوں جس میں بادل وغیرہ نہ ہو (یعنی گھٹا ٹوپ رات میں چونکہ ستارے زیادہ واضح نظر آتے ہیں تو برتنوں کی تعداد ان سے بھی زیادہ ہوگی) جو شخص اس حوض سے ایک بار پانی پی لے گا تو اسے کبھی پیاس نہیں ستائے گی۔ اس حوض میں جنت کے دو پرنا لے گرتے ہیں۔ جو شخص اس حوض سے پانی پی لے گا تو وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ اس حوض کی لمبائی اس کی چوڑائی کے برابر ہے یعنی جتنا عَمَّان سے لے کر اَیْلہ تک کا درمیانی فاصلہ ہے۔ نیز اس حوض کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

عَمَّان: اس شہر کے بارے میں علامہ ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ

(ت 676ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا "عَمَّانُ" فَبِفَتْحِ الْعَيْنِ وَتَشْدِيدِ الِیَمِ، وَهِيَ بَلَدَةٌ بِالْبَلْقَاءِ مِنَ الشَّامِ.

شرح صحیح مسلم للنووی: ج 2 ص 251 تحت رقم الحدیث 2300

ترجمہ: عمان؛ شام کے علاقہ ”بلقاء“ کا ایک شہر ہے۔

”ایلہ“: اس شہر کے بارے میں امام ابو القاسم عبد الکریم بن محمد الرافعی القزوی رحمہ اللہ (ت 623ھ) لکھتے ہیں:

وَإِلَّةٌ مَدِينَةٌ مِنْ بِلَادِ الشَّامِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ.

التدوین فی اخبار القزویں: ص 142

ترجمہ: ”ایلہ“ شام کے ساحلی علاقوں میں ایک شہر کا نام ہے۔

احادیث مبارکہ میں حوض کوثر کی لمبائی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف شہروں اور علاقوں کا نام لے کر فاصلہ بتایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فاصلہ اندازاً مراد ہے۔ ان شہروں کے درمیان کا یہ فاصلہ آدھا ماہ یا اس سے کم و بیش مسافت پر مشتمل ہے۔

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ

(ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَهَذِهِ الْمَسَافَاتُ مُتَقَارِبَةٌ وَكُلُّهَا تَرْجِعُ إِلَى نَحْوِ نِصْفِ شَهْرٍ أَوْ تَزِيدُ عَلَى ذَلِكَ قَلِيلًا أَوْ تَنْقُصُ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 11 ص 471 تحت رقم الحدیث 6208

ترجمہ: احادیث میں بیان کیے گئے یہ فاصلے ایک دوسرے سے قریب قریب ہیں اور یہ آدھا ماہ، اس سے کم یا کچھ زیادہ مسافت پر مشتمل ہیں۔

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَلَيْزَ فَعَنَ مَعِيَ رَجُلٌ مِنْكُمْ ثُمَّ لِيُعْتَزَّجَنَّ دُونِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ! أَصْحَابِي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَذَرِي مَا أَحَدَثُوا بَعْدَكَ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6576

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا۔ کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر انہیں مجھ سے دور کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ تو مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات گھڑی تھیں۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ سنت پر عمل پیرا رہے اور بدعات سے اجتناب کرتا رہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے سیراب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے۔

قصاص برحق ہے

وَالْقَصَاصُ قِيَامُ بَيْنِ الْخُصُومِ بِالْحَسَنَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ الْحَسَنَاتِ فَطَرَحُ السَّيِّئَاتِ عَلَيْهِمْ حَقٌّ جَائِزٌ.

ترجمہ: دنیا میں جھگڑا کرنے والوں کا قیامت کے دن فیصلہ کرتے وقت نیکیوں کے ذریعے (ظالم کے ظلم کا بدلہ چکایا جانا برحق ہے۔ اگر ان (ظالموں) کی نیکیاں نہ ہوں تو دوسروں (مظلوموں) کے گناہ کا ان پر ڈالا جانا بھی برحق اور ثابت شدہ ہے۔

قیامت کے دن ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا۔ اگر دنیا میں کسی

نے دوسرے پر ظلم کیا ہو گا تو قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ یوں ہو گا کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی اور اگر ظالم ایسا گنہگار ہو گا کہ اس کی نیکیاں ہی نہ ہوں تو مظلوم کے گناہوں کو اس ظالم کے پلڑے میں ڈال دیا جائے گا۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ)

روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ. فَقَالَ: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فُيِّدَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَ حَتَّى عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2581

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پوچھا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمارے ہاں تو مفلس وہ شخص شمار ہوتا ہے جس کے پاس نہ تو پیسہ ہو اور نہ کوئی سامان ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، روزے، زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس کا حال یہ ہو گا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہو گی، کسی پر تہمت لگائی ہو گی، کسی کا ناحق مال کھایا ہو گا، کسی کا ناحق خون بہایا ہو گا اور کسی کو مار پیٹا ہو گا۔ تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو نیکیاں دی جائیں گی۔ اس کے بعد دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے پہلے اگر اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو اگر حقداروں اور مظلوموں کے کوئی گناہ

ہوں گے تو وہ ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

جنت اور جہنم کا فنا نہ ہونا

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ الْيَوْمَ لَا تَفْنَيَانِ أَبَدًا.

ترجمہ: جنت اور جہنم پیدا کی جا چکی ہیں جو آج بھی موجود ہیں، یہ کبھی فنا نہیں ہوں گی۔

جنت و جہنم کے پیدا ہو جانے اور کبھی فنا نہ ہونے پر ماقبل میں دلائل مع اشکالات و جوابات بیان ہو چکے ہیں۔ وہیں ملاحظہ کر لیے جائیں۔

حورِ عین کا فنا نہ ہونا

لَا تَمُوتُ الْحَوَرُ الْعَيْنُ.

ترجمہ: حورِ عین پر بھی موت نہیں آئے گی۔

”حورِ عین“ کا معنی ایسی عورت ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی نہایت سفید اور سیاہی نہایت سیاہ ہو۔ نیک مومن کو اللہ تعالیٰ جنت کا داخلہ عطا فرمائیں گے تو اس کا نکاح حورِ عین سے کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَزَوْجُهُمْ بِحُورٍ عَيْنٍ (۵۴)﴾

سورة الدخان: 54

ترجمہ: اور ہم ان (جنتیوں) کا نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی سفید عورتوں سے کروا

دیں گے۔

﴿وَحُورٌ عِينٌ﴾ (۲۲) كَامُنَّالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ (۲۳) جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۲۴) ﴿

سورة الواقعة: 22 تا 24

ترجمہ: (اہل جنت کے لیے) بڑی بڑی آنکھوں والی سفید عورتیں ہوں گی جیسے چھپا کر رکھا ہوا موتی ہو۔ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

حورِ عین ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ کیوں کہ جنت اور جنت کی چیزیں دائمی ہیں اس لیے حورِ عین کو بھی موت نہیں آئے گی۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمَجْتَمَعًا لِلْحُورِ الْعِينِ يُرْفَعْنَ بِأَصْوَاتٍ لَمْ يَسْمَعْ الْخَلَائِقُ مِثْلَهَا"، قَالَ: "يَقْلُن: نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا تَبِيدُ، وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأُسُ، وَنَحْنُ الرَّاغِبَاتُ فَلَا نَسْخَطُ، طُوبَى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّالَهُ"

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2564

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں حورِ عین کے لیے ایک محفل سجائی جائے گی۔ اس میں وہ ایسی آواز میں اپنا نغمہ سنائے گی کہ مخلوق نے ایسی آواز کبھی نہیں سنی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا: حورِ عین کہیں گی کہ ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں، ہم کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ ہم ناز و نعمت والی ہیں، ہم کبھی محتاج نہیں ہوں گی۔ ہم خوش رہنے والی ہیں، ہم کبھی ناراض نہیں ہوں گی۔ خوش خبری اور مبارک ہو اس شخص کے لیے جو ہمارے لیے بنا ہے اور ہم اس کے لیے بنی ہیں۔

اس حدیث میں ”نَحْنُ الْحَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ“ کے الفاظ سے حور عین کا ہمیشہ رہنا ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

قرآن کریم میں حورانِ جنت کی درج ذیل صفات ذکر کی گئی ہیں:

(1، 2): پاکیزہ بیویاں، ہمیشہ رہنے والی

﴿وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۲۵)

سورة البقرة: 25

ترجمہ: ان (جنتیوں) کے لیے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

(3، 4، 5): نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی، چھپائے ہوئے

انڈوں کی مانند

﴿وَعِنْدَهُمْ قَصْرٌ طَرَفٍ عَيْنٍ﴾ (۴۸) ﴿كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ﴾ (۴۹)

سورة الصافات: 48، 49

ترجمہ: ان جنتیوں کے پاس نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی گویا کہ وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیں۔

(6): جن وانس سے محفوظ

﴿فِيهِنَّ قَصْرٌ طَرَفٍ لِّمَن يَّطِئُهُنَّ أَنَسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ﴾ (۵۶)

سورة الرحمن: 56

ترجمہ: انہی عورتوں میں نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی جنہیں پہلے کسی جن نے چھوا ہو گا نہ انسان نے۔

(7،8): مثل یاقوت، مثل مرجان

﴿كَانَتْهُنَّ أَلْيَاقُوتٌ وَ أَلْمَرْجَانُ (٥٨)﴾

سورة الرحمن: 58

ترجمہ: گویا وہ (عورتیں) یاقوت اور مرجان ہیں۔

(9،10): بہترین، خوبصورت

﴿فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ (٧٠)﴾

سورة الرحمن: 70

ترجمہ: انہی عورتوں میں بہترین اور خوبصورت بھی ہوں گی۔

(11،12): گوری رنگت والی، خیموں میں پردہ نشین

﴿حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ (٧٢)﴾

سورة الرحمن: 72

ترجمہ: گوری رنگت والی عورتیں خیموں میں پردہ نشین ہوں گی

(13) محفوظ موتیوں کی مانند

﴿وَحُورٌ عِينٌ (٢٢) كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ (٢٣)﴾

سورة الواقعة: 22، 23

ترجمہ: وہ عورتیں گوری رنگت والی، بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی جیسے چھپے ہوئے موتی۔

(14،15) نونیز، ہم عمر

﴿وَكَوَاعِبُ أُنثَرَابًا (٣٣)﴾

سورة النبأ: 33

ترجمہ: (جنتی عورتیں) نونیز اور ہم عمر ہوں گی۔

فائدہ نمبر 2:

مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی عورتیں جن کے خاوند ہوں گے تو وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں نئی جوانی عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا أَنْشَأْنَهُنَّ إِنِشَاءً (۳۵) فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا (۳۶) عُرُبًا أَتْرَابًا (۳۷)﴾

سورة الواقعة: 35 تا 37

ترجمہ: ہم ان کی بیویوں کو ایک خاص شان سے بنائیں گے اور انہیں کنواریاں بنادیں گے جو خاوندوں سے محبت کرنے والی اور ہم عمر ہوں گی۔ اور اگر کسی خاتون کی دنیا میں شادی نہیں ہوئی ہوگی تو جنت میں اس کا نکاح دنیا کے کسی مرد سے فرمادیں گے۔

تنبیہ:

قرآن کریم میں ”حور“ کا لفظ مونث ہی کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ ”عورتوں کو حور ملے گی جو مذکر ہوگا“ درست نہیں!

1: ﴿وَعِنْدَهُمْ قَصِرَاتُ الظُّرَفِ عِیْنٌ (۴۸) کَانَّهُنَّ بَیضٌ مَّکْنُونٌ (۴۹)﴾

سورة الصافات: 48، 49

ترجمہ: ان جنتیوں کے پاس نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی گویا کہ وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیں۔

ان آیات میں ”قاصرات“ اور ”کانتھن“ مونث ہی کے لیے مستعمل ہیں۔

2: ﴿فِيهِنَّ قَصِرَاتُ الظُّرَفِ لَمْ يَطْبُئْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ (۵۶)﴾

سورة الرحمن: 56

ترجمہ: انہی عورتوں میں نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی جنہیں پہلے کسی جن نے چھوا ہو گا نہ انسان نے۔

یہاں ”قَاصِرَاتٌ“ اور ”يَطْمِئِنَّ“ کی ضمیر مونث۔

3: ﴿وَحُورٌ عِينٌ (۲۲) كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ (۲۳)﴾

سورۃ الواقعة: 22، 23

ترجمہ: وہ عورتیں گوری رنگت والی، بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی جیسے چھپے ہوئے موتی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم الحلی الشافعی رحمہ اللہ (ت 864ھ) لکھتے ہیں:

نِسَاءٌ شَدِيدَاتُ سَوَادِ الْعُيُونِ وَبَيَاضِهَا.

تفسیر الجلالین: ص 714 طبع بیروت

ترجمہ: حوریں ایسی عورتیں ہیں جن کی آنکھیں سیاہ اور سفید ہیں (یعنی سیاہ حصہ انتہائی سیاہ اور سفید حصہ انتہائی سفید)
فائدہ نمبر 3:

دنیا کی عورتیں سردار ہوں گی اور جنت کی حوریں خادمہ ہوں گی۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ دنیا کی عورت نے مشقت برداشت کی ہے، دین پر چلنا آسان نہیں لیکن اس نے اپنی خواہشات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ہے۔ اس لیے جو مقام اس کا ہو گا وہ جنتی عورت کا نہیں ہو گا۔

✽ حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ (ت 774ھ) روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ! نِسَاءُ الدُّنْيَا أَفْضَلُ أَمْ الْحُورُ الْعِينُ؟ قَالَ: "بَلْ نِسَاءُ الدُّنْيَا أَفْضَلُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ كَفَضْلِ الظَّهَارَةِ عَلَى الْبِطَانَةِ". قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَبِمَ ذَلِكَ؟ قَالَ: "بِصَلَاتِهِمْ وَصِيَامِهِمْ وَعِبَادَتِهِمْ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ".

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 7 ص 532 تحت قولہ تعالیٰ "إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً" الواقعة: 35 ترجمہ: یا رسول اللہ! دنیا کی عورت افضل ہوگی یا حورِ عین؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: دنیا کی عورت حورِ عین سے یوں افضل ہوگی جس طرح کسی چیز کا بیرونی حصہ اس کے اندرونی حصہ سے افضل ہوتا ہے۔ میں (حضرت ام سلمہ) نے عرض کیا: اس فضیلت کی وجہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: وجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں نماز پڑھتی ہیں، روزہ رکھتی ہیں اور اللہ عزوجل کی عبادت کرتی ہیں۔

❦ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ نِسَاءَ الدُّنْيَا مَنْ دَخَلَ مِنْهُنَّ الْجَنَّةَ فَضِلْنَ عَلَى الْعِينِ بِمَا عَمِلْنَ فِي الدُّنْيَا.

التذکرۃ للقرطبی: ص 555

ترجمہ: دنیا کی جو عورت جنت میں داخل ہوگی تو اسے حورِ عین پر فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ اس نے دنیا میں نیک اعمال سرانجام دیے ہیں۔

سوال:

جنت کی تو تمام نعمتیں فنا نہیں ہوں گی پھر صرف ”حورِ عین“ ہی کے عدم فنا کا ذکر کیوں کیا ہے؟

جواب:

اس کی افضلیت و خصوصیت کے پیش نظر اس کا ذکر کیا ہے۔

سوال:

جنت میں ایک مرد کو کئی عورتیں ملیں گی لیکن ایک عورت کو کئی مرد نہیں ملیں گے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب:

جنت عزت کی جگہ ہے۔ مرد کے نکاح میں کئی عورتیں ہوں تو یہ اس کی عزت ہے لیکن ایک عورت کئی مردوں کے نکاح میں ہو تو یہ اس کی عزت نہیں بلکہ بے حرمتی ہے۔ عورت کی عزت اسی میں ہے کہ وہ ایک مرد کے پاس ہو۔

عذاب و ثوابِ الہی کا ختم نہ ہونا

وَلَا يَفْنَىٰ عِقَابُ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَلَا ثَوَابُهُ سَرْمَدًا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا عذاب (برائے کفار) اور ثواب (برائے مومنین) کبھی ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ رہے گا۔

فائدہ: اس پر تفصیلی گفتگو اور دلائل ماقبل میں ”جنت و جہنم پر ایمان“ کے عنوان کے تحت گزر چکے ہیں۔

ہدایت و گمراہی کا فیصلہ

وَاللّٰهُ تَعَالٰی يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَضْلًا مِّنْهُ وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ عَدْلًا مِّنْهُ وَاِضْلَالُهُ
خِذْلَانُهُ وَتَفْسِيْرُ الْخِذْلَانِ اَنْ لَا يُوَفِّقَ الْعَبْدَ اِلٰى مَا يَرْضَاهُ عَنْهُ وَهُوَ عَدْلٌ مِّنْهُ
وَكَذَا عُقُوْبَةُ الْمَخْذُوْلِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے اسے ہدایت عطا فرمادے اور جسے چاہے اپنے قانونِ عدل کے مطابق اسے گمراہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو گمراہ کرنے سے مراد ”خِذْلَان“ ہے۔ خِذْلَان کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنی رضامندی والے کاموں کی توفیق نہیں دیتے اور ایسا کرنا اس کی طرف سے عینِ عدل ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کو اس کے گناہ کی سزا دینا بھی عینِ عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا اور ان میں حق اور باطل پر چلنے کی طاقت بھی رکھ دی۔ بندوں کو یہ عقل و شعور دیا کہ وہ حق اور باطل کو سمجھیں اور اپنی صلاحیت کی وجہ سے باختیار خود جس راہ پر چلنا چاہیں چل سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مجبور محض نہیں بنایا۔ اگر بندہ مجبور محض ہوتا تو اس کے حق و باطل پر چلنے کا امتحان نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا مل جانا اس کا انتہائی فضل و کرم ہے۔ ہدایت ملنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں ہدایت کی طرف میلان کے آثار دیکھتے ہیں تو اسے ایسے اسباب عطا فرماتے ہیں جن سے ہدایت کا ملنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسے ”توفیق الہی“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ بندہ جب حق کی طرف مائل ہی نہ ہو اور اس کا طبعی میلان گمراہی کی طرف ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رضا والے کاموں کی توفیق نہیں دیتے۔ یہ عینِ عدل ہے۔ کیونکہ بندے نے حق کی طرف آنے کا ارادہ ہی نہیں کیا تو اسے توفیق

دینے کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کا ایسے بندے کو راہ ہدایت کی طرف آنے کی توفیق نہ دینا ”خِذْلَان“ ہے۔

شیطان اور سلبِ ایمان

وَلَا يَجُوزُ أَنْ نَقُولَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْلُبُ الْإِيمَانَ مِنَ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ قَهْرًا وَجَبْرًا
وَلَكِنْ نَقُولُ الْعَبْدُ يَدَعُ الْإِيمَانَ فَيُحْيِيهِ يَسْلُبُهُ مِنْهُ الشَّيْطَانُ

ترجمہ: ہمیں یہ کہنا درست نہیں کہ شیطان زور و زبردستی بندہ مومن سے ایمان چھین لیتا ہے بلکہ ہم یوں کہیں گے کہ بندہ خود ایمان سے دستبردار ہو جاتا ہے تو اس وقت شیطان اس کا ایمان چھین لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ طاقت تو دی ہے کہ وہ بندہ مومن کے دل میں وسوسے ڈال سکے اور اسے راہِ راست سے ہٹانے کی کوشش کر سکے لیکن شیطان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ جبراً اور قہراً بندے سے ایمان سلب کر سکے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر شیطان میں یہ قوتِ قاہرہ مان لی جائے تو یہ خدائی اختیار ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں نہیں۔ شیطان میں یہ اختیار ماننا عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے بندہ مومن اپنے اختیار سے ایمان کو چھوڑ بیٹھتا ہے، نتیجہً شیطان اس کے ایمان کو اچک لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ﴾ (۱۴) قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ (۱۵)

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۶﴾ ﴿

ترجمہ: ابلیس بولا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دیجیے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا: جا! تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس کہنے لگا کہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اب میں بھی آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھ کر آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا۔

سوالات منکر نکیر اور اعادہ روح

وَسْأَلُ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ حَقِّي كَائِنٌ فِي الْقَبْرِ وَإِعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ فِي قَبْرِهٖ حَقٌّ.

ترجمہ: منکر نکیر کا قبر میں سوال کرنا برحق ہے اور ایسا ہوتا ہے۔ قبر میں میت کے جسم میں روح کا لوٹایا جانا بھی برحق ہے۔

اس مقام پر آٹھ باتیں سمجھیں!

[1]: جب انسان پر موت آتی ہے تو اس کی روح نکل جاتی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے جنازے میں گئے۔ جب قبرستان پہنچے تو قبر کی تیاری میں کچھ تاخیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں میت کے احوال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُولُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ! أَخْرَجِي إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ فَتَخْرُجُ تَسِيلُ كَمَا تَسِيلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السَّقَاءِ فَيَأْخُذُهَا ... ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُولُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْحَبِيثَةُ! أَخْرَجِي إِلَى سَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَغَضَبٍ قَالَ فَتُفَرَّقُ فِي جَسَدِهِ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّقُودُ مِنَ الصُّوفِ

الْمَبْلُولُ فَيَأْخُذُهَا.

مسند احمد: ج 14 ص 202 تا ص 204 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: (مسلمان کی وفات کے وقت) ملک الموت علیہ السلام اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے پاکیزہ روح! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف چلو! وہ روح اتنی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے کسی مشک سے پانی کا قطرہ ٹپک آیا ہو... (اور کافر کی موت کے وقت) ملک الموت علیہ السلام اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے خبیث روح! اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کی طرف چلو! اس کی روح جسم میں پھیل جاتی ہے (یعنی عذاب الہی دیکھ کر پورے بدن میں چھپتی پھرتی ہے اور نکلنے سے ڈرتی ہے) تو ملک الموت اسے اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جس طرح لوہے کا کانا تر صوف میں ڈال کر کھینچا جاتا ہے (یعنی تر صوف سے لوہے کا کانا بڑی مشکل سے کھینچا جاتا ہے اور اس عمل کے دوران صوف کے کچھ اجزاء بھی اس لوہے کے کانٹے کے ساتھ لگ کر باہر آجاتے ہیں بالکل اسی طرح کافر کی روح سختی سے کھینچ کر باہر نکالی جاتی ہے۔)

[2]: اگر بندہ مومن ہو تو اس کی روح علیین میں اور اگر کافر ہو تو سحین میں چلی جاتی ہے جہاں اس کا نام لکھا جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی روح کے بارے میں ارشاد فرمایا:

حَتَّىٰ يُنْفَخَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اُكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ.

مسند احمد: ج 14 ص 203 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: حتیٰ کہ اس (مؤمن) کی روح کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ عز و جل

فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو۔

اسی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر شخص کے بارے میں

ارشاد فرمایا:

حَتَّى يُنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ فَلَا يُفْتَحُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿لَا تُفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ
الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَهُ
فِي سِجِّينٍ فِي الْأَرْضِ السُّفْلَى.

مسند احمد: ج 14 ص 203، 204 رقم الحديث 18443

ترجمہ: حتیٰ کہ اس (کافر) کی روح کو جب آسمانِ دنیا تک لے جایا جاتا ہے اور اس کے لیے دروازہ کھلوا یا جاتا ہے تو وہ دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی کہ ان (کافروں) کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور نہ ہی وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ داخل ہو جائے۔ پھر اللہ عز و جل فرماتے ہیں کہ اس کا نام سچین میں درج کر دو جو ساتویں زمین میں ہے۔

[3]: علیین اور سچین میں نام لکھے جانے کے بعد روح کو جسم کی طرف لوٹا دیا جاتا

ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ وَأَعِيدُوهُ إِلَى
الْأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيهَا أُعِيدُهُمْ وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرَى، قَالَ:
فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ.... فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سِجِّينٍ فِي

الْأَرْضِ السُّفْلَى فَيُطَوَّرُ رُوحُهُ طَرَحًا.

مسند احمد: ج 14 ص 203 رقم الحديث 18443

ترجمہ: اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اپنے بندوں کو اسی سے پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹاؤں گا اور دوبارہ اسی سے نکالوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس بندہ مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے... (اور کافر کی روح جب آسمانوں کی طرف لائی جاتی ہے تو) اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اس کا نام سحین میں درج کر دو جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، پھر اس روح کو زمین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے۔

اکابرین کے اقوال:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَأَعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ فِي قَبْرِهٖ حَقٌّ.

الفقہ الاکبر للامام الاعظم ابی حنیفہ

ترجمہ: قبر میں میت کے جسم میں روح کا لوٹایا جانا بھی برحق ہے۔

2: امام احمد بن محمد بن حنبل البغدادی الشیبانی رحمہ اللہ (ت 241ھ)

ابو الحسین محمد بن محمد ابن ابی یعلی الفراء البغدادی الحنبلی رحمہ اللہ

(ت 526ھ) نے امام مسدد بن مسرہ البصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب انہیں کچھ اشکالات ہوئے تو انہوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک خط لکھا کہ فتنہ قدر، رفض، اعتزال، خلق قرآن وغیرہ کے متعلق جو کچھ سنت سے ثابت ہے وہ لکھ بھیجیں تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل خط لکھا۔ اس میں ایمانیات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالْإِيمَانُ بِمُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَالْإِيمَانُ بِمَلَكَ الْمَوْتِ عَلَيْهِ
السَّلَامُ أَنَّهُ يَقْبِضُ الْأَرْوَاحَ ثُمَّ تُرَدُّ فِي الْأَجْسَادِ فِي الْقُبُورِ فَيَسْأَلُونَ عَنْ
الْإِيمَانِ وَالتَّوْحِيدِ.

طبقات الحنابلہ لابی الحسین الفراء البغدادی الحنبلی: ج 1 ص 344

ترجمہ: منکر نکیر کے سوالات کرنے پر ایمان لانا اور عذاب قبر پر ایمان لانا برحق ہے۔ اس بات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ ملک الموت علیہ السلام جانداروں کی ارواح قبض کرتا ہے، پھر ان ارواح کو قبر میں موجود جسموں میں لوٹایا جاتا ہے تاکہ ان سے ایمان اور توحید کے متعلق سوالات کیے جائیں۔

3: علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ الْمُعَذَّبُ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ الْجَسَدُ بِعَيْنِهِ أَوْ بَعْضُهُ بَعْدَ إِعَادَةِ
الرُّوحِ إِلَيْهِ أَوْ إِلَى جُزْءٍ مِنْهُ.

شرح صحیح مسلم للنووی: ج 2 ص 386

ترجمہ: اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ پورے جسم میں یا جسم کے بعض حصے میں روح لوٹانے کے بعد عذاب یا تو پورے جسم کو ہوتا ہے یا جسم کے کچھ حصہ کو۔

4: علامہ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، ابن تیمیہ الحنبلی رحمہ اللہ (ت 728ھ) لکھتے ہیں:

فَقَدْ صَرَّحَ الْحَدِيثُ بِإِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ وَبِاخْتِلَافِ أَضْلَاعِهِ
وَهَذَا بَيِّنٌ فِي أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى الرُّوحِ وَالْبَدَنِ مُجْتَمِعَيْنِ.

مجموع الفتاویٰ: ج 4 ص 151

ترجمہ: احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور (عذاب کے وقت) پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ یہ بات بالکل

واضح ہے کہ عذاب: روح اور جسم کے مجموعے کو ہوتا ہے۔

5: حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ (ت 751ھ) لکھتے ہیں:

الْمَسْأَلَةُ السَّادِسَةُ وَهِيَ أَنَّ الرُّوحَ هَلْ تُعَادُ إِلَى الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ وَفَتْ
السُّؤَالِ أَمْ لَا؟ فَقَدْ كَفَّافَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرَ هَذِهِ
الْمَسْأَلَةِ وَأَغْنَانَا عَنْ أَقْوَالِ النَّاسِ حَيْثُ صَوَّحَ بِإِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَيْهِ.

کتاب الروح: ص 48

ترجمہ: چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ کیا قبر میں سوالات کے وقت روح کو میت کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے یا نہیں؟ (جواب یہ ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں وضاحت فرما کر ہمیں لوگوں کے اقوال سے بے نیاز کر دیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کی ہے کہ جسم میں روح کو لوٹایا جاتا ہے۔

6: حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی رحمہ اللہ (ت 855ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ الْأَرْوَاحَ تُعَادُ إِلَى الْأَجْسَادِ عِنْدَ الْمَسْأَلَةِ وَهُوَ قَوْلُ الْأَكْثَرِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ.
عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ج 12 ص 30 باب قتل ابی جہل

ترجمہ: سوالات کے وقت روحوں کو جسموں میں لوٹایا جاتا ہے۔ یہی اکثر اہل السنۃ کا موقف ہے۔

7: علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ (ت 1270ھ) فرماتے ہیں:
وَالْجَبْهُورُ عَلَى عَوْدِ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ أَوْ بَعْضِهِ وَفَتْ السُّؤَالِ عَلَى وَجْهِ
لَا يَحْسُ بِهِ أَهْلُ الدُّنْيَا إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

تفسیر روح المعانی: ج 21 ص 57 تحت قولہ تعالیٰ ”فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى“ سورة الروم: 52

ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف یہ ہے کہ سوالات کے وقت پورے جسم میں یا جسم

کے بعض حصے میں روح لوٹائی جاتی ہے لیکن دنیا والوں کو اس کا احساس نہیں ہو پاتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ جسے دکھانا چاہے دکھا دیتا ہے۔

[4]: روح لوٹائے جانے کے بعد منکر نکیر اس سے سوالات کرتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَتَعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللَّهُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِي الْإِسْلَامُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ... فَتَعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: هَاهَا هَا لَا أَدْرِي.

مسند احمد: ج 14 ص 202 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: اس بندہ مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے! پھر پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں بھیجے گئے تھے وہ کون تھے؟ بندہ جواب دیتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے... (اس طرح کے سوال و جواب کافر میت سے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ) اس (کافر) کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: ہائے ہائے! مجھے معلوم نہیں۔

[5]: سوالات و جوابات کے بعد مومن کی روح علیین میں اور کافر کی روح سحین

میں پہنچادی جاتی ہے جیسا کہ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

”یہ صریح ہے اس میں کہ اعادہ الی الارض منافی اس قرار فی الجنۃ کے نہیں یا تو اس طرح کہ اول یہ اعادہ ہوتا ہو پھر سوال نکیرین کے بعد عروج الی السماء ہوتا ہو اور یا اس طرح کہ یہ اعادہ اور قرار تو جنت میں ہو اور قبر میں اصل قرار نہ ہو۔ کچھ تعلق جسد سے ہو خواہ جسد اصلی حالت پر ہو یا مستحیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا ہو جس سے ادراک نعم و الم کا ہو سکے۔“

امداد الفتاویٰ: ج 5 ص 424

[6]: اس وقت کی حالت کو خواب اور نیند سے تعبیر کرتے ہیں۔

﴿قَالُوا يَوْمَئِذٍ لَّنَا مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَرْقَدِنَا﴾

سورۃ یسین: 52

ترجمہ: وہ کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہ سے کس نے بیدار کر دیا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَرْقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ: هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. فَيَقُولَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا. ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: نَمْ. فَيَقُولُ: أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرْهُمْ؟ فَيَقُولَانِ: نَمْ كَنُومَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1071

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے دو فرشتے آتے ہیں جن کی آنکھیں نیلے رنگ کی ہوتی ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ اس شخص سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخصیت (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بندہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ طول و عرض میں کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کو روشن کر دیا جاتا ہے۔ پھر فرشتے اسے کہتے ہیں: سو جا! وہ شخص پوچھتا ہے کہ کیا میں گھر جا کر اپنے ان حالات کی خبر اپنے گھر والوں کو نہ دوں؟ تو فرشتے کہتے ہیں: سو جیسا پہلی رات کی دلہن سوتی ہے، جسے گھر والوں میں سے اس کا محبوب (یعنی خاوند) ہی بیدار کرتا ہے۔

اس حدیث مبارک کے الفاظ ”نَمْ كُنْتُمْ الْعَرُوسِ“ (سو جیسا پہلی رات کی دلہن سوتی ہے) کے الفاظ سے قبر کی اس حالت کو نیند سے تعبیر کرنا ثابت ہے۔

[7]: مومن کی روح علیین میں اور کافر کی روح سحین میں پہنچانے کے بعد ان کا اتنا تعلق جسم کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے جس سے میت کچھ راحت یا تکلیف محسوس کرتی ہے۔ اس پر علمائے امت کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

1: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ التفازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) فرماتے ہیں:

اَتَّفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلَى أَنَّ اللَّهَ يُعِيدُ إِلَى الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ نَوْعَ حَيَوَةٍ قَدَرًا مَا

يَتَأَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ وَيَشْهَدُ بِذَلِكَ الْكِتَابُ وَالْأَخْبَارُ وَالْأَثَارُ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للفتنازانی: ج 2 ص 222

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کو اتنی حیات عطا فرماتا ہے جس سے وہ ثواب و عذاب کو محسوس کرتی ہے، اس عقیدہ پہ قرآنی آیات اور احادیث و آثار موجود ہیں۔

2: علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الہمام رحمہ اللہ (ت 861ھ) فرماتے ہیں:

أَنَّ الْمَيِّتَ الْمُعَذَّبَ فِي قَبْرِهِ تَوْضَعُ فِيهِ الْحَيَاةُ بِقَدْرِ مَا يُحْسِسُ بِالْأَلَمِ.
فتح القدیر ج 5 ص 193 باب الیمین فی الضرب والقتل
ترجمہ: جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے تو اسے اتنی حیات دی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کو محسوس کر سکے۔

3: ملا علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

وَأَعْلَمُ أَنَّ أَهْلَ الْحَقِّ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ فِي الْمَيِّتِ تَوْعَ حَيَاةٍ فِي الْقَبْرِ قَدْرَ مَا يَتَأَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ.

منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر: ص 121

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے والے کو اتنی حیات عطا فرماتا ہے کہ اگر نیک ہو تو ثواب اور اگر گناہگار ہو تو عذاب کو محسوس کرتا ہے۔

4: علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت 1252ھ) فرماتے ہیں:

وَالْإِبْلَامُ وَالْأَدَبُ لَا يَتَحَقَّقُ فِي الْمَيِّتِ وَلَا يَرِدُ تَعْذِيبُ الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ لِأَنَّهُ تَوْضَعُ فِيهِ الْحَيَاةُ عِنْدَ الْعَامَّةِ بِقَدْرِ مَا يُحْسِسُ بِالْأَلَمِ.

رد المحتار: ج 5 ص 193 باب الیمین فی الضرب والقتل

ترجمہ: ایسا مارنا جس سے تکلیف ہو اور تادیب ہو یہ میت میں متحقق نہیں ہوتا۔ اس بناء پہ عذاب قبر کا انکار نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اہل اسلام کے ہاں میت کو قبر میں اتنی حیات عطا کی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کو محسوس کرتی ہے۔

نوٹ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں یہ تکلیف و تعدیب میت پر نظر نہیں آتی۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ میت کو قبر میں عذاب ہی نہیں دیا جاتا۔ لہذا اس عبارت کی بنیاد پر عذاب قبر کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

[8]: قیمت کے دن روح کو جسم کے اندر لوٹا دیا جائے گا اور روح مع الجسد کو میدان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔

﴿وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (۷)﴾

سورۃ التکویر: 7

ترجمہ: جب لوگوں کو جوڑا جائے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی الطبری رحمہ اللہ (ت 310ھ) اس آیت کی تفسیر معتبر مفسرین سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عَنْ عِكْرِمَةَ ﴿وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (۷)﴾ قَالَ: الْأَرْوَاحُ تُرْجَعُ إِلَى الْأَجْسَادِ.

عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي قَوْلِهِ ﴿وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (۷)﴾ قَالَ: زُوِّجَتْ الْأَرْوَاحُ الْأَجْسَادَ.

تفسیر الطبری: ج 24 ص 246 تحت قولہ تعالیٰ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ

ترجمہ: حضرت عکرمہ (بن دعامہ السدوسی) رحمہ اللہ (ت 117ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ روحوں کو بدن میں لوٹایا جائے گا۔ امام (عامر بن شراحیل) شعبی رحمہ اللہ (ت 104ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ روحوں کو جسموں کے ساتھ

جوڑا جائے گا (یعنی روحیں جسموں میں لوٹائی جائیں گی)۔

فائدہ:

قبر میں سوالات امت سے ہوں گے، حضرات انبیاء علیہم السلام سے نہیں ہوں گے۔

دلائل:

دلیل نمبر 1:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 184

ترجمہ: میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ تمہیں قبروں میں آزمایا جائے گا۔

اس روایت میں ”أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ“ کے الفاظ سے خطاب امت کو ہے۔ فتنہ قبر سے مراد قبر کے سوالات ہیں۔

علامہ احمد بن غنیم بن سالم النفر اوی الماکی رحمہ اللہ (ت 1126ھ) لکھتے ہیں:

"أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يُفْتَنُونَ" أَيْ يُمْتَحَنُونَ وَيُخْتَبَرُونَ فِي قُبُورِهِمْ وَمَعْنَى يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ "يُسْأَلُونَ" لِاجْتِمَاعِ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِفِتْنَةِ الْقَبْرِ سُؤَالَ الْمَلَائِكَةِ: مُنْكَرٍ - يَفْتَحِ الْكَافِرَ - وَنَكِيرٍ - يَكْشِرُهَا.

الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی: ج 1 ص 306

ترجمہ: حدیث کے الفاظ ”مومنین کو قبروں میں آزمایا جائے گا“ کا معنی ہے کہ قبر میں ان کا امتحان لیا جائے گا۔ امتحان لیے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان سے قبر میں سوالات کیے جائیں گے کیونکہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ قبر کی آزمائش سے مراد

منکر نکیر کا قبر میں سوال کرنا ہے۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبر میں سوالات امت سے کیے جائیں گے، خود نبی سے نہیں۔

دلیل نمبر 2:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
فَأَمَّا فِتْنَةُ الْقَبْرِ فَبِئْسَ تُفْتَنُونَ وَعَبَّيْ تَسْأَلُونَ.

مسند احمد: ج 17 ص 507 رقم الحدیث 24970

ترجمہ: قبر کی آزمائش یہ ہے کہ میری وجہ سے تمہاری جانچ ہوگی اور میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا۔

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ ابن شہاب الدین الرملی رحمہ اللہ (ت 1004) لکھتے ہیں:

وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُسْأَلُونَ لِأَنَّ غَيَبَ النَّبِيِّ يُسْأَلُ عَنِ النَّبِيِّ فَكَيْفَ يُسْأَلُ هُوَ عَنْ نَفْسِهِ؟

نہایۃ المحتاج: ج 3 ص 42

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے (قبروں میں) سوالات نہیں ہوتے کیونکہ غیر نبی سے نبی کے بارے میں سوالات ہوتے ہیں تو خود نبی سے اپنے بارے میں سوالات کیسے ہوں گے؟

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحنفی رحمہ اللہ (ت 1088ھ)

لکھتے ہیں:

وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَامُ لَا يُسْأَلُونَ.

الدر المختار: ج 2 ص 192 باب صلاة الجنائزۃ

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے (قبروں میں) سوالات نہیں ہوتے۔

دلیل نمبر 3: عقلی وجوہ:

1: قبر میں تین سوالات ہوں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ یہ سوالات اس شخص سے ہوں گے جو ایمان یا کفر میں سے جس پہلو کو اختیار کرنا چاہے کر سکتا ہو، نیکی یا برائی میں سے جس عمل کو کرنا چاہے کر سکتا ہو۔ پیغمبر معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ پیغمبر کامل واکمل مومن ہوتا ہے، اس میں کفر کا احتمال نہیں ہوتا، پیغمبر نیک کام سرانجام دیتا ہے، اس میں برائی کرنے کا احتمال نہیں ہوتا۔ تو سوال اس شخص سے ہو گا جس میں ایمان یا کفر، نیکی یا برائی اختیار کرنے کے دونوں پہلو ہوں، جس میں صرف ایک ہی پہلو ہو اس سے سوال نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ قبر میں نبی سے سوال ہونا عصمتِ نبوت کے منافی ہے، اس لیے قبر میں انبیاء علیہم السلام سے سوالات نہیں ہوں گے۔

2: تین سوالات میں سے دوسرا سوال خود نبی کے متعلق ہے جو دلیل ہے کہ ان سوالات کا تعلق اس شخص سے ہو گا جو نبی نہ ہو ورنہ توقف الشیء علی نفسہ لازم آئے گا کہ نبی اپنی نجات کے لیے اپنے نبی ہونے کا اقرار کر رہا ہے جبکہ وہ یہ اقرار خود دوسروں تک سے کروا چکا ہے۔

ثواب و عذابِ قبر

وَضَعُظَةُ الْقَبْرِ وَعَذَابُهُ حَقٌّ كَائِنٌ لِلْكَفَّارِ كُلِّهِمْ وَلِبَعْضِ عَصَاةِ الْمُؤْمِنِينَ.

ترجمہ: قبر کا تمام کفار کو اور بعض گناہگار مؤمنین کو دہانا اور ان کو قبر کا عذاب ہونا برحق ہے اور ایسا ہوتا بھی ہے۔

فائدہ نمبر 1:

موت سے لے کر حشر تک کی زندگی کو قیامت صغریٰ، عالم برزخ اور قبر کی زندگی بھی کہتے ہیں۔

نوٹ:

قبر اور برزخ کا معنی اور اس پر ہونے والے اشکالات کے جوابات ماقبل میں تفصیل سے گزر چکے ہیں۔ وہیں ملاحظہ کر لیے جائیں۔

فائدہ نمبر 2:

عنوان ”ثواب و عذابِ قبر“ ہونا چاہیے نہ کہ صرف ”عذابِ قبر“، عام طور پر صرف ”عذابِ قبر“ کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 3:

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام

اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اجساد عنصریہ وفات کے بعد اپنی زمینی قبور مبارکہ میں روح کے تعلق کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ قبر پر آکر کوئی درود

وسلام پڑھے تو خود سماعت فرماتے ہیں۔ دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے ذریعے ان کی خدمت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ ان سے قبور میں سوالات نہیں ہوتے۔ ان کی حیات اتنی قوی ہوتی ہے کہ ان کی ازواج سے ساتھ کسی کو نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال بھی میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

اشکال:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر؛ کفار کو اور بعض گنہگار مؤمنین کو دباتی ہے جبکہ ایک حدیث مبارک سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی دبایا تھا۔

چنانچہ امام ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان التیمی رحمہ اللہ (ت 354ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَهُ يَعْنِي سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَأَخْتَبَسَ فَلَمَّا خَرَجَ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا حَبَسَكَ؟ قَالَ: ظَنَّمْتُ سَعْدًا فِي الْقَبْرِ ضَمَّةً، فَدَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يَكْشِفَ عَنْهُ.

صحیح ابن حبان: رقم الحدیث 7234

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر میں داخل ہوئے اور کچھ دیر قبر میں رکے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر نکلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو قبر میں روکے رکھا؟ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے وہاں رکے رہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد کو قبر میں ہلکا سا دبایا گیا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ قبر کو کشادہ کر دیا جائے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نیک

صالح شخصیت ہیں۔ تو پھر قبر نے انہیں کیوں دبایا؟

جواب:

قبر کا میت کو دبانا اور جھٹکا دینا ایسا معاملہ ہے جو ہر میت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ چاہے وہ بچہ ہو یا بڑا، کامل مومن ہو یا فاسق، مسلمان ہو یا کافر۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ لِلْقَبْرِ ضَغْطَةً وَلَوْ كَانَ أَحَدٌ تَأْجِيًا مِنْهَا تَجَا مِنْهَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ".

مسند احمد: ج 6 ص 98 رقم الحدیث 24283

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میت کو ایک بار دبو جتی ضرور ہے۔ اگر اس سے کوئی شخص بچ سکتا تو وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہوتے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى صَبِيٍّ أَوْ صَبِيَّةٍ فَقَالَ: "لَوْ تَجَا أَحَدٌ مِنْ ضَمَّةِ الْقَبْرِ لَتَجَا هَذَا الصَّبِيُّ".

المعجم الاوسط للطبرانی: ج 3 ص 146 رقم الحدیث 2753

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بچے یا بچی کا جنازہ پڑھایا اور فرمایا: اگر قبر کی تنگی سے کوئی بچ سکتا ہو تو یہ بچہ یا بچی بچتے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن ہونے کے بعد قبر ہر میت کو دباتی

ہے اور قبر کا یہ دبانا میت کے فاسق و گناہگار ہونے کی دلیل نہیں ورنہ لازم آتا کہ بچے تک گناہگار ہوتا کیونکہ قبر اسے بھی دباتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

رہا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ قبر؛ کفار کو اور بعض گناہگار مؤمنین کو دباتی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ قبر؛ کافر اور فاسق مؤمن کو ایک مرتبہ معمول کا دبا کر پھر تسلسل سے دباتی اور جھٹکے دیتی رہتی ہے جبکہ کامل مؤمن کو ایک مرتبہ معمول کا دبا کر پھر کشادہ ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السيوطي الشافعي رحمہ اللہ (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ السَّعْدِيُّ: لَا يَنْجُو مِنْ ضَغْطَةِ الْقَبْرِ صَاحٌّ وَلَا طَالِحٌ غَيْرَ أَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ فِيهَا دَوَامُ الضُّغْطِ لِلْكَافِرِ وَحُصُولُ هَذِهِ الْحَالَةِ لِلْمُؤْمِنِ فِي أَوَّلِ نُزُولِهِ إِلَى قَبْرِهِ ثُمَّ يَعُودُ إِلَى الْإِنْفَسَاجِ لَهُ.

حاشیہ علی سنن النسائی: ج 1 ص 289 باب ضمة القبر وضغطته

ترجمہ: امام ابو القاسم السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قبر کے جھٹکے سے کوئی نہیں بچ سکتا چاہے نیک ہو یا گناہگار البتہ مسلمان اور کافر میں فرق یہ ہے کہ کافر کو یہ جھٹکا مسلسل لگتا رہتا ہے جبکہ مؤمن کو دفن ہونے کے بعد یہ جھٹکا لگتا ہے پھر قبر کشادہ ہو جاتی ہے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی جب دفن کیا گیا تھا تو قبر نے انہیں معمول کا ایک بار دبایا تھا (جو کہ فسق کی دلیل نہیں)، پھر یہ دبانا موقوف ہو گیا تھا اور قبر اُن کے لیے کشادہ کر دی گئی۔

چنانچہ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب النسائی رحمہ اللہ (ت 303ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ: "لَهَذَا الَّذِي تَحْرَكَ لَهُ الْعُرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَقَدْ ظُمَّ ضَمَّةٌ ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ".

سنن النسائي: رقم الحديث 2054

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) ایسے آدمی ہیں جن کے لیے عرش جھومنے لگا اور ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازہ میں شرکت کی لیکن (ان تمام کے باوجود) ان کو قبر میں (ایک بار) تنگی کی گئی، پھر اس تنگی کو دور کر دیا گیا۔

اشکال: اگر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو قبر نے معمول کا دبایا تھا تو پریشان ہونے اور ان کے لیے دعا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

جواب: قبر معمول کا دبائے تب بھی تنگی اور پریشانی کا ہونا ممکن ہے۔ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست کو عرصہ بعد ملے اور گلے ملتے ہوئے دبائے تو یہ دبانا اگرچہ محبت کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن پریشانی کی کیفیت تو بہر حال ہوتی ہے۔ اب خود دوست کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو، مجھے تکلیف ہو رہی ہے یا وہ دوست نہ بھی کہے تو ساتھ والا ہی کہہ دیتا ہے کہ بس کرو! کیا اس کی جان نکال کر ہی چھوڑو گے؟ اسی طرح قبر کا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دبانا یقیناً عذاب نہیں تھا بلکہ ہر میت کے ساتھ پیش آنے والا معمول کا معاملہ تھا لیکن تنگی اور پریشانی تو ہوئی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لیے دعا کرنا بالکل درست تھا۔

عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں صفاتِ باری تعالیٰ

وَكُلُّ شَيْءٍ ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ عَزَّ اسْمُهُ فَجَائِزُ الْقَوْلِ بِهِ
سِوَى الْيَدِ بِالْفَارِسِيَّةِ وَبِجُوزِ أَنْ يُقَالَ "بروئے خدا" اَمْحَى عَزَّ وَجَلَّ بِلَا تَشْبِيهِ
وَلَا كَيْفِيَّةٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ہر وہ صفت جس کا ذکر علماء نے فارسی زبان میں کیا ہے اس کا
اطلاق (ذاتِ باری تعالیٰ پر) جائز ہے سوائے لفظ ”ید“ کے (یعنی فارسی زبان میں
”ید اللہ“ کو ”دستِ خدا“ کہنا جائز نہیں) ہاں فارسی میں ”بروئے خدا“ کہنا جائز ہے
بشرطیکہ بغیر تشبیہ و کیفیت کے کہا جائے۔

ضابطہ:

اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کو بیان کرنے کے لیے لغت عرب میں وجہ،
ید، عین، ساق وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ غیر عربی زبان میں اگر صفاتِ باری
تعالیٰ کو بیان کیا جائے تو کن کلمات کا استعمال جائز ہے اور کن کا استعمال جائز نہیں؟ امام
اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے
کہ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کرنے کے لیے جو الفاظ
ہوں گے وہ دو قسم کے ہیں:

(1): وہ لفظ غیر عربی زبان میں صرف ”عضو معروف“ ہی کے لیے استعمال ہوتا
ہو، اس لفظ سے عضو معروف کے علاوہ مجازی طور پر کوئی اور معنی مراد نہ ہو۔ اس قسم
کے الفاظ کا استعمال ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے۔ جیسے فارسی میں لفظ
”دست“ ہے جس کا عربی زبان میں معنی ”ید“ ہے۔ لفظ ”دست“ کو فارسی زبان میں
اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہوئے ”دستِ خدا“ کہنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ لفظ

”دست“ فارسی زبان میں عضو معروف ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس سے مجازی طور پر کوئی دوسرا معنی مراد نہیں ہوتا۔

(2): وہ لفظ غیر عربی زبان میں ”عضو معروف“ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہو، ساتھ ساتھ اس سے مجازی طور پر کوئی اور معنی بھی مراد لیا جاتا ہو۔ اس قسم کے لفظ کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے جائز ہو گا۔ جیسے فارسی زبان میں لفظ ”رو“ ہے جس کا عربی زبان میں معنی ”وجہ“ ہے۔ لفظ ”رو“ کو فارسی زبان میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہوئے ”بروئے خدا“ کہنا جائز ہو گا کیونکہ فارسی میں ”بروئے خدا“ مجازی طور پر ”سامنے“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (یعنی اَمَّاہُ اللہ) اس قسم کے الفاظ کے استعمال کی شرط یہ ہے کہ یہ استعمال بغیر تشبیہ اور کیفیت کے کیا جائے کیونکہ کیفیت؛ اجسام کے لوازمات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور لوازماتِ جسم سے پاک ہے۔ اسی طرح مخلوقات کی تشبیہ سے بھی پاک ہے۔

فائدہ نمبر 1:

اوپر بیان کیا گیا حکم عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کے لیے ہے۔ یہ الفاظ چونکہ خود عربی زبان میں منقول ہیں اس لیے عربی زبان میں ان الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے۔

تنبیہ:

یہ بات واضح رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں لفظ ”دست“ کا استعمال عضو معروف؛ ہاتھ کے معنی میں مستعمل تھا، مجازی طور پر اس کا دوسرا معنی مراد نہیں لیا جاتا تھا لیکن اب عرف تبدیل ہو چکا ہے۔ اب فارسی زبان میں ”دست“ کا لفظ مجازاً؛ قوت، طاقت، سلطنت، دوستی اور معاونت جیسے معانی میں استعمال ہوتا

ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے آج لفظ ”دست“ کا استعمال کرتے ہوئے ”دستِ خدا“ کہنا جائز ہے۔

اس حوالے سے چند معروف شعراء کرام کا کلام اور لغات کو پیش کیا جاتا ہے۔

معروف فارسی شاعر نظام الدین ابو محمد الیاس نظامی (ت 600ھ تقریباً) اپنے اشعار میں لفظ ”دست“ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

چو از دست تو ناید ہیچ کاری

بہ دست دیگران میگیر ماری

ترجمہ: جب ذرہ برابر کام کرنا تمہارے بس کی بات نہیں تو دوسروں سے سانپ مت پکڑواؤ (یعنی خود کچھ نہیں کرتے تو دوسروں کو مشکلات میں مت ڈالو) ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

بہ سختی می گذشتش روزگاری

نمی آمد ز دستش ہیچ کاری

ترجمہ: اس کے شب و روز مشکلات میں گزرتے تھے (اس لیے) اس کے ہاتھ سے کوئی کام بھی سرانجام نہیں پایا (یہاں دست؛ طاقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے) شیخ ابو محمد مصلح الدین بن عبد اللہ سعدی شیرازی (ت 691ھ) کے اشعار ملاحظہ ہوں:

خدمتی لایقم از دست نیاید چہ کنم

سر نہ چیز یست کہ در پائے عزیزان بازم

ترجمہ: میں آپ کی شان کے لائق خدمت کرنے سے عاجز ہوں (بلکہ میرا تو عالم یہ ہے کہ) میرا سر اس لائق نہیں کہ دوستوں کے قدموں پہ قربان کر دوں! (یعنی میرے

دوستوں کا مقام اس سے بھی بلند تر ہے)

گرت ز دست بر آید چو نخل باش کریم

ورت ز دست نیاید چو سرو باش آزاد

ترجمہ: اگر آپ میں قوت و صلاحیت موجود ہے تو کھجور کے درخت کی طرح کریم بن جائیں اور اگر آپ کے ہاتھ سے کچھ ممکن نہیں (یعنی اگر کام کرنا آپ کی طاقت سے باہر ہے) تو ٹھیک ہے پھر آپ صنوبر کی طرح آزاد ہیں۔

اولا تر آنکہ ہم تو گیری ز لطف خویش

دستی و گرنہ پہچ نیاید ز دست ما

ترجمہ: بہتر تو یہی ہے کہ آپ لطف و کرم فرماتے ہوئے معاونت کریں ورنہ ہمارے بس میں تو کچھ نہیں (یعنی ہم تو اس معاملے میں بے بس ہیں)

لغت نامہ دھندا میں دست کا معنی ”قوت و توانائی“ ہے۔ فرہنگ معین میں اس کا معنی ”توانائی و قدرت“ ہے اور فرہنگ عمید میں ”قدرت و سلطہ“ ہے۔

فائدہ نمبر 2:

”لغت فارسی“ کی قید اتفاقی ہے، مراد ہر زبان میں ان الفاظ کا استعمال ہے۔

فائدہ نمبر 3:

اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے لفظ ”خدا“ کا استعمال کرنا جائز ہے:

[1]: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے

ہیں:

وَيَجُوزُ أَنْ يُقَالَ "بِرُؤْسِ خَدَا" أَيْ عَزَّ وَجَلَّ بِلَا تَشْبِيهِ وَلَا كَيْفِيَّةٍ."

ترجمہ: (فارسی زبان میں) ”بروئے خدا“ کہنا جائز ہے بشرطیکہ بغیر تشبیہ و کیفیت کے کہا جائے۔

[2]: امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی رحمہ اللہ (ت 606ھ) لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهُمْ بِالْفَارِسِيَّةِ "خُدَايَ" مَعْنَاهُ أَنَّهُ وَاجِبُ الوجودِ لِذَاتِهِ لِأَنَّ قَوْلَنَا "خُدَايَ" كَلِمَةٌ مُرَكَّبَةٌ مِنْ لَفْظَتَيْنِ فِي الْفَارِسِيَّةِ: إِحْدَاهُمَا: خُودَ، وَمَعْنَاهُ ذَاتُ الشَّيْءِ وَنَفْسُهُ وَحَقِيقَتُهُ وَالثَّانِيَةُ قَوْلُنَا: "أَيَ" وَمَعْنَاهُ جَاءَ، فَقَوْلُنَا: "خُدَايَ" مَعْنَاهُ أَنَّهُ يَنْفُسُهُ جَاءَ، وَهُوَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ يَنْفُسُهُ وَذَاتِهِ جَاءَ إِلَى الوجودِ لَا بِغَيْرِهِ، وَعَلَى هَذَا الْوَجْهِ فَيَصِيرُ تَفْسِيرُ قَوْلِهِمْ: "خُدَايَ" أَنَّهُ لِذَاتِهِ كَانَ مَوْجُودًا.

التفسير الكبير: ج 1 ص 136 تفسير سورة الفاتحة مباحث بسم الله الرحمن الرحيم

ترجمہ: اہل فارس جب اللہ تعالیٰ کو ”خدا“ کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ذات ہے کیونکہ ہمارا لفظ ”خدا“ یہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ان میں سے ایک لفظ ”خود“ ہے جس کا معنی کسی چیز کی ذات اور حقیقت ہے۔ دوسرا لفظ ”آ“ ہے جس کا معنی ہے ”آیا“۔ تو ”خدا“ کا معنی ہو گا ایسی ذات جو خود بخود موجود ہو۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ خود بخود موجود ہے بغیر کسی کے موجود کرنے کے۔ اس تشریح کے مطابق لفظ ”خدا“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بخود موجود ہے۔

[3]: شیخ امام ابو المواہب عبد الوہاب بن احمد بن علی الشحرانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 973ھ) فرماتے ہیں:

(فَإِنْ قُلْتَ) فَهَلْ يَعْمُرُ تَعْظِيمُ الْأَسْمَاءِ جَمِيعَ الْأَلْفَاظِ الدَّائِرَةِ عَلَى أَلْسِنَةِ الْخَلْقِ عَلَى اخْتِلَافِ طَبَقَاتِهِمْ وَأَلْسِنَتِهِمْ؟

(فَالْجَوَابُ) نَعَمْ! هِيَ مُعْظَمَةٌ فِي كُلِّ لُغَةٍ لِرُجُوعِهَا إِلَى ذَاتٍ وَاحِدَةٍ فَإِنَّ
اسْمَ اللَّهِ لَا تَعْرِفُ الْعَرَبُ غَيْرَهُ وَهُوَ بِلِسَانِ فَارِسٍ "خُدَاي" وَبِلِسَانِ الْحَبَشَةِ
"وَاق" وَبِلِسَانِ الْفَرَنْجِ "كِرِيْطُوْر" وَابْتَحَثَ عَلَى ذَلِكَ فِي سَائِرِ الْأَلْسِنِ تَجِدُ ذَلِكَ
الْإِسْمَ إِلَهِیَّ مُعْظَمًا فِي كُلِّ لِسَانٍ.

ایہ اوقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر: ص 141 المبحث الثالث عشر

ترجمہ: اگر آپ یہ سوال کریں کہ کیا اسمائے باری تعالیٰ کی تعظیم ان تمام الفاظ (کی تعظیم) کو شامل ہے جو مختلف طبقات اور مختلف زبانیں بولنے والے افراد (اللہ تعالیٰ کے لیے) استعمال کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! (کیونکہ) ان تمام الفاظ (جو مختلف زبانیں بولنے والے افراد اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہیں) کا مرجع ایک ہی ذات ہے اس لیے یہ تمام الفاظ لائق تعظیم ہیں۔ عرب لوگ لفظ ”اللہ“ کے علاوہ باری تعالیٰ کا کوئی اور نام نہیں جانتے جبکہ باری تعالیٰ کا نام فارسی لغت میں ”خدای“، اہل حبشہ کی لغت میں ”واق“ اور فرنج (فرانسیسی) لغت میں کریطور (Creator) ہے۔ آپ ان تمام لغات میں تحقیق کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہر زبان میں (بولا جانے والا) اسم باری تعالیٰ عظمت کے ساتھ مستعمل ہے۔

[4]: مولوی غیاث الدین محمد بن جلال الدین رامپوری رحمہ اللہ (ت 1261ھ)

فرماتے ہیں:

”خدا بالضم بمعنی مالک وصاحب۔ چون لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالیٰ اطلاق نکند مگر در صورتے کہ پیچیزے مضاف شود، چون کد خدا، ودہ خدا۔ وگفتہ اند کد خدا بمعنی خود آئندہ است، چہ مرکب است از کلمہ ”خود“ و کلمہ ”آ“ کہ صیغہ امر است از آمدن، و ظاہر است کہ امر بترکیب اسم معنی اسم فاعل پیدای کند، و چون حق تعالیٰ بظہور خود بدیگرے محتاج نیست لہذا بایں صفت خوانند، از رشیدی، وخیابان

وخان آرزو در سراج اللغات نیز از علامہ دوانی و امام فخر الدین رازی ہمیں نقل کردہ۔“
غیاث اللغات ص 185

ترجمہ: لفظ ”خدا“ (خاک کی پیش کے ساتھ) مالک اور صاحب کے معنی میں ہے جب لفظ خدا مطلق ہو تو حق تعالیٰ شانہ کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں بولتے مگر جس صورت میں کہ کسی چیز کی طرف مضاف ہو، مثلاً کدُ خدا، دہ خدا۔ اور علماء نے لکھا ہے کہ لفظ خدا کے اصل معنی ہیں خود ظاہر ہونے والا (یعنی جس کا وجود ذاتی ہو، کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو) کیونکہ خدا کا لفظ دو لفظوں سے مرکب ہے ”خود“ اور ”آ“ اور ”آ“ کا لفظ آمدن سے امر کا صیغہ ہے اور فارسی کا قاعدہ ہے کہ امر کا صیغہ کسی اسم کے ساتھ مل کر اسم فاعل کا معنی دیتا ہے چونکہ حق تعالیٰ شانہ اپنے وجود و ظہور میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں اس لئے حق تعالیٰ کے لیے یہ صفت استعمال کی گئی یہ مضمون رشیدی اور خیابان (دو کتابوں کے نام) سے ماخوذ ہے اور خان آرزو نے سراج اللغات میں علامہ دوانی اور امام فخر الدین رازی سے یہی نقل کیا ہے۔

[5]: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (ت 1394ھ) فرماتے ہیں: ”کسی شے کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں۔ خدا کو ”خدا“ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اس کا وجود ذاتی ہے اس کے سوا جو چیز بھی موجود کہلاتی ہے تو اس کا وجود خدائے واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔“

معارف القرآن: ج 6 ص 81 تحت قولہ تعالیٰ: ”كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ“ سورة القصص: 88

[6]: شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ (ت 1413ھ) لکھتے ہیں: ”رب“ اسماء حسنیٰ میں شامل ہے اور قرآن و حدیث میں بار بار آتا ہے۔ فارسی اور اردو میں اسی کا ترجمہ ”خدا“ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس لیے ”خدا“ کہنا صحیح ہے اور ہمیشہ سے اکابر امت اس لفظ کو استعمال کرتے آئے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

لفظ ”خدا“ اپنے اصل معنی کے لحاظ سے حق تعالیٰ شانہ کا صفاتی نام ہے یعنی وہ ذات پاک جس کا وجود اپنا ذاتی ہو اور وہ اپنے وجود میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔ اس لئے اس لفظ کا اطلاق حق تعالیٰ شانہ کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں ہوتا اور یہ کہ یہ لفظ عربی لفظ ”مالک“ اور ”رب“ کے ہم معنی ہے جس طرح عربی میں لفظ ”رب“ مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق حق تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں البتہ اضافت کے ساتھ استعمال کیا جائے مثلاً رب المال (مال کا مالک) رب البیت (گھر کا مالک) تو اس کا اطلاق دوسروں پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح ”خدا“ کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے مالک علی الاطلاق مراد ہوتا ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک ہے اور جب یہ لفظ اضافت کے ساتھ بولا جائے جیسے کہ ”کذ خدا“ (گھر کا مالک) ”دہ خدا“ (گاؤں کا مالک) تو یہ لفظ اضافت کے ساتھ دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔“

آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج 2 ص 567

[7]: فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (ت 1416ھ) لکھتے ہیں:

اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جاسکتا جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہل اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں۔

فتاویٰ محمودیہ: ج 1 ص 271

دلائل:

دلیل نمبر 1:

﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہے ان ناموں سے اللہ کو پکارا کرو۔

استدلال:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام بہت سارے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو پکارنا جائز ہے۔ ان صفاتی ناموں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کا عربی زبان کے علاوہ دوسرے زبانوں میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے جیسے لفظ رب، مالک۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ (ت 1413ھ) فرماتے ہیں:

”ذاتی نام کا ترجمہ تو کسی زبان میں بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے جو صفاتی نام ہیں ان کا ترجمہ اور مفہوم دوسری زبانوں میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو جو ”خدا“ کہا جاتا ہے یہ اس کے صفاتی نام ”مالک“ کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ”خدا“ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں کہا جاتا اور نہ کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو ”خدا“ کہہ کر پکارنا سورۃ اعراف کی اس آیت ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ کے ذیل میں آتا ہے۔“

آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج 2 ص 565

دلیل نمبر 2:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ﴾

سورۃ القصص: 88

ترجمہ: اللہ پاک کی ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (ت 1394ھ) اس آیت کی تفسیر میں

فرماتے ہیں:

”کسی شے کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں، خدا کو خدا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ

خود بخود ہے اور اس کا وجود ذاتی ہے اس کے سوا جو چیز بھی موجود کہلاتی ہے تو اس کا وجود خدائے واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔“

معارف القرآن: ج 6 ص 81

دلیل نمبر 3: قیاس شرعی

جب اللہ تعالیٰ کے دوسرے صفاتی ناموں کا ترجمہ دوسری زبانوں میں جائز ہے جیسے ”رحمن“ کا ترجمہ مہربان، ”رب“ کا معنی پروردگار تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ”مالک“ کا معنی اور ترجمہ ”خدا“ بھی جائز ہونا چاہیے۔

مزید تفصیل کے لیے اس موضوع پر ہمارا مقالہ ”توحید باری تعالیٰ“ دیکھا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے قریب اور دور ہونے کا معنی

وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طُولِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ وَالْمُطِيعُ قَرِيبٌ مِنْهُ بَلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِي بَعِيدٌ مِنْهُ بَلَا كَيْفٍ وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمُنَاجَى وَكَذَلِكَ جَوَارُكُهُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بَلَا كَيْفٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے لیکن یہ قرب بغیر کسی کیفیت کے ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن یہ دوری بھی بغیر کیفیت کے ہوتی ہے۔ قریب ہونے، دور ہونے اور متوجہ ہونے کا اطلاق خدا تعالیٰ کے حضور مناجات کرنے والے شخص پر (بھی) ہوتا ہے۔ اسی طرح فرمانبردار شخص کا جنت میں اللہ کے جوار (ہمسائیگی) میں ہونا اور اس کے روبرو کھڑا ہونا بھی بغیر کسی کیفیت کے ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طُولِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مسافت کے اعتبار سے قریب یا دور ہونا اجسام کی صفات ہیں۔ اجسام؛ طول، عرض، عمق رکھتے ہیں اور مکان کو بھی گھیرتے ہیں۔ اس لیے دو جسموں کے درمیان تو حسی طور پر قریب ہونے یا دور ہونے کا یہ معنی تصور کیا جاسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور مکان سے پاک ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے جب قرب یا بعد

کے الفاظ استعمال کیے جائیں تو ان سے حسی اور مکانی فاصلے والا معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد قرب یا بعد معنوی ہوتا ہے یعنی فرمانبردار آدمی کو اللہ تعالیٰ اعزاز و اکرام اور مقام و مرتبہ سے نوازتے ہیں اور گناہگار آدمی کو ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (۵۶)

سورۃ الاعراف: 56

ترجمہ: بے شک اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔
اس آیت سے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نیک لوگوں کے قریب ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہگار اور فاسق لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں۔

دوسری جگہ حضرت صالح علیہ السلام کی بات نقل کرتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ﴾ (۶۱)

سورۃ ہود: 61

ترجمہ: میرا رب قریب ہے، (دعائیں) قبول کرنے والا ہے۔
امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دُكِرَ بِي فَإِنْ دُكِرَ بِي فِي نَفْسِهِ دُكِرْتُ فِي نَفْسِي وَإِنْ دُكِرَ بِي فِي مَلَأٍ دُكِرْتُ فِي مَلَأٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشَيْءٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذَرَأًا وَإِنْ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي بِمَشْيٍ أَتَيْتُهُ هَرَوَلَةً."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7405

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ چنانچہ اگر وہ مجھے اکیلا یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلا یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر (فرشتوں کی) محفل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک بالشت برابر قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

اس حدیث میں ”وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا“ کے الفاظ ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے قریب ہوتے ہیں۔ امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي بِنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ أَذْرَكَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا ثُمَّ دَخَلَ النَّارَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُبْعِدَ اللَّهُ."

مسند احمد: ج 14 ص 359 رقم الحديث 18928

ترجمہ: حضرت ابی بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے والدین کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو پایا لیکن (ان کی خدمت کر کے جنت میں جانے کے بجائے) جہنم میں چلا گیا تو ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ دور فرمادیتے ہیں۔

ان آیات اور احادیث میں قرب اور بعد کے الفاظ مروی ہیں لیکن ان کا حقیقی معنی حسی طور پر قریب ہونا مراد نہیں بلکہ ان سے مراد فرمانبردار اور نیک شخص

کو عزت دینا اور نافرمان اور گنہگار شخص کو ذلیل و رسوا کرنا ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْمُطْبِعُ قَرِيبٌ مِنْهُ بَلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِي بَعِيدٌ مِنْهُ بَلَا كَيْفٍ

ترجمہ: فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے لیکن یہ قرب بغیر کسی کیفیت کے ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن یہ دوری بھی بغیر کیفیت کے ہوتی ہے۔

قرب اور بعد کا اجمالی معنی (اعزاز و اکرام، ذلیل و رسوا کرنا) بیان کرنے کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں عقیدہ تفویض کا اظہار فرما رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مشابہات کو تاویل اجمالی کے ساتھ بیان کر کے اس کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے تو یہ درست ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور بعد سے متعلق یہ کہنا چاہیے کہ ”فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن یہ قربت اور دوری بغیر کسی کیفیت کے ہے۔“

فائدہ: الفقہ الاکبر کی مذکورہ عبارت ”وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طَوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ“ ان نسخوں میں موجود ہے:

- 1: متن الفقہ الاکبر مخطوط، مکتبہ ازہریہ، مصر
- 2: متن الفقہ الاکبر مخطوط، شاہ سعودیونیورسٹی
- 3: شرح الفقہ الاکبر مخطوط، للامام الیاس بن ابراہیم السینوبی الشیبانی الحنفی (ت 891ھ)

- 4: شرح الفقہ الاکبر مخطوط و مطبوع، لابی المنتمی شہاب الدین احمد بن محمد المَغْنِیْسَاوِی الرومی الحنفی (ت 1000ھ)

- 5: متن الفقہ الاکبر مطبوع، مطبع مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد ہند (طبع

(1399ھ)

6: متن الفقہ الاکبر مطبوع، مع ترجمہ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی، مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ (ت 1424ھ)

7: متن الفقہ الاکبر مرتبہ مفتی محمد ابراہیم تیموری سلمہ اللہ، انگلینڈ (طبع 1442ھ)

اس عبارت کے مطابق ما قبل میں تشریح کر دی گئی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صفات تشابہات کا اجمالاً تاویلی معنی بیان فرما کر ”تفویض“ کا قول بھی فرما دیا ہے۔ البتہ بعض نسخوں میں عبارت کچھ یوں ہے:

”وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طُولِ الْمَسَافَةِ وَقَصَرِهَا وَلَا عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ وَلَكِنَّ الْمَطْبِيعَ قَرِيبٌ مِنْهُ بَلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِي بَعِيدٌ مِنْهُ بَلَا كَيْفٍ“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں اور نہ ہی عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے البتہ فرمانبردار شخص بغیر کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور نافرمان شخص بغیر کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔

یہ عبارت ان نسخوں میں موجود ہے:

1: القول الفصل شرح الفقہ الاکبر مطبوع، شیخ محی الدین محمد بن بہاؤ الدین (ت 956ھ)

2: مَحْ الرُوض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر مطبوع، ملا علی القاری (ت 1014ھ)

3: احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر مطبوع، سید حسن شاہ (ت 1391ھ)

4: الدر الازہر فی شرح الفقہ الاکبر مطبوع، ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السہتی

اس عبارت کے مطابق تشریح یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہاں مسلک تفویض ہی کو ترجیح دے رہے ہیں کہ قرب اور بعد صفات متشابہات میں سے ہیں اس لیے بغیر تاویل اور کیفیت کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بولے جائیں گے۔ ان سے مراد حقیقی معنی، قرب و بعد حسی اور مکانی نہیں کیونکہ یہ ان اشیاء کی صفات ہیں جو جسم اور مکان رکھتی ہیں۔ نیز ان کا مجازی معنی اعزاز و اکرام سے نوازنا یا ذلیل و رسوا کرنا بھی مراد نہیں کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی تاویل ہے، گو اجمالی ہی ہو لیکن بہر حال تاویل ضرور ہے۔ تو کمال تنزیہ یہی ہے کہ ان صفات کا اجمالاً تاویلی معنی بھی مراد نہ لیا جائے بلکہ تاویل کے بجائے قرب و بعد بلا کیف مراد لیا جائے۔ اس لیے اب یوں کہا جائے:

”وَلَكِنَّ الْمُطِيعَ قَرِيبٌ مِنْهُ بَلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِي بَعِيدٌ مِنْهُ بَلَا كَيْفٍ“ کہ فرمانبردار شخص بغیر کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے اور نافرمان شخص بغیر کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمُنَاجَى.

ترجمہ: قریب ہونے، دور ہونے اور متوجہ ہونے کا اطلاق خدا تعالیٰ کے حضور مناجات کرنے والے شخص پر (بھی) ہوتا ہے۔

شارح فقہ اکبر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کی مراد یہ بیان کرتے

ہیں:

(وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمُنَاجَى) اِنِّیْ یُطْلَقُ اَیْضًا عَلَى الْعَبْدِ الْمُتَضَرِّعِ اِلَى اللّٰهِ الْمُتَذَلِّلِ لَدَیْهِ طَالِبًا لِرِضَاۃِ.

مُخِ الرُّوضِ الْاَزْهَرِ فی شرح الفقہ الاکبر لعلی القاری: ص 215

ترجمہ: قریب ہونے، دور ہونے اور متوجہ ہونے کا اطلاق مناجات کرنے والے شخص پر بھی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہو اور اس کی رضامندی کا طلب گار ہو۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قرب، بعد، اقبال وغیرہ کا اطلاق جس طرح اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اسی طرح بندے پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ الفاظ بولے جائیں تو ان کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن بندے کو عزت سے نوازتے ہیں، کافر بندے کو ذلیل اور رسوا کرتے ہیں اور اپنی طرف رجوع کرنے والے پر اپنی رحمت فرماتے ہیں۔ جبکہ بندے کے لیے جب یہ الفاظ بولے جائیں تو ان کا معنی اور ہوتا ہے۔ چنانچہ ”بندہ اللہ سے قریب ہے“ کا معنی یہ ہے کہ بندہ عبادت کی حالت میں انتہائی عاجزی کا اظہار کر رہا ہے جیسا کہ ان نصوص میں ملتا ہے:

﴿وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (۱۹۶)

سورۃ العلق: 19

ترجمہ: اپنے رب کو سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ!
امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
"أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ".

صحیح مسلم: رقم الحدیث 482

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ حالت جس میں بندہ اپنے رب کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے وہ سجدے کی حالت ہوتی ہے، اس لیے سجدے میں خوب دعا مانگا کرو!

اسی طرح بندے کے اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندہ کوئی ایسا گناہ کر رہا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی سے دور ہو رہا ہے جیسا کہ اس حدیث مبارک میں ہے:

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی رحمہ اللہ (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ كَعْبِ بْنِ جُرَّادٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحْضَرُوا الْهِنْبَرَ فَحَضَرْنَا، فَلَمَّا ارْتَقَى دَرَجَةً قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةُ الثَّانِيَةَ قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةُ الثَّالِثَةَ قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ مِنَ الْهِنْبَرِ قَالَ: فَقُلْنَا لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَقَدْ سَمِعْنَا الْيَوْمَ مِنْكَ شَيْئًا لَمْ نَكُنْ نَسْمَعُهُ قَالَ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرَضَ لِي فَقَالَ: بَعْدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَقُلْتُ: آمِينَ فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّانِيَةَ قَالَ: بَعْدَ مَنْ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ: آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بَعْدَ مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ الْكَبِيرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدَهُمَا، فَلَمْ يُدْخِلْهُ الْجَنَّةَ - أَطُتْهُ قَالَ - فَقُلْتُ: آمِينَ.

شعب الایمان للبیہقی: ج 2 ص 215 رقم الحدیث 1572

ترجمہ: حضرت کعب بن جحرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ۔ ہم لوگ (قریب قریب) حاضر ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے زینہ پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب دوسرے زینہ پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین، جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین۔ جب آپ علیہ السلام خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے ایسی بات سنی ہے جو پہلے کبھی نہیں سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے۔ جب میں نے پہلے

درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا اور پھر بھی اس کی مغفرت نہیں ہوئی، میں نے کہا: آمین، پھر جب میں دوسرے زینے پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین، جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی حالت میں آئیں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں، میں نے کہا: آمین۔

اس طرح بندے کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کر رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح یہ الفاظ (قرب، بعد اور اقبال) اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جاتے ہیں اسی طرح بندے کے لیے بھی بولے جاتے ہیں البتہ بندے کے حق میں ان الفاظ کا مجازی معنی مراد ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم، مکان اور جہت سے پاک ہے۔ نیز یہ قرب و بعد بھی بغیر کسی کیفیت کے ہے جیسا کہ مسئلہ تفویض کے بیان میں گزرا۔

قَوْلُهُ: وَكَذَلِكَ جَوَارِدُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ.

ترجمہ: اسی طرح فرمانبردار شخص کا جنت میں اللہ کے جوار (ہمسائیگی) میں ہونا اور اس کے روبرو کھڑا ہونا بھی بغیر کسی کیفیت کے ہوتا ہے۔

ما قبل میں چونکہ دو نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے امام صاحب کی عبارت ”وَكَذَلِكَ“ کے مشار الیہ میں بھی دو احتمال ہیں۔ ان دونوں کے مطابق ”وَكَذَلِكَ جَوَارِدُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ“ کے بھی دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

مفہوم اول:

”وَكَذَلِكَ“ سے مراد اول نسخہ کی عبارت ہو (تاویل اجمالی مع عقیدہ تفویض) ہو تو اس صورت میں اس عبارت کا معنی یہ ہو گا کہ جس طرح ”قرب“ کا معنی اعزاز و اکرام اور ”بعد“ کا معنی اذلال ہے اسی طرح وہ آیات و احادیث جن میں بندے کا اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی میں جنت میں ہونے یا اس کے سامنے کھڑا ہونے کا ذکر ہے ان سے مراد بھی حقیقی معنی نہیں ہے بلکہ مجازی معنی بلا کیف مراد ہے۔ چنانچہ آیت ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۶)

سورة المطففين: 6

ترجمہ: جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے مراد حساب کتاب کے لیے حاضر ہونا ہے اور یہ حاضری بلا کیف ہے۔

﴿فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (۵۵)

سورة القمر: 55

ترجمہ: (پرہیزگار لوگ) پاک مقام میں قادرِ مطلق بادشاہ کے پاس ہوں گے۔ اس آیت میں ”عِنْدَ“ (پاس ہونا) سے مراد ”عندیت مکان“ (جگہ کے اعتبار سے قریب ہونا) نہیں بلکہ ”عندیت مکانتہ“ (اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ والا ہونا) مراد ہے اور یہ عندیت بھی بلا کیف ہے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَزِيدُ قَالَ: خَلَقَ اللَّهُ جَنَّةً عَدْنٍ بَيْدَهُ وَدَلَّى فِيهَا ثَمَارَهَا، وَشَقَّى فِيهَا أَنْهَارَهَا، ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهَا فَقَالَ: " قَدْ أَفْلَحَ

الْمُؤْمِنُونَ" قَالَ: وَعِزَّتِي لَا يُجَاوِرُنِي فِيكَ بَخِيلٌ.

المعجم الکبیر للطبرانی: ج 6 ص 96 رقم الحدیث 12555

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا، پھر اس میں پھل پیدا فرمائے، اس میں نہریں جاری فرمائیں، پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: بے شک مومن لوگ کامیاب ہو گئے۔ پھر (جنت کو مخاطب کر کے) فرمایا: میری عزت کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا کہ بخیل آدمی تمہارے اندر رہ کر میری جوار (ہمسائیگی) کا حق دار ہو سکے!

اس حدیث میں ”لَا يُجَاوِرُنِي“ سے مراد جنت میں رحمت الہی کے سایہ میں ہونا ہے لیکن یہ جوار بھی بلا کیف ہو گا۔

مفہوم ثانی:

”وَكَذَلِكَ“ سے مراد ثانی نسخہ کی عبارت ہو (فقط عقیدہ تفویض) ہو تو اس صورت میں عبارت کا معنی یہ ہو گا کہ جس طرح ”قرب“ اور ”بعد“ سے حسی اور مکانی مسافت والا معنی مراد نہیں اور نہ ہی اعزاز و اکرام اور رسوا اور ذلیل کرنے والا مجازی معنی مراد ہے بلکہ وہاں قرب و بعد بلا کیف مراد ہے بالکل اسی طرح وہ آیات اور احادیث جن میں بندے کا اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی میں یا اس کے سامنے کھڑا ہونے کا ذکر ہے ان سے مراد بھی بلا کیف جوار (ہمسائیگی) میں ہونا اور بلا کیف اس کے رو برو کھڑا ہونا ہے۔

قرآن کریم کی تعریف اور آیات قرآن کی فضیلت

وَالْقُرْآنُ مُنْزَّلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ
وَآيَاتُ الْقُرْآنِ فِي مَعْنَى الْكَلَامِ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي الْفَضِيلَةِ وَالْعَظَمَةِ إِلَّا أَنَّ
لِبَعْضِهَا فَضِيلَةً الدِّكْرِ وَفَضِيلَةَ الْمَذْكُورِ مِثْلُ آيَةِ الْكُرْسِيِّ لِأَنَّ الْمَذْكُورَ فِيهَا
جَلَالُ اللَّهِ تَعَالَى وَعَظَمَتُهُ وَصِفَاتُهُ فَاجْتَمَعَتْ فِيهَا فَضِيلَتَانِ؛ فَضِيلَةُ الدِّكْرِ
وَفَضِيلَةُ الْمَذْكُورِ وَلِبَعْضِهَا فَضِيلَةُ الدِّكْرِ فَحَسْبُ مِثْلُ قِصَّةِ الْكُفَّارِ وَلَيْسَ
لِلْمَذْكُورِ فِيهَا فَضْلٌ وَهُمْ الْكُفَّارُ وَكَذَلِكَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي
الْعَظَمَةِ وَالْفَضْلِ لَا تَفَاوُتَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور مصاحف میں لکھا گیا۔
قرآن کریم کی تمام آیات کلام اللہ ہونے کی بناء پر فضیلت و عظمت میں تو باہم مساوی
ہیں البتہ ذکر و مذکور کے اعتبار سے بعض آیات خصوصی فضیلت کی حامل ہیں۔ جیسے
آیت الکرسی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے جلال، عظمت اور صفات کا تذکرہ ہے۔ یوں
اس میں دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں: ایک ذکر کی فضیلت اور دوسری مذکور کی فضیلت۔
بعض آیات کو فقط ذکر ہونے کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہے جیسے وہ آیات جن میں
کفار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان آیات میں جو مذکور ہیں (یعنی کفار) وہ فضیلت کے حامل
نہیں۔ اسی طرح وہ آیات جن میں باری تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ذکر ہے وہ بھی عظمت
اور فضیلت میں باہم مساوی ہیں، (باعتبار فضیلت) ان میں کوئی فرق نہیں۔

کلام کی فضیلت میں بنیادی طور پر دو باتیں ملحوظ ہوتی ہیں:

- (1): یہ دیکھا جائے کہ کس ذات کا کلام ہے؟ متکلم ذات جتنی بلند مرتبہ کی حامل
ہوگی اس کے کلام میں اتنی ہی فضیلت پائی جائے گی۔ عرب کا ایک مقولہ ہے: ”كَلَامُ
الْمُلُوكِ مُلُوكُ الْكَلَامِ“ کہ بادشاہوں کا کلام تمام کلاموں کا بادشاہ ہوا کرتا ہے۔

(2): یہ دیکھا جائے کہ کلام میں کس چیز کا تذکرہ کیا جا رہا ہے؟ مذکور شے کی عظمت سے بھی کلام کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ معروف صحابی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

مَا إِنْ مَدَّحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِي لَكِنْ مَدَّحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

روح المعانی: ج 4 ص 497 تحت الآیہ ”إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ“ المائدة: 44

ترجمہ: میں اپنے شعر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کرتا بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے میری بات قابل تعریف ہو جاتی ہے۔ اس اصول کے پیش نظر قرآن کریم کی آیات کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1: بعض آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت شان، جاہ و جلال، کبریائی اور صفات عالیہ کا تذکرہ ہے۔ یہ آیات دوہری فضیلت کی حامل ہیں۔ ایک فضیلت خود ذکر ہونے کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور دوسری فضیلت مذکور کی کہ مذکور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ہیں۔

2: بعض آیات ایسی ہیں جن میں کفار کے حالات مذکور ہیں جیسے فرعون، ابلیس، دشمنانِ خدا اور دشمنانِ پیغمبر لوگ وغیرہ۔ یہ آیات اکہری فضیلت کی حامل ہیں اور وہ ذکر اللہ ہونے کی فضیلت ہے کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ ان آیات کو دوسری یعنی مذکور کی فضیلت حاصل نہیں ہے کیونکہ مذکور عظمت والا نہیں ہے۔

فائدہ:

”وَكَذَلِكَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ كُلُّهَا مُسْتَوِيَّةٌ فِي الْعِظَمَةِ وَالْفَضْلِ لَا تَعَاوَتْ بَيْنَهُمَا“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات فضیلت و عظمت میں باہم برابر ہیں۔ کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ جس طرح قرآن کریم کی بعض آیات

کو بعض دوسری آیات پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء و صفات کو بعض دوسرے اسماء و صفات پر فضیلت ہے، ایسا نہیں ہے کہ بلکہ تمام اسماء و صفات کی فضیلت و عظمت باہم برابر ہے۔

ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْتَى عَلَى الْكُفْرِ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی وفات حالت کفر پر نہیں ہوئی۔

فائدہ نمبر 1:

الفقہ الاکبر کے کئی نسخے منقول ہیں۔ ان میں اس مقام کی عبارت باہم مختلف

ہے:

۱: وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْتَى عَلَى الْكُفْرِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالت کفر میں ہوا۔

۲: وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْتَى عَلَى الْفُطْرَةِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالت فطرت پر ہوا۔

۳: وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْتَى عَلَى الْكُفْرِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالت کفر میں نہیں ہوا۔

اول نسخہ جس میں حالت کفر پر وفات کی بات کی گئی ہے یہ نسخہ عام طور پر ملتا ہے۔ باقی

دو نسخوں کا تذکرہ علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ (ت 1371ھ) نے کیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں:

وَفِي بَعْضِ النُّسخِ الْمَحْظُوظَةِ: "وَأَبَوَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْتَى

عَلَى الْفِطْرَةِ". وَ"الْفِطْرَةُ" سَهْلَةٌ التَّحْرِيفُ إِلَى "الْكُفْرِ" فِي الْحِطِّ الْكُوفِيِّ وَفِي أَكْثَرِهَا "مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ". كَانَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ يُرِيدُ بِهِ الرَّدَّ عَلَى مَنْ يَزْوِي حَدِيثَ "أَبِي وَأَبُوكَ فِي النَّارِ" وَيَرَى كَوْنَهُمَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، لِأَنَّ انْزَالَ الْمَرْءِ فِي النَّارِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِدَلِيلٍ يَقِينٍ، وَهَذَا الْمَوْضُوعُ لَيْسَ بِمَوْضُوعٍ عَمَلِيٍّ حَتَّى يُكْتَفَى فِيهِ بِالْإِثْبَاتِ الظَّاهِرِ. وَيَقُولُ الْحَافِظُ مُحَمَّدُ الْمُزْتَضَى الزَّيْدِيُّ شَارِحُ الْإِحْيَاءِ وَالْقَامُوسِ فِي رِسَالَتِهِ «الْإِنْتِصَارِ لَوَالِدِي النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ» وَكُنْتُ رَأَيْتُهَا بِحِطِّهِ عِنْدَ شَيْخِنَا أَحْمَدَ بْنِ مُصْطَفَى الْعَبْرِيِّ الْحُلَيْبِيِّ مُفْتَى الْعُسْكِرِ الْعَالِمِ الْمَعْرُوفِ مَا مَعْنَاهُ: إِنَّ النَّاسِخَ لَمَّا رَأَى تَكَرَّرَ "مَا" فِي "مَا مَاتَا" ظَنَّ أَنَّ أَحَدَهُمَا زَائِدَةٌ فَحَذَفَهَا فَذَاعَتْ نُسْخَتُهُ الْخَاطِئَةُ، وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى ذَلِكَ سِيَاقُ الْخَبَرِ لِأَنَّ أَبَا طَالِبٍ وَالْأَبُورِينَ لَوْ كَانُوا بَجْمَعًا عَلَى حُلَّةٍ وَاحِدَةٍ لَجَمِيعُ الثَّلَاثَةِ فِي الْحُكْمِ بِجُمْلَةٍ وَاحِدَةٍ لَا بِجُمْلَتَيْنِ مَعَ عَدَمِ التَّخَالُفِ بَيْنَهُمَا فِي الْحُكْمِ، وَهَذَا رَأْيٌ وَجِيهٌ مِنَ الْحَافِظِ الزَّيْدِيِّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ رَأَى النُّسْخَةَ الَّتِي فِيهَا "مَا مَاتَا" وَإِنَّمَا حَكَى عَنْ رَأْيِهَا وَإِنِّي بِحَمْدِ اللَّهِ رَأَيْتُ لَفْظَ "مَا مَاتَا" فِي نُسْخَتَيْنِ بِدَارِ الْكُتُبِ الْبَصْرِيَّةِ كَمَا رَأَى بَعْضُ أَصْدِقَائِي لَفْظَ "مَا مَاتَا" وَ"عَلَى الْفِطْرَةِ" فِي نُسْخَتَيْنِ قَدِيمَتَيْنِ بِمَكْتَبَةِ شَيْخِ الْإِسْلَامِ الْمَذْكُورَةِ، وَعَلَى الْقَارِئِ بَنَى شَرْحَهُ عَلَى النُّسْخَةِ الْخَاطِئَةِ وَأَسَاءَ الْأَكْثَرُ، سَأَلْتُهُ اللَّهُ.

مقدمہ الکوشی علی کتاب العالم والمتعلم لابن حنیفہ: ص 7 ص 8

ترجمہ: بعض مخطوط نسخوں میں یہ الفاظ ہیں "وَأَبَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى الْفِطْرَةِ"۔ لفظ "الْفِطْرَةُ" خط کوفی میں آسانی کے ساتھ لفظ "الْكُفْرِ" میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اکثر نسخوں میں "مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ" کے الفاظ ہیں۔ گویا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو "أَبِي وَأَبُوكَ فِي النَّارِ" والی

حدیث نقل کر کے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جہنمی ہیں۔ (ان لوگوں کا یہ موقف درست نہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں جہنمی ہونے کا عقیدہ رکھنا دلیل یقینی سے ہی ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ عملی موضوع نہیں کہ جس میں دلیل ظنی کافی ہو جائے۔ حافظ محمد مرتضیٰ زبیدی شارح احیاء العلوم اور صاحب قاموس اپنے رسالہ ”الْإِتِّصَارُ لِوَالِدَيْ النَّبِيِّ الْمُحْتَارِ“ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ احمد بن مصطفیٰ العمری الجلی جو عسکر العالم کے مفتی ہیں اور معمر عالم شخصیت ہیں، ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر دیکھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نسخہ لکھنے والے نے جب یہ دیکھا کہ ”مَا مَا“ میں لفظ ”مَا“ دو مرتبہ ہے تو اس نے یہ سمجھا کہ ایک ”مَا“ زائد ہے اس لیے اس نے ایک ”مَا“ حذف کر دیا۔ پھر یہی غلط نسخہ عام ہو گیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس عبارت کے سیاق میں ابوطالب کا تذکرہ ہے۔ اگر ابوطالب اور والدین مصطفیٰ کا حکم ایک جیسا ہو تا تو باوجودیکہ دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں سب کو ایک جملہ میں ہی نقل کیا جاتا کہ دو جملوں میں۔ حافظ زبیدی کی یہ رائے بہت عمدہ ہے مگر انہوں نے بھی ”مَا مَا“ کا نسخہ خود نہیں دیکھا تھا بلکہ جنہوں نے اصل نسخہ دیکھا تھا حافظ زبیدی نے ان سے نقل کیا ہے۔ لیکن الحمد للہ میں نے ”مَا مَا“ کے دو نسخے دارالکتب المصریہ میں دیکھے ہیں جس طرح میرے بعض دوستوں نے ”مَا مَا“ اور ”عَلَى الْفِطْرَةِ“ کے دو قدیم نسخے مکتبہ شیخ الاسلام مصر میں دیکھے ہیں۔ ملا علی قاری نے اپنی شرح اسی خطا والے نسخے کی بنیاد پر لکھی ہے اور مقام ادب کا لحاظ نہ رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے۔

فائدہ نمبر 2:

ہمارے سامنے شارح الفقہ الاکبر امام ابو المنہتی شہاب الدین احمد بن محمد

المَغْنِيسَاوِي الرَّوْمِي الْحَنْفِي رَحِمَهُ اللّٰهُ (ت 1000ھ) کی تالیف ”شرح الفقہ الاکبر“ کا ایک مخطوط نسخہ ہے۔ اس میں متن کی عبارت یوں ہے:

وَوَالِدَا رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْتِي فِي فَتْوَةِ الْوَحْيِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال فترت وحی کے زمانہ میں ہوا۔

اس نسخہ میں صراحتاً کفر پر وفات کا ذکر نہیں۔

فائدہ نمبر 3:

ملا علی بن سلطان محمد القاری اللہ (ت 1014ھ) کا پہلے یہ خیال تھا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ موقف رکھتے ہیں کہ ان کی وفات حالت کفر میں ہوئی تھی۔ اس پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام ”ادلۃ معتقد ابی حنیفہ“ رکھا۔ بعد میں اس موقف سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے تین سال قبل سن 1011ھ میں قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض مالکی رحمہ اللہ (ت 544ھ) کی ”کتاب الشفاء“ کی شرح لکھی تو اس میں اپنے پہلے موقف سے رجوع فرمالیا۔ شرح الشفاء میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا إِسْلَامُ أَبِيهِ فَفِيهِ أَقْوَالٌ وَالْأَصَحُّ إِسْلَامُهَا عَلَى مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْأَجَلَّةُ مِنَ الْأُمَّةِ كَمَا بَيَّنَّاهُ السَّبُوطِيُّ فِي رِسَالَتِهِ الثَّلَاثِ الْمَوْلَفَةِ.

شرح الشفاء لعلی القاری: ج 1 ص 601

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ مسلمان تھے کیونکہ امت کے جلیل القدر ائمہ کا یہی موقف ہے جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے تین رسائل میں اس موقف کو بیان

کیا ہے۔

فائدہ نمبر 4:

ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتب

[1]: علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی رحمہ اللہ (ت 911ھ) نے اس مسئلہ پر چھ رسائل تحریر فرمائے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ رسائل یہ ہیں:

۱: الْمَقَامَةُ السُّنْدُوسِيَّةُ فِي النَّسَبَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ

۲: الدَّرَجُ الْمُنِيفَةُ فِي الْأَبَاءِ الشَّرِيفَةِ

۳: مَسَائِلُ الْخُتَفَاءِ فِي الْوَلَدِ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴: نَشْرُ الْعُلَمَاءِ الْمُنِيفِينَ فِي أَحْيَاءِ الْأَبَوَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ

۵: التَّعْظِيمُ وَالْمِنَّةُ فِي أَنَّ أَبَوَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ

۶: السُّبُلُ الْجَلِيلَةُ فِي الْأَبَاءِ الْعُلِيِّ

یہ چھ رسائل ”الکتابۃ العصریۃ ببیروت“ سے ایک جلد میں شائع ہو چکے ہیں۔

[2]: علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی المعروف مرتضیٰ الزبیدی رحمہ اللہ (ت 1205ھ) نے ایمان ثابت کرنے کے لیے ایک رسالہ لکھا جس کا نام ”الْإِنْتِصَارُ لِوَلَدِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ“ ہے۔

[3]: علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (ت 1225ھ) نے رسالہ لکھا:

”تَقْدِيسُ وَالِدِ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

یہ عربی رسالہ اردو ترجمہ بنام ”تقدیس والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم“

کے ساتھ شاہ نفیس اکیڈمی لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

[4]: مولانا عبدالحق ملتانی رحمہ اللہ (ت 1386ھ) [تقسیم ہند سے قبل مدرس دارالعلوم دیوبند، تقسیم کے بعد مدرس جامعہ عباسیہ بہاولپور، بعدہ شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان، بعدہ بانی، صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا] نے رسالہ لکھا:

”رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جنتی ہیں“

مکتبہ حقانیہ ملتان سے شائع ہو چکا ہے۔

فائدہ نمبر 5:

مذکورہ نسخوں کے پیشِ نظر ہم نے بھی راجح متن یہی لکھا ہے: ”وَوَالِدَا

رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مَا مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ“

فائدہ نمبر 6:

اگر کسی مسئلہ میں اکابرین امت کا اختلاف ہو تو وہ رائے عام کی جائے جو

امت کے لیے زیادہ مفید ہو۔

جناب ابوطالب کی وفات

وَأَبُو طَالِبٍ عَمُّهُ مَاتَ كَافِرًا.

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کافر ہونے کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔

جناب ابوطالب؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ کفار جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی کوشش کرتے تو ابوطالب آپ کی حمایت کرتے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت مدد کی۔ دادا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی کفالت میں رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے بہت احسانات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بارے میں صحیح عقیدہ یہی ہے کہ ان کا اسلام لانا ثابت نہیں۔ یہ موقف دلائل سے ثابت ہے۔ البتہ اس قول کے علاوہ ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے اور سوئے ادبی سے پرہیز کیا جائے۔

چند دلائل ملاحظہ ہوں:

(1): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ: أَمَى عَمَّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أَحْبَبْتُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ

تَرَعْبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِيهِ حَتَّى قَالَ آخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أَنُحِ عَنْهُ فَتَزَلْتُ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَى قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ" وَتَزَلْتُ "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ"

صحیح البخاری: رقم الحدیث 3884

ترجمہ: حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل بھی بیٹھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: اے میرے چچا! لا الہ الا اللہ کلمہ پڑھ لیجیے تاکہ میں اس کلمے کے ذریعے اللہ کے ہاں آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے: اے ابو طالب! کیا آپ عبد المطلب کے دین سے منحرف ہو جائیں گے؟ وہ یہ بات مسلسل کہتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے اپنی آخری بات یہ کہی کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جب تک روکا نہ گیا تو اس وقت تک میں اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ یہ ہے کہ) نبی اور دوسرے مومنین کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ جہنمی لوگ ہیں۔ نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی: (ترجمہ یہ ہے کہ) آپ جس کو خود ہدایت دینا چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔

(2): امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ عِنْدَهُ
عَمَّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ: لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَجْعَلُ فِي خَصَصَاحِ
مِنْ نَارٍ يَبْلُغُ كَعَبْيِهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 210

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابوطالب کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے انہیں نفع پہنچے گا تو انہیں مقام خصصاح میں لے جایا جائے گا جہاں آگ میں ان کے پاؤں ہوں گے جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔ ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب کی وفات حالت ایمان میں نہیں ہوئی۔

فائدہ:

قرآن کریم کی آیت "خُلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ" (سورة البقرة: 162) سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی جبکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور (رقم الحدیث 210) سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے۔ اس تعارض کا جواب ماقبل میں گزر چکا ہے۔ وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَقَاسِمٌ وَطَاهِرٌ وَإِبْرَاهِيمُ كَانُوا بَنِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَفَاطِمَةُ وَرُقَيْيَةُ وَزَيْنَبُ وَأُمُّ كُلثُومٍ كُنَّ بِحَيْعَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: قاسم، طاہر اور ابراہیم؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں اور
فاطمہ، رقیہ، زینب اور ام کلثوم یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں
ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد کی نعمت سے نوازا تھا۔ آپ کے
تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ان کے مختصر حالات یہ ہیں:

قاسم:

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بیٹے ہیں۔ نبوت ملنے سے پہلے پیدا
ہوئے تھے۔ رائج قول کے مطابق سترہ ماہ کے ہو کر فوت ہوئے۔ اسی کی طرف نسبت
کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ”ابو القاسم“ تھی۔

طاہر:

آپ دوسرے بیٹے ہیں۔ آپ قاسم کے بعد پیدا ہوئے۔ انہیں ”عبد اللہ“
اور ”طیب“ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا انتقال بھی بچپن ہی میں دو سال کی عمر میں ہوا۔

ابراہیم:

تیسرے بیٹے ابراہیم ہیں۔ ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں سنہ 8 ہجری میں

ہوئی۔ ان کی پیدائش پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ ان کا انتقال بھی سولہ یا سترہ ماہ کی عمر میں مدینہ میں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی وفات پر سخت دکھ کا اظہار فرمایا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا:

آپ سب سے بڑی بیٹی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس سال پہلے ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کی پیدائش کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ ان کی شادی حضرت ابو العاص لقیط بن الربیع رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو حضرت زینب ایمان لائیں لیکن ان کے خاوند ایمان نہ لائے۔ جب جنگ بدر ہوئی تو ابو العاص اس میں گرفتار ہو کر مدینہ آئے۔ حضرت زینب باوجود مسلمان ہوتے ہوئے ابھی تک مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھیں۔ ابو العاص نے مدینہ سے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں تاکہ یہ اس کے بدلے آزاد ہو سکیں۔ حضرت زینب کے پاس ایک قیمتی ہار تھا جو انہیں ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ حضرت زینب نے فدیہ کی رقم کے ساتھ وہ ہار بھی اپنے گلے سے اتار کر مدینہ بھیج دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جب اس ہار پر پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو میں اپنی بیٹی کو اس کی ماں کی یاد گاریہ ہار واپس کر دوں۔ یہ سن کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سر تسلیم خم کیا اور یہ ہار حضرت زینب کے پاس واپس مکہ بھیج دیا گیا۔ ابو العاص کی رہائی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ لیا کہ مکہ پہنچ کر میری بیٹی کو میرے پاس مدینہ

منورہ بھیج دیں! انہوں نے وعدہ کے مطابق حضرت زینب کو اپنے بھائی کنانہ کی حفاظت میں مدینہ بھیج دیا۔ بالآخر حضرت ابو العاص نے بھی 7 ہجری میں اسلام قبول کیا اور مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال سن 12 ہجری میں ہوا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا:

آپ دوسری بیٹی ہیں۔ آپ عمر میں حضرت زینب سے تین سال چھوٹی ہیں۔ اعلان نبوت سے سات سال قبل پیدا ہوئیں۔ ان کی ولادت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 33 سال تھی۔ ان کا پہلا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے ہوا تھا۔ جب سورت ”تَبَّتْ يَدَايِیْ لَهَبٍ وَتَبَّ“ نازل ہوئی تو ابو لہب اس پر غصہ ہوا۔ اس نے بیٹے کو حکم دیا تو اس نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔ یہ صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی ابھی نہ ہوئی تھی۔ بعد میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا گیا۔ دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ آپ کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام عبد اللہ تھا، بچپن میں ہی اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ سن 2 ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا:

آپ تیسری بیٹی ہیں۔ حضرت رقیہ سے ایک سال چھوٹی ہیں۔ اعلان نبوت سے 6 سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کی ولادت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 34 سال تھی۔ ان کا پہلا نکاح ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا لیکن اس نے طلاق دے دی تھی۔ یہ بھی صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی نہ ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔

سن 9 ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا:

آپ سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ بعثت کے پانچویں سال میں مکہ مکرمہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاطمہ میری جان کا ٹکڑا ہے، پس جس نے اسے ناراض کیا تو گویا اس نے مجھے ناراض کیا۔ آپ کے ہاں تین بیٹے؛ حسن، حسین اور دو بیٹیاں؛ زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے چھ ماہ بعد انتقال فرما گئیں۔

علم توحید کے مسائل سمجھنے میں دشواری کا حل

وَإِذَا أَشْكَلَ عَلَى الْإِنْسَانِ شَيْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ التَّوْحِيدِ فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى إِلَى أَنْ يَجِدَ عَالِمًا فَيَسْأَلُهُ وَلَا يَسْعُهُ تَأْخِيرُ الظَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِيهِ وَيُكْفَرُ إِنْ وَقَفَ فِيهِ.

ترجمہ: انسان کو اگر علم توحید کے مسائل (جو ذات و صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں) سمجھنے میں دشواری پیش آئے تو اسے چاہیے کہ فی الحال تو یہ عقیدہ رکھے کہ اس مسئلہ میں جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں درست ہے بس میرا بھی وہی عقیدہ ہے تاوقتیکہ اسے کوئی عالم مل جائے تو اس سے صحیح عقیدہ معلوم کر لے۔ اس کے لیے ان مسائل میں کسی قسم کی تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص ان مسائل میں توقف اختیار کرے تو اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہو گا بلکہ اس بارے میں توقف کرنے والے شخص پر فتویٰ کفر لگایا جائے گا۔

عقائد؛ دین کی بنیاد ہیں۔ انہی پر اسلام کی عمارت کا دار و مدار ہے۔ اگر بنیاد موجود نہ ہو تو عمارت کا وجود ممکن نہیں۔ اسی طرح اگر عقائد موجود نہ ہوں تو اسلام کی عمارت بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ لہذا عقائد کو اہمیت کے ساتھ سیکھنا ہر شخص پر لازم ہے۔ اگر کبھی ایسا معاملہ پیش آجائے کہ انسان کو عقائد خصوصاً توحید کا کوئی دقیقہ سمجھ میں نہ آ رہا ہو تو اسے چاہیے کہ اس عقیدہ کے متعلق اجمالاً یہ اعتقاد رکھے کہ جو موقف اس بارے میں حق و صواب ہے میں وہی اختیار کرتا ہوں۔ ساتھ ساتھ اس دقیقہ کو حل کرنے کے لیے کسی عالم کی طرف رجوع کرنا بھی لازم ہے۔ عقائد کے معاملہ میں کسی قسم کی تاخیر برداشت نہیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص عقائد ضروریہ کے معاملہ میں سستی سے کام لے یا عقائد سمجھنے میں توقف و تاخیر کا مظاہرہ کرے تو ایسے

شخص کو کافر قرار دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ توقف کرنے سے اس عقیدہ میں شک پیدا ہو گا کہ آیا صحیح موقف کیا ہے! اور شک کرنا انکار کے مترادف ہے۔ اس لیے عقائد کے باب میں خوب توجہ سے کام لینا چاہیے۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

وَحَبْرُ الْبِعْرَاجِ حَقٌّ مَنْ رَدَّاهُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ.

ترجمہ: واقعہ معراج برحق ہے۔ جو شخص اس کا انکار کرے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔

واقعہ معراج:

معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز بھی ہے اور اعجاز بھی ہے۔ اعزاز اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہیں اور ابو جہل اس کائنات کا سب سے گھٹیا انسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بڑا ہونے کے باوجود کائنات کے سب سے چھوٹے شخص کی زیادتی کو اللہ تعالیٰ کے لیے برداشت کیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کا بدلہ یہ دیا کہ عرش جس کے اوپر کوئی اور مکان نہیں، تک لے جا کر آپ کو عزت دی ہے۔ یہ اعزاز ہے۔

معراج: اعجاز بھی ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی نشانی ہے جس نے دوسروں کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دیا ہے۔

سفر معراج نبوت کے گیارہویں سال میں ہوا۔ رائج قول کے مطابق رجب کی 27 ویں تاریخ تھی۔

سفر معراج کے حصے:

یہ سفر دو حصوں پر مشتمل ہے:

- 1: مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، اسے ”اسراء“ کہتے ہیں۔
- 2: بیت المقدس سے لے کر ملا اعلیٰ تک، اسے ”معراج“ کہتے ہیں۔

پہلے حصے کا ذکر قرآن مجید میں ہے (سورۃ الاسراء: 1) اور دوسرے حصے کا ذکر احادیث متواترہ میں ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر براق کے ذریعے ہوا اور بیت المقدس سے آگے تک کا سفر سیڑھی کے ذریعے ہوا۔

اس سفر کا آغاز یوں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ یکایک چھت پھٹی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کو جگایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے۔ وہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں لیٹے اور سو گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کیا اور زمزم کے کنویں پر لے گئے۔ وہاں لٹا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکالا اور زمزم کے پانی سے دھویا۔ ایک سونے کا تشت لایا گیا جس میں ایمان و حکمت بھرا ہوا تھا۔ اس ایمان و حکمت سے آپ کے مبارک سینے کو بھر دیا گیا اور پھر سینہ کو سی دیا گیا۔ بعد ازاں براق لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سوار کیا گیا۔ براق پر سفر شروع ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے بیت المقدس پہنچے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ، مدین، طور سیناء اور بیت اللحم اترے اور جبرائیل امین علیہ السلام کے کہنے پر ان مقامات میں دو دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

اس زمینی سفر میں کئی واقعات پیش آئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان ناخنوں کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں

نے جواب دیا کہ یہ غیبت کرنے والے لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو نہر میں تیر رہا تھا اور پتھروں کو لقمہ بنانا کر کھا رہا تھا۔ پوچھنے پر حضرت جبرائیل امین نے بتایا کہ یہ سود خور ہے۔ غرض اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے۔

بیت المقدس پہنچنے پر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھی۔ تمام انبیاء علیہم السلام پہلے ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں موجود تھے۔ ایک مؤذن نے اذان دی، پھر اقامت کہی۔ تمام انبیاء علیہم السلام صف باندھ کر انتظار میں کھڑے تھے کہ کون امامت کرے گا؟! حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ انبیاء علیہم السلام کی یہ نماز روح مع الجسد تھی۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ کے ہمراہ آسمانوں کی طرف عروج فرمایا۔ آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت اوریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا جو ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک جاتی ہے پھر وہاں سے اوپر اٹھائی جاتی ہے اور مالا علیٰ سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آکر ٹھہر جاتی ہے، پھر وہاں سے نیچے اترتی ہے۔ اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل مجدہ کے عجیب و غریب انوارات و تجلیات کا مشاہدہ کیا اور بے شمار فرشتے اور سونے کے پتنگے دیکھے جو

سدرۃ المنتہیٰ کو گھیرے ہوئے تھے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور جہنم دکھائی گئی۔ اس کے بعد مقام صریف الاقلام پر پہنچے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے صریف الاقلام کہتے ہیں۔ ملائکہ امور الہیہ کی کتابت کر رہے تھے اور احکام خداوندی کو لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔

مقام صریف الاقلام سے آگے چل کر حجاب طے کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں پہنچے، یہاں دیدار خداوندی اور بلا واسطہ ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے کی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں تحفہ دیں؛

(۱) پانچ وقت کی نمازیں

(۲) نواتیم سورۃ البقرۃ یعنی سورۃ البقرہ کی آخری آیتوں کا مضمون

(۳) یہ کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے کبیرہ گناہوں سے درگزر فرمائے گا یعنی کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ ڈالے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے سزا دیے بغیر یا قانونِ عدل سے سزا دے کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

اس کے بعد آسمانوں سے واپسی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاً بیت المقدس میں اترے۔ وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح ہونے سے پہلے ہی مکہ پہنچ گئے۔ صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا تو لوگ حیران ہو گئے، بعض نے تالیاں بجائیں اور ازراہِ تعجب کہا کہ ایک رات میں اتنا لمبا سفر کیسے طے ہو سکتا ہے؟! جن لوگوں نے بیت المقدس دیکھا ہوا تھا تو وہ اس کے متعلق سوال کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حجابات اٹھا کر بیت المقدس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے کر دیا اور آپ نے ان لوگوں کے سوالات کے صحیح صحیح جوابات دیے۔

معراج کے منکر کا حکم:

سفر معراج کے دو حصے ہیں:

1: بیت اللہ سے لے کر بیت المقدس تک

2: بیت المقدس سے لے کر آسمانوں تک

پہلا حصہ نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ دوسرا حصہ خبر مشہور سے ثابت ہے اور اس کا منکر کافر نہیں بلکہ مبتدع اور گمراہ ہے۔

✽ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری الحنفی المعروف ابن الہمام رحمہ اللہ (ت 861ھ) لکھتے ہیں:

وَمُنْكَرُ الْمِعْرَاجِ إِنْ أَنْكَرَ الْإِسْرَاءَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدَسِ فَكَافِرٌ وَإِنْ أَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ مِنْهُ مُبْتَدِعٌ أَنْتَهَى مِنَ الْخُلَاصَةِ.

فتح القدیر لابن الہمام: ج 1 ص 350 کتاب الصلاة۔ فصل فی القراءة ترجمہ: معراج کے منکر کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ (بیت اللہ سے لے کر) بیت المقدس تک کے سفر کا منکر ہے تو ایسا شخص کافر ہے اور اگر معراج (یعنی بیت المقدس سے لے کر آسمانوں تک کے سفر) کا منکر ہے تو بدعتی ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں بھی یہی مذکور ہے۔

✽ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَمَنْ أَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ يُنْظَرُ إِنْ أَنْكَرَ الْإِسْرَاءَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَهُوَ كَافِرٌ وَإِنْ أَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَا يَكْفُرُ.

فتاویٰ عالمگیری: ج 841 کتاب الصلاة الباب الخامس فی الامامة ترجمہ: معراج کا منکر اگر مکہ سے لے کر بیت المقدس تک کے سفر کا منکر ہے تو کافر ہے اور اگر بیت المقدس سے آگے (آسمانوں تک) کے سفر کا منکر ہے تو کافر نہیں ہے

(بلکہ مبتدع اور فاسق ہے)۔

فائدہ نمبر 1:

بعض حضرات نے معراج کے تین حصے بیان فرمائے اور ہر ایک کا حکم الگ بیان فرمایا۔ تفصیل یہ ہے:

- 1: بیت اللہ سے بیت المقدس کا سفر۔ اس کا منکر کافر ہے۔
- 2: بیت المقدس سے آسمان دنیا تک کا سفر۔ اس کا منکر بدعتی اور گمراہ ہے۔
- 3: آسمان دنیا سے جنت و عرش تک کا سفر۔ اس کا منکر فاسق ہے۔

چنانچہ شیخ احمد بن ابی سعید ”ملائیون“ رحمہ اللہ (ت 1130ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَهْلُ السُّنَّةِ بِأَجْمَعِهِمْ: إِنَّ الْمَعْرَاجَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى قَطْعِيٌّ
ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ وَإِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا ثَابِتٌ بِالْخَبَرِ الْمَشْهُورِ وَإِلَى مَا فَوْقَهُ مِنَ
السَّمَاوَاتِ ثَابِتٌ بِالْأَحَادِثِ وَمُنْكَرُ الْأَوَّلِ كَافِرٌ أَلْبَنَّةٌ وَمُنْكَرُ الثَّانِي مُبْتَدِعٌ مُضِلٌّ
وَمُنْكَرُ الثَّالِثِ فَاسِقٌ.

التفسيرات الاحمدية: ص 503 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل

ترجمہ: تمام اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ (بیت اللہ سے) بیت المقدس تک سفر معراج کتاب اللہ سے، وہاں سے آسمان دنیا تک سفر کرنا خبر مشہور سے اور وہاں سے آگے آسمانوں تک سفر کرنا خبر آحاد سے ثابت ہے۔ اس لیے جو پہلی قسم کا منکر ہو وہ کافر ہے، جو دوسری قسم کا منکر ہو وہ بدعتی ہے اور جو تیسری قسم کا منکر ہو وہ فاسق و گناہگار ہے۔

فقہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (ت 1416ھ) فرماتے ہیں:

”معراج جسمانی مسجد اقصیٰ تک بحالت یقظہ نص قطعی سے ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے اور سماء دنیا تک خبر مشہور سے ثابت ہے اس کا منکر مضل اور مبتدع ہے

اور سماء دنیا سے آگے جنت و عرش وغیرہ تک خبر واحد سے ثابت ہے اس کا منکر فاسق ہے۔“

فتاویٰ محمودیہ: ج 1 ص 395 باب ما يتعلق بالانبياء وآثارهم

فائدہ نمبر 2:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے معراج کے ایک حصہ کا حکم بیان فرمایا، باقی کا بیان نہیں فرمایا۔

علاماتِ قیامت کا بیان

وَحُرُوجُ الدَّجَالِ وَيَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَطُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَسَائِرُ عَلَامَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلَى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ حَقٌّ كَائِنٌ.

ترجمہ: دجال اور یاجوج ماجوج کا نکلنا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا، اسی طرح باقی علاماتِ قیامت جو صحیح روایات میں وارد ہوئی ہیں برحق ہیں اور ضرور واقع ہوں گی۔

علاماتِ قیامت دو قسم کی ہیں؛ علاماتِ صغریٰ اور علاماتِ کبریٰ۔

”علاماتِ صغریٰ“ سے مراد وہ علامتیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد تک وقوع پذیر ہوں گی۔ ان میں سے کچھ علامات ظاہر ہو چکی ہیں اور کچھ باقی ہیں۔

”علاماتِ کبریٰ“ سے مراد وہ علامتیں ہیں جو حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد سے لے کر نفعِ اولیٰ تک ظاہر ہوں گی۔

علامات صغریٰ: کئی احادیث مبارکہ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ دو احادیث ملاحظہ ہوں:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْوهُ أَحَدٌ بَعْدِي سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تَقُومُوا السَّاعَةَ - وَإِنَّمَا قَالَ: مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ - أَنْ يُزْفَعَ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الرِّثَا وَيَقْلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتَّى يَكُونَ لِلْخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6808

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا کہ میرے بعد اسے کوئی نہیں بیان کرے گا۔ میں نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یا یوں فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم ختم ہو جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی، شراب پی جانے لگے گی اور زنا عام ہو جائے گا، مرد کم ہو جائیں گے اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری لینے والا ایک ہی مرد رہ جائے گا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا اتَّخَذَ الْفَقِيءُ دُولًا وَالْأَمَانَةُ مَعْمًا وَالزُّكُوةُ مَعْرَمًا وَتُعْلَمَ لِغَيْرِ

الدِّينَ وَأَطَاعَ الرَّجُلَ أَمْرَاتِهِ وَعَقَّى أُمَّهُ وَأَذْنَى صَدِيقَهُ وَأَقْصَى أَبَاهُ وَظَهَرَتْ
الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيلَةَ فَاسْقَهُمْ وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ
وَأَكْرَمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَظَهَرَتْ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَارِفُ وَشَرَّ بَيْتِ الْخُمُورِ وَلَعَنَ
آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوْلَاهَا فَلْيَتَوَقَّبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا
وَقَدْغًا وَآيَاتٍ تَتَابَعُ كَيْنَظَامٍ بِإِلِّ قُطْعٍ سِلْكُهُ فَتَتَابَعُ".

جامع الترمذی: رقم الحدیث 2211

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: جب مال فتنے کو ذاتی دولت، امانت کو مال غنیمت، زکوٰۃ کی ادائیگی کو
تاوان سمجھا جائے، دین کی تعلیم کسی اور مقصد کے لیے حاصل کی جائے، آدمی اپنی
بیوی کی فرمانبرداری کرے اور اپنی والدہ کی نافرمانی کرے، دوست کو قریب کرے اور
اپنے والد کو دور کرے، مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں، قبیلہ کا بدکار آدمی قوم کی
سرمداری کرے، قوم کا ذمہ دار ان کا کمینہ شخص ہو، آدمی کی عزت اس کے شر کے
خوف سے کی جائے، گانے والی عورتیں اور باجے عام ہو جائیں، شراب بکثرت پی جائے
اور اس امت کے آخری دور کے لوگ اپنے سے پہلے والوں پر لعنت بھیجیں تو اس وقت
تم سرخ آندھی، زلزلے، زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے، آسمان سے پتھر
برسنے اور ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو اس بار کی لڑی کی طرح مسلسل ظاہر ہوں گی جس
کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو اور اس کے دانے پے درپے گرنے لگیں۔

ان روایات سے قیامت کی علامات صغریٰ یہ معلوم ہوتی ہیں:

1: علم کا ختم ہو جانا اور جہالت کا پھیل جانا

2: شراب کا بکثرت پیا جانا

3: زنا کا عام ہونا

- 4: مردوں کی تعداد کم جبکہ عورتوں کی تعداد کا زیادہ ہونا
- 5: مال غنیمت کو ذاتی مال سمجھنا
- 6: امانت میں خیانت کرنا
- 7: زکوٰۃ کی ادائیگی کو تاوان اور بوجھ سمجھنا
- 8: دینی تعلیم کو دنیوی مقصد کے لیے حاصل کرنا
- 9: بیوی کی بات ماننا اور والدہ کی نافرمانی کرنا
- 10: دوست کو قریب کرنا اور والد سے دوری اختیار کرنا
- 11: مساجد میں شور و غل کی آوازیں بلند ہونا
- 12: قبیلہ کی سرداری بدکار آدمی کے ہاتھ آنا
- 13: کمینوں کا قوم کا ذمہ دار بننا
- 14: شریر لوگوں کی عزت ان کے شر سے بچنے کے لیے کیا جانا
- 15: گانے اور موسیقی کے آلات کا عام ہونا
- 16: امت کے آخری دور کے لوگوں کا پہلے دور کے لوگوں پر لعنت کرنا

علامات کبریٰ:

قیامت کی علامات کبریٰ دس ہیں۔ اختصار سے ذکر کی جاتی ہیں:

1: حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد

حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے پہلی نشانی ہے۔ آپ کا نام محمد اور والد کا نام عبد اللہ ہوگا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔ سیرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے یعنی ان کے اخلاق و اطوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوں گے البتہ صورت اور شکل و

شباہت میں مشابہ نہیں ہوں گے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوں گے۔ مکہ مکرمہ میں ان کا ظہور ہوگا، شام اور عراق کے اولیاء اور ابدال بیت اللہ کے طواف کے دوران انہیں پہچان لیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ پہلے ان کی حکومت عرب میں ہوگی پھر ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ ان کے دور حکومت میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ آپ کا عمل شریعت محمدیہ کے مطابق ہوگا۔ آپ کے زمانہ میں دجال نکلے گا اور انہی کے زمانہ بادشاہت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر فجر کی نماز کے قریب نازل ہوں گے اور امام مہدی کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے۔ امام مہدی؛ عیسائیوں سے جہاد کریں گے اور قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ بیت المقدس میں آپ کا انتقال ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے اور آپ بیت المقدس ہی میں دفن ہوں گے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ رحمہ اللہ (ت 273ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رَحِمَهُ اللَّهُ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَتَذَاكَرْنَا الْمَهْدِيَّ، فَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "الْمَهْدِيُّ مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ"

سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 4086

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت مہدی کا تذکرہ ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ مہدی میری بیٹی فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سوریہ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
 "لَا تَذْهَبِ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ السُّمَى."
 سنن الترمذی: رقم الحدیث 2230

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص عرب پر حکومت نہ کر لے، اس شخص کا نام میرے نام کی طرح ہوگا۔
 امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ (ت 275ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَكُونُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيفَةٍ فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ هَارِبًا إِلَى مَكَّةَ فَيَأْتِيهِ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَيَخْرِجُونَهُ وَهُوَ كَارِهٌ فَيَبْأِيعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ مِنَ الشَّامِ فَيُخَسِّفُ بِهِمُ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذَلِكَ أَتَاهُ أَهْلُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَيَبْأِيعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ ثُمَّ يَنْشَأُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ أَخْوَالُهُ كُلُّهُمْ فَيُبْعَثُ إِلَيْهِمْ بَعْثًا فَيُظْهِرُونَ عَلَيْهِمْ وَذَلِكَ بَعْثٌ كُلُّهُ وَالْحَبِيبَةُ لَمَنْ لَمْ يَشْهَدْ غَيْبَةَ كُلِّهِمْ فَيُقَسِّمُ الْمَالَ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُلْقِي الْإِسْلَامَ مُجْرَاهُ إِلَى الْأَرْضِ فَيَلْبِثُ سَبْعَ سِنِينَ ثُمَّ يَتَوَفَّى وَيُصَلَّى عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4286

ترجمہ: حضرت ام سلمہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک خلیفہ کی وفات کے وقت امت میں اختلاف ہو گا (کہ کس کو خلیفہ بنائیں) تو ایک شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ نکلے

گا تو مکہ والوں میں سے کچھ لوگ ان کے پاس آئیں گے انہیں باہر لائیں گے (یعنی وہ کسی گھر میں ہوں گے تو لوگ وہاں سے ان کو باہر لائیں گے) حالانکہ یہ بات انہیں ناپسند ہو گی۔ یہ لوگ ان کے ہاتھ پر مقام ابراہیم اور حجرِ اسود کے درمیان بیعت کریں گے۔ (بیعت کے بعد) ان کی طرف شام سے ایک لشکر روانہ ہو گا لیکن اسے مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیداء میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ یہ منظر دیکھیں گے تو پھر ان کے پاس ابدالِ شام اور اہل عراق کی جماعتیں آنا شروع ہوں گی اور رکنِ یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت کریں گی۔ پھر قریش میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا نھیال قبیلہ بنو کلب ہوں گے، وہ شخص ان کی طرف ایک لشکر بھیجے گا تو یہ (یعنی امام مہدی کا لشکر) ان پر غالب آئیں گے۔ یہی بنی کلب کا لشکر ہو گا۔ ناکام رہے وہ شخص جو بنو کلب کے مال غنیمت میں حاضر نہ ہو! وہ شخص (یعنی امام مہدی) مال غنیمت تقسیم کریں گے اور لوگوں میں ان کے نبی کی سنت کو جاری کریں گے۔ اس وقت اسلام اپنی گردن زمین میں ڈال دے گا (یعنی جس طرح اونٹ جب سکون سے بیٹھتا ہے تو اپنی گردن زمین پہ بچھا دیتا ہے، اسی طرح یہ دور بھی اسلام کے لیے امن و سکون کا دور ہو گا) وہ (یعنی امام مہدی) سات سال تک حکمرانی کریں گے۔ پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ".

صحیح مسلم: رقم الحدیث 155

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری خوشی کا اس وقت کیا عالم ہو گا جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

وَسَيَخْرُجُ مِنْ صَلْبِهِ رَجُلٌ يُسَمَّى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشَبِّهُهُ فِي الْخُلُقِ وَلَا يُشَبِّهُهُ فِي الْخَلْقِ.

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4290

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ایسا شخص پیدا ہو گا جس کا نام تمہارے پیغمبر کے نام جیسا ہو گا۔ وہ اخلاق و اطوار میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو گا لیکن شکل و شبہت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں ہو گا۔

2: دجال کا نکلنا

دجال کا نکلنا دوسری بڑی علامت ہے جو احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ ”دجال“ ایک خاص کافر شخص کا نام ہے جو قوم یہود سے ہو گا اور ”مسیح“ اس کا لقب ہو گا۔ اس کی ایک آنکھ میں انگور کے دانے کے برابر ناخنہ ہو گا، دونوں آنکھوں کے درمیان ”ک ف ر“ لکھا ہو گا۔

دجال کا خروج اس زمانے میں ہو گا جب امام مہدی علیہ الرضوان نصاریٰ سے جہاد کرتے ہوئے قسطنطنیہ کو فتح فرما کر شام واپس آئیں گے اور شہر دمشق میں مقیم ہو کر مسلمانوں کے انتظام میں مصروف ہوں گے۔ اس وقت دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پھر اصفہان آئے گا۔ وہاں ستر ہزار یہودی اس کے تابع ہو جائیں گے۔ بعد ازاں وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور زمین میں فساد پھیلاتا پھرے گا۔ حق تعالیٰ بندوں کے امتحان کے لیے اس کے ہاتھ سے قسم قسم

کے کرشمے اور شعبدے ظاہر فرمائیں گے۔ یمن سے ہو کر مکہ مکرمہ کا رخ کرے گا مگر مکہ مکرمہ پر فرشتوں کا پہرہ ہو گا اس لیے دجال مدینہ منورہ کا ارادہ کرے گا۔ مدینہ منورہ کے دروازوں پر بھی فرشتوں کا پہرہ ہو گا اس لیے دجال مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ بالآخر پھر پھر اگر شام واپس آئے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر فجر کی نماز کے وقت دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے نازل ہوں گے اور اس لعین کو قتل کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

"أَنْذَرْتُكُمْ الْمَسِيحَ وَهُوَ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ" - قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ الْيُسْرَى - يَسِيرُ مَعَهُ جِبَالُ الْخُبْرِ وَأَنْهَارُ الْمَاءِ عَلَامَتُهُ يَمُكْتُ فِي الْأَرْضِ أَزْبَعَيْنِ صَبَاحًا يَبْلُغُ سُلْطَانُهُ كُلَّ مَهْلٍ لَا يَأْتِي أَزْبَعَةً مَسَاجِدَ الْكُعْبَةِ وَمَسْجِدَ الرَّسُولِ وَالْمَسْجِدَ الْأَقْصَى وَالطُّورَ.

مسند احمد: ج 16 ص 520 رقم الحدیث 22984

ترجمہ: میں نے تمہیں مسیح دجال سے ڈرایا تھا۔ اس کی ایک آنکھ خراب ہے، جو برابر کر دی گئی ہے یعنی مسخ کی ہوئی آنکھ والا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بائیں آنکھ کے متعلق ارشاد فرمائی تھی۔ اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ دجال کی علامت یہ ہوگی کہ وہ زمین میں چالیس دن رہے گا اور ہر جگہ جائے گا سوائے چار مسجدوں کے۔ وہ چار مسجدیں یہ ہیں: کعبہ، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ اور مسجد طور۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَالِ فَكَانَ حَدَّثَنَا بِهِ أَنَّ قَالَ يَأْتِي الدَّجَالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ بَعْضَ السَّبَاحِ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَالُ الَّذِي حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ فَيَقُولُ الدَّجَالُ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُ هَذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشْكُونُ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ: لَا! فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ حِينَ يُحْيِيهِ: وَاللَّهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ، فَيَقُولُ الدَّجَالُ: أَقْتُلْهُ فَلَا أُسَلِّطُ عَلَيْهِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1882

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دجال مدینہ منورہ کی ایک کھاری زمین تک پہنچے گا لیکن اس پر مدینے میں داخل ہونا حرام ہو گا۔ اس دن ایک شخص اس دجال کی طرف نکل کر اس کے سامنے آئے گا۔ یہ شخص لوگوں میں سب سے بہترین شخص ہو گا یا (یہ فرمایا کہ) یہ شخص بزرگ ترین لوگوں میں سے ہو گا۔ یہ شخص دجال سے کہے گا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ دجال لوگوں کو کہے گا: کیا میں اسے قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو تم لوگوں کو میرے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جائے گا؟ لوگ (جو اس کے حواری ہوں گے) کہیں گے: ہمیں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت دجال اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا۔ جب دجال اسے زندہ کرے گا تو وہ شخص کہے گا: قسم بخدا! اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ تو وہی دجال ہے۔ دجال کہے گا: لاؤ! میں اسے پھر قتل کرتا ہوں لیکن اس مرتبہ

وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَا أَنَا كَاتِبٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبَطَ الشَّعْرَ يَنْطُفُ أَوْ يَهْرَاقُ رَأْسَهُ مَاءً. قُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قَالُوا: ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ ذَهَبَتْ أَلْتَفْتُ فَإِذَا رَجُلٌ جَسِيمٌ أَحْمَرُ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ كَانَ عَيْنَهُ عِنَبَةً طَافِيَةً قَالُوا: هَذَا الدَّجَالُ أَقْرَبَ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنِ رَجُلٌ مِنْ خَزَاعَةَ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7128

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک بار سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک گندمی رنگ کا آدمی ہے، جس کے سیدھے بال ہیں، سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو جواب دینے والوں نے جواب دیا کہ یہ ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک بھاری بھر کم جسم، سرخ رنگت، گھنگھریالے بال اور کانہ ہے اور اس کی آنکھ لٹکے ہوئے انگور کے دانے جیسی ہے۔ مجھے بتانے والوں نے بتایا کہ یہ دجال ہے۔ دجال کی شکل ابن قطن سے ملتی جلتی ہے جو بنو خزاعہ کا ایک شخص ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَهُوَ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ مُهْجَأٌ يَقْرَأُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٌ وَغَيْرُ كَاتِبٍ.

مسند احمد: ج 12 ص 33 رقم الحدیث 14895

ترجمہ: دجال کانہ ہو گا جبکہ تمہارا رب کانہ نہیں ہے۔ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر ”ک، ف، ر“ لکھا ہو گا جو ہر مومن پڑھ لے گا خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا

نہ جانتا ہو۔

3: عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا

تیسری علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا ہے۔ کانہ دجال کا خروج ہو چکا ہو گا اور امام مہدی دمشق کی جامع مسجد میں نماز فجر کے لیے تیاری میں ہوں گے۔ یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نزول فرمائیں گے اور نماز سے فراغت کے بعد امام مہدی کی معیت میں دجال پر چڑھائی کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ تاثیر ہوگی کہ کافراں کی تاب نہ لاسکے گا، اس کے پہنچتے ہی مر جائے گا اور دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی ایسا پگھلنے لگے گا جیسے چربی پگھلتی ہے۔ (بعض روایات میں آیا ہے کہ ایسے پگھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا تعاقب کریں گے اور ”باب لد“ پر جا کر اس کو اپنے نیزے سے قتل کریں گے اور اس کا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے۔ اس کے بعد لشکر اسلام دجال کے لشکر کا مقابلہ کرے گا۔ اس لشکر میں جو یہودی ہوں گے مسلمانوں کا لشکر ان کو خوب قتل کرے گا۔ اس طرح زمین دجال اور یہود کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے گی۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ اللیبیقی رحمہ اللہ (ت 458ھ)

روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ."

کتاب الاسماء والصفات للیبیقی: ج 2 ص 166 باب قول اللہ عزوجل "إني متوفيك"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری خوشی کا اس وقت کیا عالم ہو گا جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تم میں آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے)

اس حدیث میں لفظ ”مِنَ السَّمَاءِ“ کی صراحت ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العسبی الکوفی رحمہ اللہ (ت 235ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَمْرٍ، قَالَ: يَنْزِلُ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ، فَإِذَا رَأَاهُ الدَّجَالُ ذَابَ كَمَا تَذُوبُ الشَّحْمَةُ، قَالَ: فَيَقْتُلُ الدَّجَالُ.

مصنف ابن ابی شیبہ: ج 15 ص 144 رقم الحدیث 38649

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام نازل ہوں گے۔ جب دجال ان کو دیکھے گا تو (ڈر کی وجہ سے) ایسے پگھلنے لگے گا جیسے چربی پگھلتی ہے۔ فرمایا: پھر وہ دجال کو قتل کر دیں گے۔

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی الموصلی رحمہ اللہ (ت 307ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهِ لَيَنْزِلَنَّ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِمَامًا مُقْسِطًا وَحَكَمًا عَدْلًا، فَلَا يَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، وَلَيَقْتُلَنَّ الْخُزَيْرَ، وَلَيُضِلَّ عَنْ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَلَيَنْهَبَنَّ الشَّحَنَاءَ، وَلَيَعْرِضَنَّ عَلَيْهِ الْمَالُ فَلَا يَقْبَلُهُ، ثُمَّ لَيَنْ قَامَ عَلَى قَبْرِي فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! لَا جَبِينَهُ."

مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ص 1149 رقم الحدیث 6577

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ابو القاسم کی جان ہے عیسیٰ بن مریم ایک عادل حکمران بن کر ضرور نازل ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، باہمی عداوتیں جو پیدا ہو چکی ہوں گی انہیں ختم کریں گے، آپس کا بغض ختم ہو جائے گا، اس وقت کوئی مال دے گا تو قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ پھر وہ میری قبر پہ آئیں گے اور یا محمد! کہیں گے تو میں ضرور جواب دوں گا۔

4: یاجوج ماجوج کا نکلنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد امام مہدی انتقال فرما جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ بیت المقدس میں ان کا انتقال ہو گا اور وہیں مدفون ہوں گے۔ امام مہدی کی وفات کے بعد مسلمانوں کی قیادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد ہو گی اور زمانہ نہایت سکون اور راحت سے گزر رہا ہو گا کہ یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا کہ اے عیسیٰ! تم میرے بندوں کو کوہ طور کے پاس لے جاؤ! میں اب ایک ایسی قوم کو نکالنے والا ہوں کہ جس کے ساتھ لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ وہ قوم یاجوج ماجوج کی قوم ہے جو یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہے۔

شاہ ذوالقرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت مستحکم آہنی دیوار قائم کر کے ان کا راستہ بند کر دیا تھا۔ قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ غارت گر قوم ٹڈی دل کی طرح ہر طرف سے نکل پڑے گی اور دنیا میں فساد پھیلانے لگی۔ اس کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں موجود ہے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ﴾ (۹۶) ﴿

سورة الانبياء: 96

ترجمہ: یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلند جگہ سے پھسلنے نظر آئیں گے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا﴾ (۹۳) قَالُوا إِذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ (۹۵) أُنْزِيَ زُبْرُ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ ائْتُونِي أُفْرِغَ عَلَيْهِ قَطْرًا﴾ (۹۶) فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا﴾ (۹۷) قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا﴾ (۹۸) ﴿

سورة الكهف: 93 تا 98

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (ذوالقرنین) دو پہاڑوں کے درمیان جا پہنچا تو اسے پہاڑوں سے پہلے چند لوگ ملے جو بات کو مشکل سے سمجھتے تھے۔ انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں بہت فساد پھیلاتے رہتے ہیں۔ تو کیا ہم آپ کو کچھ رقم دیں جس کے عوض آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنادیں! ذوالقرنین نے کہا: اللہ نے مجھے جس حکومت سے نوازا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے۔ البتہ تم لوگ محنت سے میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم لوگ مجھے لوہے کے تختے دے دو! یہاں تک کہ جب اس نے پہاڑوں کا درمیانی حصہ برابر کر دیا تو کہا کہ اب آگ دہکاؤ! یہاں تک کہ جب اس دیوار کو آگ کی طرح کر دیا تو کہا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لے آؤ تاکہ میں اسے اس پر ڈال دوں۔

بالآخر (دیوار ایسی مضبوط قائم ہو گئی کہ) یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے فرمایا: یہ میرے رب کی رحمت سے ہوا ہے۔ پھر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو لے کر کوہ طور کی طرف چلے جائیں گے۔ بارگاہ خداوندی میں یاجوج ماجوج کے حق میں طاعون کی ہلاکت کی دعا کریں گے جب کہ باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں چھپ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو طاعون کی وباء سے ہلاک کرے گا اور اس بلائے آسمانی سے سب مر جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ لمبی گردن والے پرندے بھیجے گا جو بعض کو توکھا جائیں گے اور بعض کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیں گے۔ پھر بارش ہوگی جس کے سبب ان مرداروں کی بدبو سے نجات ملے گی اور زندگی نہایت راحت اور آرام سے گزرے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس یا پینتالیس سال زندہ رہ کر مدینہ منورہ میں انتقال فرمائیں گے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک قحطانی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کر جائیں گے جس کا نام ”جہاہ“ ہوگا، خوب اچھی طرح عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے گا مگر ساتھ ہی شر اور فساد پھیلنا شروع ہو جائے گا۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَيَبْعَثُ اللَّهُ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ فَيَبُرُّ
أَوَائِلَهُمْ عَلَى بَحِيرَةٍ طَبَرِيَّةٍ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُونَ لَقَدْ كَانَ
بِهَذِهِ مَرَّةً مَاءٌ وَيُحْضَرُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لَأَحَدِهِمْ

خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمْ الْيَوْمَ فَيَزَعِبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ فَيُرْسِلُ
اللَّهُ عَلَيْهِمُ النَّعْفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُونَ فَرَسَى كَهَوَاتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ
نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ إِلَى الْأَرْضِ فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهُ
زَهْمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ فَيَزَعِبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللَّهِ فَيُرْسِلُ اللَّهُ طَيْرًا
كَاعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْبِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا لَا
يَكُنْ مِنْهُ بَيْتٌ مَدِيرٌ وَلَا وَبَرٌ فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتَّى يَنْزُكَهَا كَالزَّلْفَةِ ثُمَّ يُقَالُ
لِلْأَرْضِ أَنْبِئِي ثَمَرَتِكَ وَرَدِّي بَرَكَتِكَ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَانَةِ
وَيَسْتَظِلُّونَ بِقَعْفِهَا وَيُبَارِكُ فِي الرِّسْلِ حَتَّى أَنَّ اللَّفْقَةَ مِنَ الْإِبِلِ لَتَكْفِيَ
الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ وَاللَّفْقَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِيَ الْقَبِيلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللَّفْقَةَ مِنَ
الْعَنَمِ لَتَكْفِيَ الْفَخْدَ مِنَ النَّاسِ فَبَيَّمُوا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللَّهُ رِجَالًا طَيِّبَةً
فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ أَبْطَاهِمُ فَتَنْفِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقَى شِرَارُ
النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا يَتَهَارَجُ الْحَبَرُ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 5228

ترجمہ: اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر بلند جگہ سے پھسل رہے ہوں گے۔
یاجوج ماجوج کے لشکر کا پہلا حصہ بحیرہ طبریہ سے گزرے گا تو اس کا سارا پانی پی جائے
گا۔ پھر جب لشکر کا دوسرا حصہ وہاں سے گزرے گا تو وہ کہے گا: اس جگہ کبھی پانی ہوا
کرتا تھا۔ اس دوران اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی گھرے
ہوئے ہوں گے اور (قحط اتنا سخت ہو گا کہ) اس وقت نیل کی ایک سری ان کے لیے سو
دینار سے بہتر سمجھی جائے گی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ
کی طرف متوجہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر
دے گا جس کی وجہ سے وہ سارے کے سارے یکدم مرجائیں گے جس طرح ایک جان
مرتی ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (پہاڑ سے) اتر آئیں گے لیکن

نیچے ایک بالشت بھی ایسی جگہ نہ ہوگی جو ان کی لاشوں کی گندگی، بدبو اور خون سے بھری ہوئی نہ ہو۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے تو (ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ اتنے بڑے بڑے پرندوں کو بھیجے گا جن کی گردنیں سختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی۔ وہ پرندے ان لاشوں کو اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسی بارش برسائے گا جو ہر کچے پکے گھر تک پہنچے گی۔ یہ بارش زمین کو اس طرح صاف ستھرا دھو دے گی کہ وہ آئینے کی طرح صاف شفاف ہو جائے گی۔ پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ پھل پھول اور اپنی برکات واپس لا۔ چنانچہ اس وقت (برکت اتنی ہو جائے گی کہ) ایک انار ایک جماعت کے لیے کافی ہو گا۔ اس کے چھلکے سے یہ جماعت سایہ حاصل کرے گی۔ نیز دودھ میں ایسی برکت ہوگی کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لیے ایک دودھ دینے والی اونٹنی کافی ہوگی اور دودھ دینے والی ایک گائے لوگوں کے ایک قبیلے کے لیے کافی ہو جائے گی۔ اسی طرح دودھ دینے والی ایک بکری لوگوں میں سے ایک چھوٹے گھرانے کو کافی ہوگی۔ لوگ اسی حال میں (خیر و برکت کے ساتھ ایک عرصہ میں) رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجیں گے جس سے مسلمانوں کی بغل میں پھوڑا نکلے گا اور یوں سارے مسلمانوں کی ارواح کو قبض کر لے گی اور باقی لوگ گدھوں کی طرح کھلے عام زنا کریں گے۔ انہی لوگوں پر قیامت پڑا ہو گی۔

5: سورج کا مغرب سے نکلنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے وقوع سے پہلے سورج مغرب سے نکلے گا اور یہ وہ وقت ہو گا جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس وقت

ایمان لانا مفید ثابت نہ ہو گا۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 4870

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔

6: دآبۃ الارض کانکلنا

قیامت کی ایک بڑی نشانی زمین سے دآبۃ الارض کانکلنا ہے، جو نص قرآنی سے ثابت ہے:

﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ﴾ (۸۲)

سورة النمل: 82

ترجمہ: اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں کے پاس آ پہنچے گا (یعنی قیامت قریب ہوگی) تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا (یہ جانور ہم اس لیے نکالیں گے) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

جس روز آفتاب مغرب سے طلوع ہو گا اس کے چند روز بعد مکہ مکرمہ کے ”صفا“ پہاڑ سے یہ عجیب الخلق جانور نکلے گا۔ جس طرح اللہ نے اپنی قدرت سے

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پتھر سے نکالا تھا اسی طرح اپنی قدرت سے قیامت کے قریب زمین سے یہ جانور نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اور قیامت کی خبر دے گا۔ مومنین کے چہروں پر ایک نورانی نشانی لگائے گا جس سے ان کے چہرے روشن ہو جائیں گے اور کافروں کی آنکھوں کے درمیان ایک مہر لگائے گا جس سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ حسب ارشاد باری تعالیٰ "وَأَمْتَاؤُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ" (اے مجرم لوگو! آج الگ ہو جاؤ) مسلم اور مجرم کا امتیاز اس طرح شروع ہو جائے گا اور پورا امتیاز حساب و کتاب کے بعد ہو گا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ رحمہ اللہ (ت 273ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَخْرُجُ الدَّابَّةُ وَمَعَهَا خَاتَمُ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ. وَعَصَا مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ. عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَتَجْلُو وَجْهَ الْمُؤْمِنِ بِالْعَصَا، وَتُخْفِظُهُ أُنْفُ الْكَافِرِ بِالنَّخَاتِمِ حَتَّى أَنْ أَهْلَ الْحِوَاءِ لِيَجْتَمِعُونَ، فَيَقُولُ: هَذَا يَا مُؤْمِنُ وَيَقُولُ هَذَا يَا كَافِرٌ".

سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 4066

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دابۃ الارض جب نکلے گا تو اس کے پاس حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ وہ عصا کے ذریعے مسلمانوں کے چہروں کو روشن کرے گا اور انگوٹھی کے ذریعے کافروں کے چہروں پر نشان لگائے گا یہاں تک کہ جب ایک محلہ کے لوگ جمع ہوں گے تو ایک شخص کہے گا: اے مومن! اور دوسرا شخص کہے گا: اے کافر!

مطلب یہ ہے کہ دابۃ الارض کے نشانات لگانے کی وجہ سے مومن اور کافر

میں واضح امتیاز محسوس ہو گا کہ لوگ مومن کا نشان دیکھ کر اسے ”اے مومن!“ کہہ کر پکاریں گے اور کافر کا نشان دیکھ کر اسے ”اے کافر!“ کہہ کر پکاریں گے۔ یعنی کفر و ایمان اب چھپ نہ سکے گا بلکہ اب ظاہر ہو جائے گا۔

7: ٹھنڈی ہوا کا چلنا

دبۃ الارض کے نکلنے کے کچھ عرصے بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان اور اہل خیر مر جائیں گے یہاں تک کہ اگر کوئی مومن کسی غاریا پہاڑ میں چھپا ہوا ہو گا تو وہاں بھی یہ ہوا پہنچے گی اور وہ شخص اس ہوا سے مر جائے گا۔ نیک لوگ سب مر جائیں گے تو نیکی اور بدی میں فرق کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثُمَّ يَرْسِلُ اللَّهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقَى عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِنْقَالٌ ذَرَّةٌ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ حَتَّى لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِي كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتَّى تَقْبِضَهُ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2939

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ ملک شام کی جانب سے ٹھنڈی ہوا چلائیں گے تو یہ ہوا ہر اس شخص کی روح قبض کر لے گی جس کے دل میں ذرہ برابر خیر یا ایمان ہو گا حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان پہاڑ کے کسی غار میں چھپا ہو گا تو یہ ہوا اس کو بھی پہنچ کر اس کی روح کو بھی قبض کر لے گی۔

8: حبشیوں کا غلبہ اور خانہ کعبہ کو گرانا

بعد ازاں حبشہ کے کافروں کا غلبہ ہو گا اور زمین پر ان کی سلطنت ہوگی۔ ظلم

اور فساد عام ہو گا۔ بے شرمی اور بے حیائی کھلم کھلا ہو گی۔ چوپایوں کی طرح لوگ سڑکوں پر جماع کریں گے۔ حبشی لوگ کعبہ کو شہید کر دیں گے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ (ت 275ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَثْرُكُوا الْحَبْشَةَ مَا تَرَكَوْكُمْ فَإِنَّهُ لَا يَسْتَخْرِجُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ إِلَّا ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبْشَةِ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4309

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حبشہ والوں کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے ہوئے ہیں خانہ کعبہ کے جمع ہونے والے خزانے کو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی شخص ہی نکالے گا۔

9: دھواں کا نکلنا

قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے ایک علامت یہ بھی ہو گی کہ ایک خاص قسم کا دھواں لوگوں پر چھا جائے گا۔ اس کا اثر مومنین پر یہ ہو گا کہ انہیں زکام سا محسوس ہو گا جبکہ کفار اس دھوئیں کا اثر یوں محسوس کریں گے کہ جیسے ان کے سروں کو آگ میں بھون دیا گیا ہو۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں جس میں قیامت کی دیگر نشانیوں کے ساتھ ”دھواں“ کی نشانی کا بھی ذکر ہے، فرماتے ہیں:

فَذَكَرَ الدُّخَانَ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2901

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی نشانیوں میں) دھواں کا ذکر بھی فرمایا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ (ت 310ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: "يَخْرُجُ الدُّخَانُ، فَيَأْخُذُ الْمُؤْمِنُ كَهَيْئَةِ الزُّكْمَةِ، وَيَدْخُلُ فِي مَسَامِعِ الْكَافِرِ وَالْمُنَافِقِ، حَتَّى يَكُونَ كَالرَّأْسِ الْحَمِيذِ".

تفسیر ابن جریر: ج 13 ص 129، تفسیر سورۃ الدخان، الآیۃ 10

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: (قرب قیامت میں جب یہ) دھواں نکلے گا تو مؤمن کو ایسے محسوس ہو گا جیسے زکام ہو اور کافر اور منافق کے کانوں میں گھس جائے گا جس سے ان کے سریوں ہو جائیں گے جیسے انہیں (آگ پر) بھون دیا گیا ہو۔

10: آگ کا نکلنا

قیامت کی آخری نشانی یہ ہے کہ وسطِ عدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو گھیر کر ملک شام کی طرف ہانک کر لائے گی جہاں مرنے کے بعد حشر ہو گا (یعنی قیامت میں جو نئی زمین بنائی جائے گی اس کا وہ حصہ جو موجودہ زمین کے ملک شام کے مقابل ہو گا) یہ آگ لوگوں سے دن رات میں کسی وقت جدا نہ ہوگی اور جب صبح ہوگی اور آفتاب بلند ہو جائے گا تو یہ آگ لوگوں کو ہانک لے جائے گی۔ جب لوگ ملک شام میں پہنچ جائیں گے تو یہ آگ غائب ہو جائے گی۔

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ (ت 275ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ حَدِيقَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغَفَارِيِّ قَالَ كُنَّا قُعُودًا نَتَحَدَّثُ فِي ظِلِّ غُرْفَةٍ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا السَّاعَةَ فَأَرْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَنْ تَكُونَ - أَوْ لَنْ تَقُومَ - السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ قَبْلَهَا عَشْرُ آيَاتٍ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَالذَّجَالُ وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَالْذُّخَانُ وَثَلَاثُ خُسُوفٍ خَسَفَ بِالْمَغْرِبِ وَخَسَفَ بِالْمَشْرِقِ وَخَسَفَ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذَلِكَ تَخْرُجُ نَارٌ مِنَ الْيَمَنِ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ تَسُوقُ النَّاسَ إِلَى الْمَحْشَرِ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4311

ترجمہ: حضرت حدیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمرے کے سائے میں باتیں کر رہے تھے تو ہم نے قیامت کا تذکرہ کیا۔ ہماری آوازیں بلند ہوئیں (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سن لیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دس علامات ظاہر نہ ہو جائیں: ۱.... سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا، ۲.... دابة الارض کا نکلنا، ۳.... یا جوج ماجوج کا نکلنا، ۴.... دجال کا نکلنا، ۵.... حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کا آسمان سے نازل ہونا)، ۶.... دھوئیں کا نکلنا، ۷، ۸، ۹.... تین خسوف ہوں گے یعنی لوگ زمین میں دھنسا شروع ہو جائیں گے، ایک خسوف مغرب میں، ایک مشرق میں اور ایک جزیرۃ العرب میں اور آخری ۱۰.... علامت یہ ہوگی کہ وسط عدن سے ملک یمن میں ایک آگ نکلے گی جو پوری انسانیت کو گھیرنا شروع کر دے گی، لوگ جہاں سونا چاہیں گے وہاں آگ رک جائے گی، جہاں کھائیں گے رک جائے گی، یہ

آگ لوگوں کو میدانِ محشر سرزمینِ شام کی طرف لائے گی۔
 اس کے کچھ عرصہ بعد کفر اور بت پرستی پھیل جائے گی اور زمین پر کوئی خدا
 کا نام لینے والا باقی نہ ہو گا۔ اس وقت قیامت قائم ہوگی اور حضرت اسرافیل کو صور
 پھونکنے کا حکم ہو گا۔

اختتام کتاب

وَاللّٰهُ تَعَالٰی يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے صراطِ مستقیم پر گامزن فرمادیتا ہے۔

دعائے اختتام

بحمد اللہ تعالیٰ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ”الفقہ الاکبر“ کی شرح بخیر وعافیت تکمیل کو پہنچی۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں جس نے ہمیں اس شرح کی تحریر کی توفیق بخشی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اسی طرح شامل حال رہی تو ان شاء اللہ باقی متون۔ جو ہمارے پیش نظر ہیں۔ کا بھی ترجمہ و نشر تک پیش کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس ”شرح الفقہ الاکبر“ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، عوام و خواص کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے میری، میرے اہل خانہ، مرکز اہل السنۃ والجماعۃ کے اساتذہ و عملہ اور خانقاہ حنفیہ کے متعلقین کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم و صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ و ازواجہ و اہل بیتہ اجمعین۔

محتاج دعا

محمد صیاس کھن

استنبول، ترکی

جمعۃ المبارک؛ 7- ربیع الثانی 1443ھ، 12- نومبر 2021ء

[طبع جدید: جمعرات؛ 17- جمادی الاول 1445ھ، 30- نومبر 2023ء]